معاہداتِ نبوی کا فقہی مطالعہ

تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی علومِ اسلامیہ

مقالہ نگار

شاہ معین الدین ہاشمی

لیکچرار شعبہ حدیث و سیرۃ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

نگرانِ تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی و علومِ اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

۲۰۰۶ء

الجامعة الاسلامية العالمية

INTERNATIONAL ISLAMIC UNIVERSITY

Faculty of Shariah and Law

ISLAMABAD – PAKISTAN

From: Professor Dr. Mahmood Ahmad Ghazi

No. Professor-Shariah(FSL)/
Date: 14-12-2006

The Controller Examinations
Allama Iqbal Open University
Sector H-8
ISLAMABAD

My dear Controller Sahib!

Assalamo Alaikum wa Rahmatullah wa Barakatahu!

Shah Moeenuddin Hashmi, Registration No. 90-NMA-0015, is a Registered Ph.D. student of your esteemed. I have supervised his research work entitled "Legal Study of the Prophetic Treaties" (معاہدات نبوی کا فقہی مطالعہ). He has satisfactorily completed his research work. He may be allowed to submit his thesis for further action at your end as per rules and regulations.

With best wishes and kind regards;

Sincerely yours

Professor Dr. Mahmood Ahmad Ghazi

P.O. Box 1243, Islamabad – Pakistan

Declaration

I Moeen-ud-din Hashmi, Roll No. N 846066,

Registration No. 90-NMA-0015, a student of Ph.D at the

Allama Iqbal Open University do hereby solemnly

declare that the thesis entitled

معاہداتِ نبوی کا فقہی مطالعہ۔

submitted by me in partial fulfilment of Ph.D degree

in Islamiat is my original work and has not been

submitted or published earlier and shall not in

future be submitted by me for obtaining any

degree from this or another university or institution.

Signature ____________

Shah Moeen-ud-din Hashmi

Roll No- N 846066

Acceptance
by the Viva Voce Committee

Title of thesis صحابیاتِ نبوی کا فقہی مطالعہ۔

Name of Student: Shah Moeen-ud-din Hashmi

Accepted by the Faculty of Arabic and Islamic Studies, Allama Iqbal Open University in partial fulfilment of the requirements for the Ph.D degree in Islamiat.

<u>Viva Voce Committee:</u>

Dean

Chairman/Director

External Examiner

Supervisor

Dated:________________

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست عنوانات

تفصیل مضامین — صفحہ

PHD/Bab-3/Fasal-1

اظہار تشکر

اللہ تعالیٰ کا نہایت کرم واحسان ہے کہ مجھے یہ مقالہ لکھنے کی ہمت وتوفیق عنایت فرمائی۔ بعد ازاں میں اپنے مکرم ومشفق استاد پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مقالہ ہذا کے لئے عنوان تجویز کرنے میں مشورہ عنایت فرمایا پھر گوناگوں مصروفیات کے باوجود مقالہ کی نگرانی کو قبول فرمایا اور کام کی تکمیل تک میری راہنمائی فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر عظیم عنایت فرمائے۔

مقالہ تحریر کرنے کے دوران مکرم ومحترم پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی نے میری ہر ممکن مدد کی، ان کی شفقت اور توجہ کے بغیر اس کام کی تکمیل ناممکن تھی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عنایت فرمائے۔

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ کے ڈین محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی کا ممنون احسان ہوں کہ انہوں نے دوران کار مفید علمی مشوروں سے نوازا۔

ڈاکٹر محمد ضیاء الحق صدر شعبہ فقہ اسلامی کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے دوران کار مفید علمی مشوروں سے کبھی دریغ نہیں کیا۔

برادرم سید ازکیاء ہاشمی، محی الدین ہاشمی، حافظ محمد سجاد، عبدالحمید عباسی، حافظ غلام یوسف، حامد رضا، جنید ہاشمی کا ممنون احسان ہوں جنھوں نے مجھے قیمتی مشورے دیئے اور ہر ممکن مدد فرمائی۔ مقالہ کی کمپوزنگ کے لئے علم دوست صاحبان، مشتاق حسین اور امجد کا ممنون ہوں۔

والدین کی کاوشوں اور دعاؤں کا اللہ تعالیٰ کے سوا بھلا کون بدلہ دے سکتا ہے، رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔

اللہ تعالیٰ میری کوتاہیوں کو معاف فرمائے اور اس کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے، وما توفیقی الا باللہ۔

PHD/Bab-3/Fasal-1

مُقَدِّمَہ

الحمدلله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وعلی آله واصحابه اجمعین

اسلام امن وسلامتی کا دین ہے اور اس کا مطمع نظر دنیا میں سے فتنہ وفساد کا خاتمہ اور قیام امن وسلامتی ہے۔ اس پیغام کو انسانیت تک پہنچانے والے اللہ کے آخری نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کو پوری انسانیت کے لئے پیغام رشد وہدایت دے کر بھیجا گیا ہے۔ ایک طرف اس کا اظہار ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا﴾(۱) اور ﴿قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾(۲) کی صورت میں کیا گیا ہے اور دوسری طرف ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾(۳) کی صورت میں یہ اظہار بھی کیا گیا ہے کہ ہدایت وسلامتی کا یہ پیغمبر پوری دنیائے انسانیت کے لئے باعث امن ورحمت ہے۔

اسلام ایک مکمل اور جامع صفات ضابطہ حیات ہے اور عالمی دین ہے جو انفرادی واجتماعی معاملات میں کامل ہدایت پیش کرتا ہے۔(۴) اسلامی تعلیمات کے مطابق انسانوں کے باہمی تعلقات کا رشتہ قانون اور اخلاق دونوں سے جڑا ہوا ہے۔ قانون کا ہدف یہ ہے کہ امن وسکون برباد کرنے والے عناصر(۵) کو ان کے فعل بد سے روکنے کا اہتمام کرے اگر نرمی سے ممکن نہ ہو تو سختی کے ساتھ ان سے نمٹا جائے۔ اس کے لئے ہدایت یہ ہے کہ

(۱) ''ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبریاں سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' (سبا:۲۸)

(۲) ''آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں'' (الاعراف:۱۵۸)

(۳) ''اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے'' (الانبیاء:۱۰۷)

(۴) المائدہ:۳

(۵) قرآن نے مختلف مقامات پر اس کے لیے مفسد کی اصطلاح استعمال کی ہے مثلاً ﴿وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا وَیُهْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ط وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (البقرہ:۲۰۵) ''جب وہ (تمہارے پاس سے) لوٹتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے، کھیتی اور نسل انسانی کو تباہ کرنے کے لئے تگ و دو کرنے لگتا ہے۔ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا'' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ٥ فَاَکْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ﴾ (الفجر:۱۱،۱۲) ''یہ سب وہ تھے جنہوں نے ملکوں میں سرکشی کی ان میں بہت زیادہ فساد برپا کیا'' (نیز ملاحظہ ہوں، اس مفہوم کی مزید آیات، ھود:۱۱۶، الاعراف:۵۴۔۵۶، الشعراء:۱۵۰۔۱۵۲)

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾(۱) دوسری طرف اخلاق کا ہدف یہ ہے کہ تمام انسانیت کے ساتھ بہتر تعلقات اور اچھے برتاؤ کا معاملہ کیا جائے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾(۲) نیز

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾(۳)

ایسی اقوام جو امن وسلامتی کی خواہاں ہوں اسلام ان کے ساتھ رفق وسلامتی سے پیش آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾(۴)

ایسی پر امن اقوام جو جنگ وجدال سے کنارہ کش ہوں اسلام عدل وانصاف کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ مزید بھلائی اور حسن سلوک کا حکم کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾ (۵)

اسلام قانون واخلاق پر مبنی اصولوں کی روشنی میں قومی و بین الاقوامی تعلقات کو فروغ دیتا ہے اور ایسی قانون سازی کی طرف راہ ہموار کرتا ہے جس سے انسانی تکریم اور قومی وقار کی سلامتی کے ساتھ انسانی فلاح و بہبود ممکن ہو سکے۔ اسی فلاح و بہبود کے لیے اسلام نے باہمی معاہدات کی مشروعیت' ان کی پابندی اور معاہدہ شکنی کی ممانعت کے لیے واضح اصول و تصورات پیش کیے ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

(۱) ''ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ مٹ نہ جائے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب نہ آ جائے'' (البقرۃ:۱۹۳)

(۲) ''نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی برائی کو بھلائی سے دفع کرو'' (فصلت:۳۴)

(۳) ''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے بات کیجئے'' (النحل:۱۶) نیز (العنکبوت:۴۶)

(۴) ''اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ'' (الانفال:۶۱)

(۵) ''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا' بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے'' (الممتحنہ:۸)

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً﴾ (۱)

﴿وَاَوْفُوْا بِعَهْدِاللّٰهِ اِذَاعٰهَدْتُّمْ﴾ (۲)

﴿اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِاللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾ (۳)

﴿فَاَتِمُّوْآ اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾(۴)

موضوع کی ضرورت واہمیت :

رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس محل وحی ہے اور آپ ﷺ کی طرف سے دیئے جانے والے احکام شریعت، وحیء الٰہی ہیں (۵)۔آپ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔(۶) اور آپ ﷺ کی سیرت مبارکہ مصدر تشریع ہے۔(۷)

سیرت طیبہ کا مصدر تشریع ہونا محض بایں طور نہیں کہ اس کے واقعات سے چند فقہی یا تشریعی احکام مستنبط ہو سکتے ہیں بلکہ سیرت اپنے تمام آفاق و ابعاد کے ساتھ مصدر شرع ہے اور انسانی زندگی کے تمام دائروں میں قابل اقتداء ہے۔تمدنی و ثقافتی مسائل ہوں یا اقوام وملل کے مابین طے پانے والے معاہدات وقوانین کی بات ہو اس امر کی ضرورت ہے کہ سیرت طیبہ کے لٹریچر پر گزشتہ سے پیوستہ رہ کر اجتہادی نگاہ ڈالی جائے جو سیرت کے بطور مصدر تشریع حرکی پہلو سے استفادہ کرنے

---

(۱) ''اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے''۔(بنی اسرائیل:۳۴)

(۲) ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو۔(النحل:۹۱)

(۳) ''جو اللہ کے عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں اور قول وقرار کو نہیں توڑتے''(الرعد:۲۰)

(۴) ''تم ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو''(التوبۃ:۴)

(۵) ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى﴾ (النجم:۳،۴)''اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے''۔

(۶) ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء:۸۰)''جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی''۔

(۷) ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب:۲۱)''یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ میں عمدہ نمونہ ہے''۔

کی اہل ہو جس کی طرف قرآن کریم نے یوں اشارہ کیا ہے۔ ﴿وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِالْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ط وَلَوْرَدُّوْهُ اِلَی الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓی اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ﴾(۱)

آپ ﷺ نے غیر مسلموں سے تجارتی، دفاعی اور جنگی معاہدات فرمائے، غیر مسلموں سے حلیفی کے معاہدات بھی کیے اور پرانی حلیفی کی تجدید بھی فرمائی۔ غیر مسلموں کو امان عطا کی اور کبھی حالات کے پیش نظر ضمان دے کر صلح کرنی چاہی۔ سیرت طیبہ کے یہ سارے گوشے معاہدات نبوی سے عیاں ہوتے ہیں اور موجودہ قومی اور بین الاقوامی معاملات میں ہمارے لیے راہنمائی فراہم کرتے ہیں۔

اگرچہ قدیم زمانے کے علماء اسلام نے ان معاہدات سے فقہی استنباطات کیے ہیں اور امت مسلمہ کے لیے راہنمائی فراہم کی ہے تاہم اُس دور کے حالات کے پیش نظر سیرت کے وہ گوشے زیادہ عیاں ہو سکے ہیں جن کا تعلق تہذیب اسلامی کے دورِ عروج سے ہے۔ سیرت کے ان حوادث اور واقعات پر قدیم علماء کی توجہ نسبتاً کم رہی ہے جو مسلمانوں کی اجتماعی ضعف کے زمانہ سے متعلق ہیں اور جو قرآن کے اصول ﴿اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّم بِالْاِیْمَانِ﴾(۲) سے مطابقت رکھتے ہیں۔ اس اغماض کی بنا پر قرآنی فکر ﴿لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الا وسعها﴾(۳) نیز ﴿اِلَّا مَنْ اُکْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّم بِالْاِیْمَانِ﴾(۴) اور ﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَةٌ......الخ﴾(۵) کے مابین سیرت کے حوالے سے تطبیق واستفادہ کا پہلو پوری طرح کھل کر سامنے نہ آسکا چنانچہ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ عہد حاضر کے جدید مقتضیات کو سامنے رکھتے

---

(۱) ''جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کر دیا حالانکہ اگر یہ لوگ اسے (رسول اللہ ﷺ) کے اور اپنے حاکموں تک پہنچا دیتے تو تحقیق کرتے اس کو جو ان میں تحقیق کرنے والے ہیں اس کی'' (النسا:۸۳)

(۲) ''بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو'' (النحل:۱۰۶)

(۳) ''کسی شخص کو اللہ تکلیف نہیں دیتا مگر اتنی ہی جتنی طاقت اسے دے رکھی ہو''۔ (الطلاق:۷)

(۴) النحل:۱۰۶

(۵) البقرۃ:۱۹۳

ہوئے معاہدات نبوی پر مختلف جہات سے نظر ڈالی جائے ترجیحی طور پر اس نظر کی اہمیت اور زیادہ ہو گی جس کی بنا پر اسلامی ریاست کے داخلی نظم ونسق کے ساتھ ساتھ دیگر اقوام وملل کے ساتھ اسلامی ریاست کے تعلقات پر درست رہنمائی فراہم کی جا سکے اور اس میں قانون سازی کی طرف بھی راہ ہموار کی جا سکے۔

وثائق نبویہ پر گزشتہ کام کا تعارف

وثائق نبوی کی جمع وتدوین کا اولین کام حضرت عبداللہ بن عباس اور عمرو بن حزم نے فرمایا۔ بعد ازاں اس موضوع پر جمع وتحقیق کرنے والوں میں عبداللہ بن ابی بکر بن محمد عمرو بن حزم، امام زہری، ابن اسحٰق، ابن ہشام، واقدی اور ابن سعد کے نام سرفہرست ہیں۔

عمرو بن حزم کے مجموعہ وثائق نبوی کو ابن جعفر الدیبلی الھندی نے نقل کیا جو کہ بعد ازاں محمد بن علی بن محمد ابن طولون کی کتاب اعلام السائلین عن کتب سید المرسلین کے ضمیمہ میں طبع ہو کر دستیاب ہوا۔(۱)

وثائق نبوی کے مصادر میں درج ذیل کتب کے نام سرفہرست ہیں۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ کے علاوہ، مسند احمد، سنن دارمی، السنن الکبریٰ للبیہقی، مصنف عبدالرزاق (۲) کتب سیرت وطبقات میں: کتاب المغازی للواقدی، سیرت ابن اسحاق، سیرۃ ابن ھشام، طبقات ابن سعد، فتوح البلدان للبلاذری، تاریخ طبری، الکامل لابن اثیر، البدایۃ والنھایہ لابن کثیر، زادالمعاد لابن القیم، اور سیرت حلبیہ، تفاسیر میں تفسیر الطبری اور احکام القرآن للجصاص۔ وثائق نبوی پر دو کتب نہایت اہم اور بنیادی مصادر میں شمار کی جاتی ہیں۔ ان میں ایک امام ابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب الاموال اور دوسری امام ابو یوسف کی کتاب الخراج ہے۔

---

(۱) عون الشریف قاسم، نشاۃ الدولۃ الاسلامیہ علی عہد رسول اللہ ﷺ، ص:۱۰؛ محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الرشدہ، ص:۵۰۰

(۲) مندرجہ بالا کتب حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے وثائق کے کچھ حصے الفاظ اور ترتیب کے اختلاف کے ساتھ ملتے ہیں۔

وثائق نبوی پر جدید مصادر میں اہم ترین اور جامع کتاب ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ''مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العہد النبوی الخلافۃ الراشدۃ'' کے نام سے مرتب کی ہے یہ ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا جو کہ فرانسیسی زبان میں لکھا گیا۔ اس کتاب میں علوم اسلامیہ کے اکثر مصادر کی مدد سے رسول اللہ ﷺ کے اکثر وثائق کو جمع کیا گیا ہے۔(۱) وثائق نبوی پر جمع و ترتیب کے اعتبار سے یہ اہم ترین اور جامع کتاب تصور کی جاتی ہے۔(۲)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بعد وثائق نبوی پر عربی میں دو کتابیں نہایت قابل ذکر ہیں۔

(الف) نشأة الدولة الاسلامية على عهد رسول اللهﷺ دراسة في وثائق العهد النبوی: اس کتاب کے مؤلف ڈاکٹر عون الشریف قاسم ہیں۔ یہ کتاب دارالکتاب المصری قاہرہ اور دارالکتاب اللبنانی بیروت لبنان سے چھپی ہے۔ اس کتاب میں وثائق نبوی کا مفصل سیاسی مطالعہ کیا گیا ہے۔

(ب) مکاتیب الرسول: یہ علی بن حسین علی الاحمدی نے تالیف کی ہے جو کہ ایران کے شہر قم اور دار صعب بیروت سے چھپی ہے سن طباعت کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں البتہ مؤلف نے کتاب کے مقدمہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ کا ذکر نہایت تعریف کے ساتھ کیا ہے۔(۳) اس کتاب پر وثائق نبوی کی لغوی اور تاریخی تشریحات کا پہلو غالب ہے۔ کتاب میں جگہ جگہ اہل تشیع کے مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

اردو زبان میں اس موضوع پر درج ذیل کتب قابل ذکر ہیں۔

(۱) **رسالات نبویہ**: اس کے مؤلف عبدالمنعم خان ہیں، یہ کتاب ۱۳۴۶ھ میں ہند سے طبع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں مکاتیب الرسول کو جمع کیا گیا ہے، انداز تحقیقی ہے البتہ موجودہ دور کے اعتبار سے زبان مغلق سمجھی جائے گی۔

---

(۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے رسول اللہ ﷺ کے وثائق جمع کر کے قدیم و جدید مصادر کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ کیا ہے' ملاحظہ ہو، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ص:۴۹۱ تا ۵۰۹

(۲) اس مقالہ میں وثائق کے متن کے حصول کے لیے اسی کتاب کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

(۳) دونوں مؤلفین نے ایک دوسرے کی کتب دیکھی ہیں، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھی اپنی کتاب' عہد نبوی کا نظام حکمرانی، ص:۹۸، پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب الوثائق السیاسیۃ میں کئی جگہ اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔(۱)

(۲) **سیرت النبی**: یہ مولانا شبلی نعمانی کی تالیف ہے اس کتاب میں کئی مکاتیب نبوی کو جمع کیا گیا ہے۔

(۳) **مکتوبات نبوی ﷺ**: مولانا سید محبوب رضوی کی تالیف ہے۔ اس میں آپ ﷺ کے اکثر مکتوبات کو اردو زبان میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب میں مکاتیب کا پس منظر اور کہیں کہیں دیگر حواشی بھی ملتے ہیں۔ یہ کتاب ادارہ اسلامیات لاہور سے پہلی مرتبہ ۱۹۷۸ میں شائع ہوئی ہے۔

(۴) **سیاسی وثیقہ جات**: (از عہد نبوی تا بہ خلافت راشدہ) مولانا ابو یحیٰ امام خان نوشہروی کی یہ تالیف مجلس ترقی ادب لاہور سے پہلی مرتبہ ۱۹۶۰ میں طبع ہوئی۔ یہ دراصل ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب ''مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ'' کا اردو ترجمہ ہے۔ کتاب کا ترجمہ پرانے ایڈیشن کے مطابق ہے لہٰذا وہ تمام اضافے جو اصل مؤلف نے بعد میں کیے ہیں کتاب میں شامل نہیں۔ اردو ترجمہ میں اصل کتاب کی کئی روایات اور حواشی کو حذف کر دیا گیا ہے۔(۲) اصل کتاب میں مصادر و مراجع کا تفصیل سے ذکر موجود ہے جبکہ ترجمہ میں اسے بھی حذف کر دیا گیا ہے۔ اصل کتاب کے نقشہ جات اور شرح الفاظ کو بھی اردو ترجمہ میں شامل نہیں کیا گیا، علاوہ ازیں ترجمہ بھی کئی جگہ سے محل نظر ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس ترجمہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اس کا اردو ترجمہ لاہور میں سیاسی وثیقہ جات کے نام سے کسی صاحب نے مجھے مسودہ بتائے بغیر طباعت اول کی اساس پر چھاپا ہے۔ بدقسمتی سے اصل کی ساری خصوصیتیں (ماخذ، اشاریہ، وغیرہ) حذف کردی گئی ہیں۔ ترجمے کی صحت کا بھی میں ذمہ دار نہیں ہوں''۔(۳)

---

(۱) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، ص:۵۰۳

(۲) مثلاً ملاحظہ ہو، ابو یحیٰ امام خان نوشہروی، سیاسی وثیقہ جات، ص:۴، ۶، ۸۲ نیز مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، معاہدہ نمبر ۶۶، (آخری جملہ کا ترجمہ، معاہدہ نمبر ۳۱ کی روایت ثانی)

(۳) محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۳۱

نہج البحث :

موضوع زیر بحث فقہ السیر ۃ سے متعلق ہے۔

لغت میں ''فقہ'' کا لفظ فہم وادراک کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔فقہ کے لغوی مفاہیم میں سمجھ بوجھ،امور کی تفہیم اور ذہانت وغیرہ کے پہلو پائے جاتے ہیں۔(1)

اصطلاح میں فقہ احکام شریعت کے تفصیلی دلائل کے علم کو کہا جاتا ہے۔(2) شریعت کا یہ علم عبادات اور معاملات دونوں پر مشتمل ہے، چنانچہ مسلمانوں کے نزدیک شریعت اس مذہب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے ذریعہ لوگوں تک پہنچایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"شرع لكم من الدين ماوصىٰ به نوحا والذى اوحينا اليك وما وصينا به ابراهيم و موسىٰ و عيسىٰ ان اقيموا الدين"(3)

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ شارع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، اور اس نے دین و دنیا دونوں کے احکام بھیجے ہیں۔چونکہ علم فقہ میں عبادات اور معاملات دونوں سے بحث کی جاتی ہے ، لہذا اس کے ذیل میں حسب ذیل مباحث آتے ہیں۔عبادات ، معاملات ، مناکحات،عقوبات،مخاصمات،حکومت وخلافت ۔

1۔ الزبیدی، السید محمد مرتضیٰ، تاج العروس، المطبعۃ الخیریۃ، مصر، 402/9،قرآنی آیات میں اس کے مفہوم کیلئے ملاحظہ ہوں۔النساء۔78، التوبۃ 122،الکہف 93

2۔ "العلم بالأحكام الشريعة العلمية المكتسب من ادلتها التفصيلية" (عبيد الله، التوضيح لمتن التنقيح، دار الکتب العلمیۃ، بیروت،1 / 12، نیز ملاحظہ ہو رواس قلعہ جی ، وحامد صادق، معجم لغۃ الفقہآء، ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ، کراچی،ص:349,348

3۔ ''اس (اللہ) نے تمہارے لئے وہی طریقہ (دین) مقرر کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح (علیہ السلام) کو دیا تھا اور جسے (اے محمد ﷺ) اب تمہاری طرف ہم نے وحی کے ذریعہ سے بھیجا اور جس کی ہدایت ہم ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دے چکے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ اس دین کو قائم کرو''، الشوریٰ:13، نیز ملاحظہ ہو المائدۃ:48

معاہدات نبوی کے ذیل میں کثیر الجہت مسائل کی وضاحت ہوتی ہے۔ ہمارے پیش نظر یہ نہیں کہ فقہی کتب سے ہر مسئلہ کو لے کر عہود و مواثیق کو حاشیوں سے مزین کیا جائے بلکہ مقصود یہ ہے کہ عصر حاضر میں اسلامی فلاحی مملکت کے تصور، اس کے داخلی اور بین الاقوامی کردار کے لیے مشہور معاہدات نبویہ سے استفادہ کیا جائے، ہم نے اس مقالہ میں بالخصوص معاہداتِ نبوی سے استدلال کیا ہے۔ اپنے استدلالات کی مزید تائید اور دیگر جہتوں کے لیے قرآنی آیات اور احادیث نبویہ سے استفادہ کیا ہے۔ اس ضمن میں فقہاء کی آراء اور استدلال کو بھی واضح کیا ہے اور بقدر ضرورت ترجیح اور وجہ ترجیح کا تعین بھی کیا ہے۔

مقالہ میں بنیادی مصادر سے استفادہ کرنے کی حتی المقدور کوشش کی ہے اور تبعاً جدید مصادر کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہر باب کے آخر میں اس باب کے نتائج کا فقہی نکات کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔ مقالہ میں لکھی جانے والی آیات واحادیث کی فہارس مقالہ کے آخر میں لگائی گئی ہیں۔

خاکہ برائے بحث:

یہ مقالہ ایک مقدمہ اور پانچ ابواب، خاتمہ وفہارس پر مشتمل ہے۔

مقدمہ موضوع کی ضرورت واہمیت، اس موضوع پر پہلے کام کا تعارف، موضوع کے اہم مصادر کا تعارف اور منہج البحث پر مشتمل ہے۔ جبکہ ابواب کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باب اول: معاہداتِ نبوی

فصل اول: معاہدہ کی تعریف وارتقاء

فصل ثانی: معاہداتِ نبوی (عمومی مطالعہ)

باب ثانی: میثاقِ مدینہ کا فقہی مطالعہ

فصل اول: میثاق مدینہ (ترجمہ، لغوی ومختصر فقہی توضیحات)

فصل ثانی: میثاق مدینہ...... فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ

باب ثالث: مدینہ کے جنوب مغربی قبائل سے معاہدات نبوی کا فقہی مطالعہ

فصل اول: مدینہ کے جنوب مغرب کے (غیر مسلم) قبائل سے معاہدات نبوی کا فقہی مطالعہ

فصل ثانی: بنوجہینہ کے مسلمان ہونے والے بطون کے لئے وثائق نبوی کا فقہی مطالعہ

باب رابع: معاہدۂ حدیبیہ وخزاعہ کا فقہی مطالعہ

فصل اول: معاہدۂ حدیبیہ وخزاعہ (ترجمہ، مختصر لغوی وفقہی توضیحات)

فصل ثانی: معاہدۂ حدیبیہ وخزاعہ...... فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ

باب خامس: فارس اور روم کے باجگزار قبائل سے معاہدات نبوی کا فقہی مطالعہ

فصل اول: باجگزاران فارس سے معاہدات نبوی کا فقہی مطالعہ

فصل ثانی: باجگزاران روم سے معاہدات نبوی کا فقہی مطالعہ

خاتمہ: خاتمہ میں مقالہ میں کی جانے والی بحث کے نتائج کا ذکر کیا گیا ہے۔

مصادر ومراجع:

مقالہ تحریر کرنے کے لیے متنوع مصادر ومراجع سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تاہم مندرجہ ذیل مصنفین اوران کی کتب سے بکثرت استفادہ کیا گیا ہے۔

(۱) کتب تفسیر:

قرآنی آیات کی تفسیر میں حسب ذیل تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تفسیر للطبری (۳۱۰ ھ)، احکام القرآن للجصاص (۳۷۰ ھ)، احکام القرآن للکیاھراسی (۵۰۴ھ)، احکام القرآن لابن العربی (۵۴۳ھ)، تفسیر الکبیر للرازی (۶۰۶ھ)، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی (۶۷۱ھ)، تفسیر ابن کثیر (۷۷۴ھ)،

تفسیر المنار لمحمد رشید رضا(۱۳۵۴ھ)،التفسیر المظھری لثناء اللہ پانی پتی

(۲) حدیث وعلوم الحدیث:

حدیث وعلوم الحدیث کے جن مصادر پر انحصار کیا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

الموطا لامام مالک (۱۷۹ھ)، المسند لابن حنبل (۲۴۱ھ)، الجامع الصحیح للبخاری (۲۵۶ھ)، الصحیح لمسلم (۲۶۱ھ)، سنن لابن ماجه (۲۷۳ھ)، السنن لابی داود (۲۷۵ھ)، جامع للترمذی (۲۷۹ھ)، سنن للنسائی (۲۷۹ھ)، سنن للدارقطنی (۳۸۵ھ)، السنن الکبری للبیهقی (۴۵۸ھ)، النهایة فی غریب الحدیث والاثر لابن اثیر (۶۳۰ھ)، شرح مسلم للنووی (۶۷۶ھ)، نصب الرایة لاحادیث الهدایة للزیلعی (۷۶۲ھ)، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، بلوغ المرام من ادلة الاحکام لابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)، عمدة القاری شرح صحیح البخاری للعینی (۸۵۵ھ)، ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للقسطلانی (۹۲۳ھ)، نیل الاوطار للشوکانی (۱۲۵۵ھ)، اعلاء السنن لظفر احمد عثمانی

(۳) کتب فقہ اسلامی:

مقالہ میں جن فقہی مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

المدونة الکبری لامام مالک (۱۷۹ھ)، کتاب الخراج لاما م ابی یوسف (۱۸۳ھ)،کتاب الخراج لیحیی بن آدم (۲۰۳ھ)، کتاب الام للشافعی(۲۰۴ھ)، کتاب الاموال لابی عبید (۲۲۴ھ)، کتاب الاموال لابی جعفر بن نصر(۴۰۲ھ)،الاحکام السلطانیة للماوردی (۴۵۰ھ)، المحلی لابن حزم (۴۵۶ھ)، الاحکام السلطانیة لابی یعلی (۴۵۸ھ)، المهذب لعلی الشیرازی (۴۷۶ھ)، شرح السیر الکبیر للسرخسی (۴۸۳ھ)، بدائع الصنائع للکاسانی (۵۸۷ھ)، بدایة المجتهد لابن رشد الحفید (۵۹۱ھ)، الهدایة للمرغینانی (۵۹۳ھ)، المغنی لابن قدامة (۶۲۰ھ)، زاد المعاد فی هدی خیر العباد، احکام اهل الذمة لابن قیم الجوزیة (۷۵۱ھ)، معین الحکام لعلاء الدین الطرابلسی (۸۴۴ھ)، فتح

القدير للهمام (۸٦۱ھ)، الأشباه والنظائر للسیوطی (۹۱۱ھ)، الاشباه والنظائر لابن نجیم (۹۷۰ھ)، المیزان الکبری للشعرانی (۹۷۳ھ)، مغنی المحتاج الی شرح المنهاج لمحمد الشربینی الخطیب (۹۷۷ھ)، کشاف القناع علی متن الاقناع للبهوتی (۱۰۵۱ھ)، فتح الجلیل علی مختصر خلیل للخرشی (۱۱۰۱ھ)، الشرح الکبیر علی مختصر خلیل للدر دیر (۱۲۰۱ھ)،حاشیة علی الشرح الکبیر للدسوقی (۱۲۳۰ھ)، ردالمختار علی الدر المختار لابن عابدین (۱۲۵۲ھ)،

فقہ اسلامی وقانون پر جدید کتب میں حسب ذیل سے استفادہ کیا ہے۔

الاسلام والعلاقات الدولیة لمحمد شلتوت،العلاقات الدولیةفی الاسلام لمحمد ابو زهرة، اُحکام الذمیین والمستامنین لعبد الکریم زیدان،آثار الحرب فی الفقه الاسلامیة لو هبةالذحیلی،النزاعات الدولیة فی الشریعة الاسلامیة والقوانین الوضعیة لعلی بن عبد الرحمن الطیار،فقه السیرة لمحمد الغزالی، التشریع الدولی فی الاسلام لفاروق حمادة،الاسلام والعاهدات الدولیة للمحمد الصادق عفیفی

(۴) کتب تاریخ وسیر

معاہدات نبوی اور سیرت کے دیگر موضوعات کے لئے جن اہم مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔وہ حسب ذیل ہیں۔

کتاب "المغازی " للواقدی (۲۰۷ھ)،السیرة النبویة لابن هشام (۲۱۳ھ)،اخبار مکة للازرقی (۲۴۴ھ)،فتوح البلدان للبلاذری (۲۷۹ھ)، تاریخ الیعقوبی (۲۹۲ھ)،تاریخ الامم والملوک للطبری (۳۱۰ھ)،العقدالفرید لعبد ربه الاندلسی (۳۲۸ھ)، مروج الذهب للمسعودی (۳۴٦ھ)، الروض الانف للسهیلی (۵۸۱ھ)،الکامل لابن اثیر (٦۳۰ھ)، البدیة والنهایة لا بن کثیر (۷۷۴ھ)، التاریخ لابن خلدون (۸۰۸ھ)،امتاع الاسماع للمقریزی (۸۴۵ھ)،السیرة الحلبیة للحلبی (۱۰۴۴ھ)،شرح علی المواهب اللدنیة للزرقانی (۱۰۹۹ھ)،

حسب ضرورت سیرت کے بعض جدید مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔جن میں اہم یہ ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، Muslm Conduct of State از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکومت از یسین مظہر صدیقی، نشاۃالدولۃ الاسلامیۃ لعون الشریف قاسم،مکاتیب الرسول لعلی بن حسین علی الاحمدی.

(۵) کتب تراجم واعلام

الطبقات الکبری لابن سعد (۲۳۰ھ)،کتاب المحبر لابن حبیب (۲۴۵ھ)، کتاب الفہرست لابن الندیم (۳۸۵ھ)،اسدالغابۃلابن اثیر(۶۳۰ھ)، الاصابۃ لابن حجرعسقلانی (۸۵۲ھ)،الاعلام للزرکلی

(۶) کتب ادب ومعاجم

انساب الاشراف للبلاذری (۲۷۹ھ)،کتاب الاغانی لابی الفرج الاصبہانی (۳۵۶ھ)، المستقصی فی امثال العرب لجاراللہ الزمخشری (۵۳۸ھ)لسان العرب لابن منظور (۷۱۱ھ)، نہایۃالارب فی فنون الادب للنویری،(۷۳۳ھ)صبح الا عشی للقلقشندی (۸۲۱ھ)، تاج العروس للزبیدی (۱۲۰۵ھ)،

(۷) کتب تاریخ البلدان وقبائل

معجم ما استعجم للبکری ،معجم البلدان لیاقوت الحموی (۶۲۶ھ)، جمہر ۃانساب العرب لابن حزم، نہایۃ الارب للقلقشندی (۸۲۱ھ)، صفۃ جزیرۃالعرب للہمدانی ۔

(۸) کتب بین الاقوامی قانون

القانون الدولی العام لعلی صادق ابو ہیف ، مبادی القانون الدولی العام لمحمد حافظ غانم ، قانون العلاقات الدولیۃ لاحمد سرحال ،القانون بین الامم لجیر ہارد، المد خل الی القانون الدولی العام

لشکری محمد عزیز،النز اعات الدولیة فی الشریعة الاسلامیة والقوانین الو ضعیة لعلی بن عبد الرحمن الطیار، حقوق الانسان بین تعالیم الاسلام واعلان الامم المتحدة لمحمد الغزالی ،العلاقات الدولیة فی الاسلام، مقارنة بلقانون الدولی الحدیث.

انسائیکلو پیڈیا:

Encyclopedia of Islam, Encyclopedia Americana, the world book Encyclopedia,

زیر بحث موضوع پر یہ کام محدود وقت اور محدود صلاحیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ یہ ایک ابتدائی کام ہے جس کو حرف آخر نہیں کہا جاسکتا۔ اگر اس میں خوبی کی کوئی بات ہے تو محض اللہ تعالیٰ کا کرم واحسان ہے اور اگر کوئی خامی ہے تو وہ مقالہ نگار کی کم علمی کی وجہ سے ہے۔کوئی بھی انسانی کاوش غلطی سے مبرا نہیں ہوسکتی۔ سبحان اللہو بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم ، وما توفیقی الا باللہ ،علیہ توکلت والیہ انیب .

شاہ معین الدین ہاشمی
دسمبر ۲۰۰۶

باب اوّل

معاہداتِ نبوی

فصل اول: معاہدہ کی تعریف اور ارتقاء

معاہدہ کا لغوی مفہوم:

لغت میں ''معاہدۃ'' باب مفاعلۃ سے مصدر ہے۔ اس کا مادہ ''عہد'' ہے اور جمع ''عھود'' ہے۔ جو کہ وعدہ' وصیت' میثاق' زمانہ' ذمہ' امان' حفاظت' دوست داری کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔(۱) قرآن میں ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا﴾(۲)

حدیث میں ہے: ((ألا من ظلم معاهدا ......فاناحجيجه يوم القيامة))(۳)

معاہدہ کے مترادفات:

معاہدہ کے کئی مترادف الفاظ ہیں۔ جن میں معاہدہ کا کوئی نہ کوئی مفہوم پایا جاتا ہے۔ ان مترادفات میں المیثاق، العقد، المصالحۃ، المسالمۃ، الھدنۃ، الموادعۃ، الحلف اور الذمہ مستعمل ہیں۔ (۴) تفصیل حسب ذیل ہے۔

ا۔ المیثاق: قسم کھا کر کسی معاملہ کو پختہ کرنا، جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَخَذْنَامِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾(۵)

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، مادۃ ''عہد'' ص:۳/۳۱۱۔۳۱۳

(۲) ''اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول وقرار کی باز پرس ہونے والی ہے'' (الاسراء:۳۴)

(۳) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، السنن، کتاب الخراج والامارۃ، مافی تعشیر اہل الذمۃ، حدیث نمبر (۳۰۵۲)

(۴) الرملی، شمس الدین محمد، نہایۃ المحتاج إلی شرح المنہاج: ۸/۱۰۶، ابن قیم الجوزیۃ، محمد بن أبی بکر، احکام اہل الذمۃ: ۲/۴۷۵ نیز، ابن قدامۃ، عبداللہ بن احمد بن محمد، المغنی: ۴/۲۶۹ یا ۲۸۴ تا ۲۹۲

(۵) ''ہم نے ان سے سخت سے سخت قول وقرار لیا'' (النساء:۱۵۴) نیز ملاحظہ ہو الاصفہانی، مفردات القرآن، مادہ ''وثق''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ م بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ ﴾(۱)

۲۔ العقد: کسی چیز کے دو کناروں کو جوڑنا اور گرہ لگانا عقد ہے۔ پھر اس لفظ کو دوسرے معانی کے لئے مستعار لیا گیا ہے جیسے عقد بیع وغیرہ۔ اس سے مراد ہے پختہ عہد و پیمان کرنا۔ قرآن میں ہے۔ ﴿اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ (۲)

۳۔ الحلف: حلف قسم کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میں بھی وعدے کی پختگی کا اشارہ ہے۔ قرآن میں ہے۔

﴿ذٰلِکَ کَفَّارَۃُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ﴾(۳)

نیز ارشاد نبوی ہے: ((اوفوا بحلف الجاهلية فانه لا يزيده يعنى الاسلام))(۴)

۴۔ الذمۃ: عہد و پیمان کرنا مراد ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿لَا یَرْقُبُوْا فِیْکُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّۃً﴾(۵)

فقہاء اسلام کے نزدیک معاہدہ:

فقہاء اسلام نے معاہدہ کی درج ذیل تعریفات ذکر کی ہیں۔

امام محمد فرماتے ہیں: إنها "موادعة المسلمين لأهل الحرب سنين معلومة" "خاص مدت کے لیے اہل حرب سے صلح کرنے کو معاہدہ کہا جاتا ہے" (۶)

---

(۱) "سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے" (النساء: ۹۰، نیز ملاحظہ ہو "میثاق" دیگر آیات قرآنی میں البقرۃ: ۸۳، آل عمران ۸۱، ۱۸۷، المائدۃ: ۱۲، ۷۰، الأعراف: ۱۶۹، الانفال: ۷۲، الرعد: ۲۰ وغیرہ)

(۲) "عہد و پیمان پورا کرو" (المائدۃ: ۱ نیز الاصفہانی، م ن)

(۳) "یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھالو" (المائدۃ: ۸۹) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ﴾ (القلم: ۱۰)

(۴) الطیبی، شرف الدین حسین بن محمد، شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح (الکاشف عن حقائق السنن، کتاب الجہاد، باب الامان ۲۸/۶)

(۵) "نہ یہ قرابت داری کا خیال کریں نہ عہد و پیمان کا" (التوبۃ: ۸، ۱۰) اس آیت میں الًّا کا لفظ ہے یہ بھی اس حلیفی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کسی قرابت داری یا ذمہ کی بنیاد پر ہو، ملاحظہ ہو (ابن کثیر تفسیر ابن کثیر: ۱۲۰/۴)

(۶) السرخسی، شمس الدین محمد، شرح السیر الکبیر، ۱۷۸۰/۵

کاسانی لکھتے ہیں:

''الموادعة هی المعاهدة والصلح علی ترک القتال'' (۱) ''موادعت، معاہدہ کا مترادف ہے اس سے مراد جنگ بندی پر صلح کرنا ہے''۔

نووی لکھتے ہیں:

''الهدنة هی الصلح مع الکفار علی ترک القتال لمدة معینة لعوض أو بغیره'' (۲)

''ھدنۃ سے مراد اہل کفر کے ساتھ خاص مدت کے اندر جنگ بندی پر صلح کرنا ہے، جو کچھ دے کر ہو یا بلاعوض''

ابن قدامہ کے مطابق:

''الهدنة أن یعقد لأهل الحرب عقدا علی ترک القتال مدة بعوض و بغیر عوض و تسمی مهادنة و موادعة ومعاهدة و متی زال عقدها لزم الثانی الوفاء به. (۳)

ھدنہ سے مراد اہل حرب کے ساتھ خاص مدت تک کا جنگ بندی کا معاہدۂ صلح کرنا ہے۔خواہ وہ کچھ دے کر ہو یا بلاعوض یہ معاہدہ جب تک برقرار ہے فریقین کو اس کی پابندی کرنا ہوگی۔

مذکورہ تعریفات اختلاف الفاظ کے باوجود درج ذیل عناصر پر مشتمل ہیں۔

☆ معاہدہ کا شرعی جواز ہے۔

☆ جنگ بندی اور امن وامان پر غیر مسلموں سے اتفاق ممکن ہے۔

☆ مخصوص مدت کا تعین ضروری ہے۔

☆ معاہدہ با معاوضہ اور بلا معاوضہ دونوں طرح کیا جا سکتا ہے۔

---

(۱) الکاسانی، علاء الدین أبوبکر، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: ۷/۱۸

(۲) شرح منہاج الطالبین: ۳/۲۳۷

(۳) ابن قدامۃ، عبداللہ بن احمد بن محمد، المغنی: ۸/۴۵۹، ۹/۲۹۶

معاہدہ......جدید بین الاقوامی قانون:

جدید قانون بین الممالک کے مطابق ''معاہدہ'' دو یا زیادہ ریاستوں کے مابین قرار پانے والا وہ یثاق ہے جو ان کے درمیان تعلقات کو منظّم کرتا ہے۔(۱) جدید بین الاقوامی قانون میں معاہدہ کی چند اہم تعریفات یہ ہیں:

- معاہدہ ان اتفاقیات کا نام ہے جنہیں ریاستیں باہمی تعلقات کی قانونی تنظیم کے لیے کرتی ہیں اور جن کے تحت ان تعلقات کے قواعد مرتب کئے جاتے ہیں۔(۲)
- وہ تحریری اتفاقیہ جو بین الاقوامی قانون کے تحت دو یا زیادہ ملکوں کے مابین باہمی حقوق والتزامات کے طور پر قرار پایا ہو۔(۳)
- معاہدات سے مراد وہ اتفاقیات ہیں جن کو مختلف ریاستیں آپس کے بین الاقوامی معاملات کی تنظیم کے لیے وجود میں لاتی ہیں۔ یہ معاہدات بجائے خود قانون بین الاقوام کا مصدر سمجھے جاتے ہیں اور ان پر ریاستوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔(۴)
- ''دو خود مختار حکومتوں کے مابین باقاعدہ طے ہونے والا اگریمنٹ معاہدہ کہلاتا ہے۔(۵)

---

(۱) عفیفی، محمد الصادق، الاسلام و المعاہدات الدولیۃ : ۳۶، نیز الغنیمی، محمد طلعت، أحكام المعاهدات فی الشريعة الاسلامية دراسة مقارنة، (س ن) ص: ۱۸، ۲۲

(۲) أبو هيف، علی صادق، القانون الدولی العام، ص: ۹۷

(۳) شکری، محمد عزیز، المدخل إلیٰ القانون الدولی العام وقت السلم، ص: ۳۶۹

(۴) الفار، محمد عبدالواحد، القانون الدولی العام، ص: ۳۰۹

(۵) "A treaty is a formal agreement between two or more independent governments"
The World Book Encyclopedia, Field enterprises Educational Corporation, Chicago, Vol. 18, p. 332

معاہدہ...... جدید بین الاقوامی قانون:

جدید قانون بین الممالک کے مطابق ''معاہدہ'' دو یا زیادہ ریاستوں کے مابین قرار پانے والا وہ میثاق ہے جو ان کے درمیان تعلقات کو منظم کرتا ہے۔(۱) جدید بین الاقوامی قانون میں معاہدہ کی چند اہم تعریفات یہ ہیں:

- معاہدہ ان اتفاقیات کا نام ہے جنہیں ریاستیں باہمی تعلقات کی قانونی تنظیم کے لیے کرتی ہیں اور جن کے تحت ان تعلقات کے قواعد مرتب کیے جاتے ہیں۔(۲)
- وہ تحریری اتفاقیہ جو بین الاقوامی قانون کے تحت دو یا زیادہ ملکوں کے مابین باہمی حقوق والتزامات کے طور پر قرار پایا ہو۔(۳)
- معاہدات سے مراد وہ اتفاقیات ہیں جن کو مختلف ریاستیں آپس کے بین الاقوامی معاملات کی تنظیم کے لیے وجود میں لاتی ہیں۔ یہ معاہدات بجائے خود قانون بین الاقوام کا مصدر سمجھے جاتے ہیں اور ان پر ریاستوں کے باہمی تعلقات کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔(۴)
- ''دو خود مختار حکومتوں کے مابین باقاعدہ طے ہونے والا ایگریمنٹ معاہدہ کہلاتا ہے۔(۵)

---

(۱) عفیفی، محمد الصادق، الاسلام و المعاہدات الدولیۃ : ۳۶، نیز الغنیمی، محمد طلعت، أحكام المعاهدات فى الشريعة الاسلامية دراسة مقارنة ،(س ن) ص:۲۲،۱۸

(۲) أبو هيف، على صادق، القانون الدولى العام ، ص:۹۷

(۳) شکری، محمد عزیز، المدخل إلیٰ القانون الدولى العام وقت السلم ، ص:۳۶۹

(۴) الفار، محمد عبدالواحد، القانون الدولى العام، ص:۳۰۹

(۵) "A treaty is a formal agreement between two or more independent governments"
The World Book Encyclopedia, Field enterprises Educational Corporation, Chicago, Vol. 18, p. 332

❁ اقوام متحدہ کے تحت کام کرنے والی کمیٹی برائے قانون بین الاقوام کے مطابق ''معاھدہ'' اس اتفاق کا نام ہے جو اپنی شکل اور نام سے قطع نظر قانون بین الاقوام کے قواعد کے موافق مکتوب صورت میں بین الدول یا اُن مسلمہ قانونی شخصیات کے مابین قرار پائے جنہیں یہ معاہدات کرنے کا حق ہو۔ (۱)

معاہدہ کی تعریف......فقہاء اسلام اور جدید بین الاقوامی قانون کے مابین مقارنہ۔

فقہاء اسلام کے ہاں افراد، قبائل اور ریاستوں، ہر تینوں کے درمیان ہونے والے اتفاقیہ کو'' معاہدہ'' کہا جاتا ہے۔ (۲) جبکہ جدید بین الاقوامی قانون کی تعریف کے مطابق معاہدہ صرف ریاستوں کے مابین ہوسکتا ہے۔ (۳) دوسرے لفظوں میں معاہدہ کی تعریف جو فقہاء اسلام نے کی ہے وہ جامع ہے افراد قبائل اور ریاستوں کے مابین، جبکہ جدید بین الاقوامی قانون کے مطابق معاہدہ کا تصور ریاستوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔

اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے بین الاقوامی قانون کی تعریف اس اعتبار سے خود اصحاب قانون کے مابین بھی متنازعہ ہے کہ یہ (تعریف) معاہدات بین الاقوام کو قانون بین الاقوام کے تابع قرار دیتی ہے گویا اس تعریف کی رو سے قانون بین الاقوام کے قواعد کی حیثیت معاہدات کے لیے ایک غیر متبدل شریعت کی سی ہے، جس کے لوازمات کے تابع ہونا معاہدات بین الاقوام کی مشروعیت کے لیے ضروری ہے۔ بین الاقوامی قانون کے بعض ماہرین کی نظر میں یہ ایک لغو شرط ہے۔ کیونکہ ان کی نظر میں بین الاقوامی قانون محض رسمی سے اخلاقی قوانین ہیں جن کا التزام و تطبیق ریاستیں نہیں کرتیں۔ (۴)

---

(۱) محمد حافظ غانم، المعاہدات، دراسۃ لأحکام القانون الدولی، ص:۱۳۳، نیز ملاحظہ ہو، علی بن عبدالرحمٰن الطیار، النزاعات الدولیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقوانین الوضعیۃ، ص:۹۰

(۲) السرخسی، شرح السیر الکبیر:۴/۱۵۴

(۳) دو افراد خواہ وہ بادشاہ کیوں نہ ہوں کے مابین ذاتی ایگریمنٹ کو معاہدہ نہیں کہا جاسکتا۔ دی ورلڈ بک انسائیکلو پیڈیا میں ہے:
"An agreement between two kings on a private matter is not a treaty" Vol. 18, p:332

نیز شکری، المدخل الی القانون الدولی العام، ص:۳۷۰

(۴) فان غلان، جیرھارد، القانون بین الأمم، تعریب عباس العمر:۱/۷،۸، نیز ابوھیف، القانون الدولی العام، ص:۷۰،۷۸

قبل از اسلام معاہدہ کا تصور

جب سے انسانی قبائل و اقوام نے محدود جغرافیائی حدود میں بسنا شروع کیا اور ریاستوں کا وجود قائم ہوا تب سے ان کے باہمی تعلقات صلح و جنگ بھی شروع ہوئے۔ قدیم زمانے سے اپنے اختلافات کو طے کرنے کے لئے باہمی گفت و شنید اور اصول وضوابط کے تعین کی مثالیں ملتی ہیں۔ تاریخ میں مصر و بابل، شام و ایشیاء کی ریاستوں کے باہمی مصالح پر مبنی معاہدات کا ذکر موجود ہے۔ رمیس ثانی فرعون مصر کا معاہدہ، (۱۲۷۸ ق م) نیز سلطنت روم میں قیصر یوستیا نوس کا فارس سے معاہدہ (۵۲۷ء) اسی طرح قیصر یوستینیان اور کسریٰ ایران نوشیروان کے مابین صلح کا معاہدہ (۵۶۲ء) وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے کی سلطنتوں میں معاہدات کا تصور موجود تھا۔ (۱) قبل از اسلام عرب قبائل میں بھی باہم دگر حلیفی کے معاہدات نیز دیگر اقوام سے تجارتی معاہدات نہایت معروف ہیں۔ قرآن نے ﴿لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ﴾ میں ان تجارتی معاہدوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۲)

---

(۱) قیصر یوستینیان اور کسریٰ ایران نوشیروان کے مابین طویل جنگ کے بعد ۵۶۲ء میں معاہدہ صلح ہوا کہ روم اور ایران کے مابین آزادانہ تجارت ہو سکے گی، عیسائیوں کو مذہبی آزادی ہو گی اور روم تیس ہزار دینار سالانہ خراج ادا کرے گا۔ اس معاہدہ کے بعد دونوں ممالک کی سرحدیں جنگ سے پہلے کی پوزیشن پر بحال ہو جائیں گی وغیرہ۔ (جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی (مطبوعۃ الھلال، مصر ۱۹۰۲ء) ۱/۲۹، ۳۱)۔ معاہدات کی قدیم تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو، (کتب، علی منصور، الشریعۃ الاسلامیۃ والقانون الدولی العام، ص:۲۲؛ محمد حافظ غانم، مبادئ القانون الدولی العام، ص:۴۵؛
Encyclopedia American, U.S.A, Americana Corporation, 1961, Vol. 1, p. 470, the world book Encyclopeida, Vol, 18, p. 332

(۲) قریش:۱، نیز ملاحظہ ہو ابن حبیب، کتاب المحبر، ص:۱۶۲، ۱۶۶، ۱۶۷، المرزوقی، ابوعلی، کتاب الازمنۃ والامکنۃ: ۱۶۲/۲

اسلام میں معاہدہ کا تصور:

ا۔ معاہدے کی اہمیت:

شریعت اسلامیہ میں ایفاء عہد کی بہت اہمیت ہے۔ اسلام نے وعدہ کو وفا کرنا ایمان کی صفات میں سے ایک صفت قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ﴾(۱) نیز ﴿الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ﴾(۲)

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾(۳)

حدیث نبوی کی رو سے بھی ایفاء عہد کو دین کی اساس میں سے شمار کیا گیا ہے اور بدعہدی کو منافقت کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ ((لا ایمان لمن لا امانة له ولا دین لمن لا عهدله))(۴)

نیز ((آیة المنافق ثلاث: اذا حدث کذب، واذا وعد اخلف، واذا ائتمن خان)) (۵)

۲۔ معاہدے کی مشروعیت:

غیر مسلموں کے ساتھ معاہدات کی مشروعیت قرآن وسنت سے ثابت ہے۔ اس ضمن میں ارشادات باری تعالیٰ ہیں۔

---

(۱) وہ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی نگہداشت کرتے ہیں'' (المومنون:۸)

(۲) ''جو اللہ کے عہد (و پیمان) کو پورا کرتے ہیں اور قول وقرار کو نہیں توڑتے'' (الرعد:۲۰)

(۳) ''جب وعدہ کرے تو اسے پورا کرے'' (البقرۃ:۱۷۷)

(۴) احمد بن محمد بن حنبل، المسند، (عن انس بن مالک)، سنن البیہقی، ۱۳۳/۹

(۵) ''منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بولے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور امین بنایا جائے تو خیانت کرے'' (البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، حدیث نمبر (۳۳))

﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ م بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾ (۱)

﴿إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّلَمْ يُظٰهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ﴾(۲)

﴿ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ م بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾(۳)

﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ج اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً﴾(۴)

سنت نبوی سے معاہدات کی مشروعیت کے ثبوت میں بہت سی روایات ثابت ہیں۔ وہ تمام احادیث جو معاہدوں کی تکمیل و اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہیں مشروعیت معاہدہ کے دلائل میں سے ہیں، مثلاً

((اربع من كن فيه كان منافقاً خالصا، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتى يدعها إذا ائتمن خان، وإذا حدث كذب و اذا عاهد غدر و اذا خاصم فجر)) (۵)

((الا من ظلم معاهدا اوانتقصه او كلّفه فوق طاقته اواخذ منه شيئا بغير طيب نفسه فأنا

---

(۱) ''سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے'' (النسآء:۹۰)

(۲) ''بجز ان مشرکین کے جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا سا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو'' (التوبۃ:۴)

(۳) ''اور اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے، سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے'' (الانفال:۷۲)

(۴) ''اور وعدے پورے کرو کیونکہ قول و قرار کی باز پرس ہونے والی ہے'' (بنی اسرائیل:۳۴)

(۵) ''چار باتیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چار میں سے ایک بات ہو، اس میں ایک بات نفاق کی ہے تا وقتیکہ اس کو چھوڑ نہ دے (وہ چار باتیں یہ ہیں) امین بنایا جائے تو خیانت کرے اور بات کرے تو جھوٹ بولے، اور وعدہ کرے تو خلاف کرے اور لڑے تو بیہودہ گوئی کرے'' (البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب علامات المنافق، حدیث نمبر (۳۴)

حجيجه يوم القيامة)) (۱)

((لكل غادر لواء يوم القيامة))(۲)

((اوفوا بحلف الجاهلية فإنه (الاسلام) لا يزيده إلا شدة)) (۳)

مذکورہ بالا قولی روایات کے علاوہ آپ ﷺ سے کئی معاہدات مثلاً میثاق مدینہ، معاہدۂ حدیبیہ اور دیگر قبائل عرب کے ساتھ معاہدات کا ثبوت ملتا ہے۔(۴)

۳۔ معاہدہ کی پابندی:

معاہدات خواہ انفرادی ہوں یا قومی سطح کے، مسلمانوں کے درمیان ہوں یا غیر مسلموں کے ساتھ، ان کی پابندی کرنی ضروری ہے۔ معاہدہ کی پابندی کے ضمن میں ارشادات باری تعالیٰ حسب ذیل ہیں۔

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِاللّٰهِ اِذَاعٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا﴾(۵)

---

(۱) ''جو شخص کسی ذمی (معاہد) پر ظلم کرے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا یا طاقت سے زائد اسے تکلیف دے گا یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی شے لے گا تو میں (محمد ﷺ) روز قیامت اس (ظالم پر) قصور ثابت کروں گا'' (ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والامارة، باب فی تعشير أهل الذمة اذا اختلفوا، حدیث نمبر(۳۰۵۲)

(۲) ''قیامت کے دن ہر وعدہ شکن کی پہچان کے لئے جھنڈا ہوگا'' (مسلم، الصحیح کتاب الجهاد والسير ، باب تحريم الغدر، حدیث نمبر (۴۵۳۲)

(۳) ''جاہلی دور کے (جائز) معاہدوں کو پورا کرو (اسلام) ان معاہدوں کو اور پختہ کرتا ہے'' (احمد بن حنبل، المسند ، حدیث نمبر (۱۶۵۵) ص: ۱/۴۰۴، شرح الطیبی علی مشکوٰۃ: ۶/ ۲۸

(۴) معاہدات نبوی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوی والخلافة الراشدة

(۵) ''اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو'' (النحل: ۹۱)

﴿وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا﴾(۱)

﴿فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ﴾(۲)

﴿اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ ۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ﴾(۳)

مذکورہ بالا آیات میں معاہدوں کے بارے میں مفسرین، ابن کثیر، طبری، رازی اور جصاص وغیرہ لکھتے ہیں کہ معاہدوں سے مراد زبانی وعدے اور ایسے معاہدے ہیں جنہیں قسموں کے ذریعے پختہ کیا جائے اور وہ معاہدے جو مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ ہوں نیز ان تمام معاہدات کی پابندی ضروری ہے۔(۴)

رسول اللہ ﷺ سے ایفاء عہد کے بارے میں تاکید کی بہت ساری روایات منقول ہیں۔(۵) ان روایات کے علاوہ آپ ﷺ نے ان تمام معاہدات کی پاسداری کا حکم بھی فرمایا جو انسانیت کے لئے مفید ہوں اگرچہ وہ زمانہ جاہلیت کے ہی کیوں نہ ہوں چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جاہلی دور کے (اچھے) معاہدوں کو اسلام مزید پختہ کرتا ہے۔(۶) جاہلی دور میں ہونے والے معروف معاہدۂ حلف الفضول کے متعلق آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ وہ معاہدہ تو مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔(۷) صلح حدیبیہ کے موقع پر جب صحابی رسول حضرت ابو جندل مکہ سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس پہنچے تو

---

(۱) بنی اسرائیل:۳۴۔

(۲) التوبۃ:۴۔

(۳) النسآء:۹۰، الانفال:۷۲۔

(۴) ابن کثیر، ابو الفداء، عماد الدین اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم: ص:۴/۴۴، ۱۸۹، ۷/۱۵۲، الرازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) دار الفکر بیروت: ۱۰/۱۰۹، الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (تفسیر الطبری) ۴/۱۶۵، الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی الحنفی، احکام القرآن: ۳/۱۹۰

(۵) روایات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو گزشتہ صفحہ نمبر ۲۱ (حوالہ نمبر ۵)

(۶) شرح الطیبی علی مشکوۃ: ۶/۲۸، ابن حجر، احمد بن علی بن محمد العسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری: ۵/۲۴۲، ۲۴۶ نیز ملاحظہ ہو الجصاص، احکام القرآن: ۲/۲۹۳

(۷) احمد بن حنبل، المسند: ۱/۱۹۰۔۱۹۱، نیز ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ: ۱/۱۴۱

آپ ﷺ نے انہیں طے شدہ شرط کے مطابق واپس کر دیا اور فرمایا کہ: ’ہم نے ان لوگوں کے ساتھ جو عہد کیا ہے اسے تم جانتے ہو، ہمارے دین میں عہد شکنی اور بے وفائی درست نہیں ہے‘‘(۱)

۴۔ نقض معاہدہ کی شروط:

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام کی اصولی ہدایات یہی ہیں کہ معاہدہ کی اصل مدت تک تکمیل کی جانی ضروری ہے لیکن بعض صورتیں ایسی بھی ہیں جن میں نقض عہد کی اجازت دی گئی ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(i) غیر مسلموں کے ساتھ ایسے معاہدات جو دائمی اور غیر معینہ مدت تک کے لئے ہوں، کا نقض جائز نہیں الا یہ کہ وہ نقض خود فریق ثانی کی طرف سے ہو۔(۲)

(ii) غیر مسلموں کے ساتھ ہونے والے مؤقت معاہدات کا نقض بعض صورتوں میں جائز ہے۔ مثلاً معاہدہ کی مدت تمام ہوجائے یا فریق ثانی کی طرف سے خیانت و غدر کیا جائے۔ فریق ثانی کی طرف سے خیانت کا خوف ہو تو اس صورت میں انہیں پہلے سے باقاعدہ مطلع کر کے معاہدہ کو ختم کیا جا سکتا ہے۔(۳) احناف کا مسلک یہ ہے کہ جب امام مسلمانوں کی مصلحت خیال کرے تو بھی فریق ثانی کو مطلع کر کے یہ معاہدہ ختم کر سکتا ہے۔(۴)

۵۔ معاہدہ کی اقسام:

فقہاء اسلام نے معاہدہ کی دو بنیادی قسمیں بیان کی ہیں۔

(الف) مؤقت یا وقتی معاہدات۔

(ب) غیر مؤقت یا دائمی معاہدات۔

---

(۱) ابن ہشام:۳/۴/۳۷

(۲) الکاسانی، بدائع الصنائع: ۷/۱۰۹، المغنی: ۲/۴۶۲، ۴۶۳

(۳) الانفال:۵۸، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، القرطبی، محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن:۸/۳۱، الکاسانی:۷/۱۱۰، المغنی،۳/۴۶۲،۴۶۳

(۴) السرخسی، محمد بن احمد، شرح السیر الکبیر:۴/۷، الکاسانی:۷/۱۰۹، ابن ہمام، شرح فتح القدیر:۴/۲۹۴

(الف) مؤقت معاہدات:

یہ غیر مسلموں کے ساتھ خاص زمانہ اور وقت کے معاہدے ہوتے ہیں ان کو امان اور ھدنة کہا جاتا ہے۔

ا۔ فقہاء نے معاہدہ امان کی دو قسموں کا ذکر کیا ہے۔

(i) امان خاص، (ii) امان عام

(i) امان خاص:

ایک فرد یا مختصر جماعت کو دی جانے والی امان، امانِ خاص کہلاتی ہے۔ حالت جنگ میں اس قسم کی امان ہر مسلمان، مرد و عورت، دے سکتا ہے۔ (۱)

(ii) امان عام:

دشمن کے ایک بڑے گروہ، قبیلہ یا ملک کو امان فراہم کرنا جس کے تحت ان کی حمایت کی جائے اور انہیں جان و مال سے متعلقہ مرافق فراہم کیے جائیں امان عام میں داخل ہے۔ حالت جنگ میں اس امان دہی کا اختیار ریاست کے سربراہ یا سرکاری طور پر متعین افراد کو ہوتا ہے۔ (۲)

الھدنة (معاہدۂ صلح): اس سے مراد معاہدہ صلح (جنگ بندی) ہے جو اہل حرب کے ساتھ کسی خاص مدت تک کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کے لئے "مهادنة" موادعة اور مسالمة کے الفاظ بھی استعمال

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ابن قدامہ، محمد عبداللہ بن احمد، المغنی: ۸/ ۳۹۸، الکاسانی، ۷/ ۱۰۶، الشربینی، محمد الشربیین الخطیب، مغنی المحتاج الی شرح المنهاج: ۴/ ۲۳۶، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الزحیلی، العلاقات الدولیة: ۱۵۰

(۲) ابن قدامة، المغنی: ۸/ ۳۹۸، الدسوقی، محمد عرفہ، حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر لأحمد الدردیر: ۲/ ۴۹۴، الشربینی، ۴/ ۲۳۶، ۲۳۷

کیے جاتے ہیں۔(۱)

(ب) غیر مؤقت معاہدہ:

اس سے مراد وہ دائمی معاہدہ ہے جو اسلامی ریاست اور غیر مسلم افراد کے درمیان ہوتا ہے اس معاہدہ کے تحت غیر مسلم افراد دار الاسلام میں رہن سہن اختیار کر سکتے ہیں اور اسلامی ریاست کے شہری شمار ہوتے ہیں۔ اسلامی ریاست ان کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرتی ہے اس وجہ سے وہ ریاست کو ایک خاص ٹیکس (Tax) بصورت جزیہ ادا کرتے ہیں۔(۲)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾(۳)

۴۔ صحتِ معاہدہ کی شروط:

معاہدہ کی صحت کے لئے درج ذیل امور ضروری ہیں:

معاہدہ کسی ذمہ دار فرد، امیر مملکت یا اس کے نامزد افراد کے ساتھ ہو سکتا ہے۔(۴)

معاہدہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کی کسی مصلحت کے تحت کیا گیا ہو چنانچہ اگر معاہدہ میں مسلمانوں کی کوئی

---

(۱) ابن قدامہ ''هدنة'' کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جنگ بندی کا یہ موقت معاہدہ غیر مسلموں سے معاوضہ لے کر یا دے کر کیا جا سکتا ہے چنانچہ المغنی میں ہے ''و معنى الهدنة أن يعقد لاهل الحرب عقداً على ترک القتال مدة بعوض و بغير عوض'' (المغنی، ۸/۴۵۹، نیز ابن قیم، محمد بن ابی بکر، احکام اہل الذمۃ: ۲/۴۷۶۔

(۲) ابن قیم، محمد بن اَبی بکر، احکام اہل الذمۃ: ۲/۴۷۵۔

(۳) ''ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے، یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں'' (التوبۃ: ۲۹)

(۴) ابن الھمام، محمد بن عبد الواحد، کمال الدین، شرح فتح القدير علىٰ الهداية: ۴/۲۹۵

مصلحت کارفرما نہ ہوتو ایسا معاہدہ کرنا جائز نہیں۔ مصلحت مسلمین سے غیر مسلموں کے قبول اسلام کا احتمال، قیام امن و سلامتی، اقتصادی تعلقات، دارالاسلام کی وسعت، مسلمانوں سے دفع ضرر، اشرار کے خلاف غیر مسلموں کے تعاون کا حصول وغیرہ مراد ہے۔(۱)

معاہدہ کی کوئی شرط شریعت اسلامیہ سے متصادم نہ ہو کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔((کل شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل)) (۲) ''وہ شرط جو کتاب اللہ کے مخالف ہے وہ باطل ہے''۔نیز ارشاد نبوی ہے:((المسلمون علی شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً او احلّ حراماً)) (۳) ''حلال وحرام کو تبدیل کر دینے والی شروط کے ماسوا مسلمانوں کے لیے اپنی شرائط کی پابندی ضروری ہے''

بعض فقہاء لکھتے ہیں کہ ایسا کوئی معاہدہ جائز نہیں جو شرائط فاسدہ پر مشتمل ہو مثلاً ہتھیار ڈال دینا یا مسلمانوں کا علاقہ غیر مسلموں کے حوالے کر دینا یا ایسی شرائط جو غدر اور خیانت کو جائز قرار دیتی ہوں یا ایسی کوئی بھی شرط جس سے مسلمانوں کی اہانت لازم آتی ہو۔(۴)

---

(۱) السرخسی، شرح کتاب السیر الکبیر:۱/۱۲۸، الشافعی، محمد بن ادریس، کتاب الام:۴/۱۱۰، ابن قدامہ، المغنی:۲/۴۶۱، الخرشی، ابوعبداللہ محمد، فتح الجلیل علی مختصر خلیل:۳/۱۷۴، البہوتی، منصور بن ادریس، کشاف القناع علی الاقناع:۳/۸۸

(۲) سیوطی کے نزدیک یہ حدیث حسن کے درجہ کی ہے، الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر النذیر:۲/۷۷

(۳) ابوداؤد، السنن، باب فی الصلح، حدیث نمبر(۳۵۹۴)

(۴) قرآن مجید میں ہے:﴿ولا تهنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین﴾(آل عمران:۱۳۹)،فقہاء کی آراء کے لئے ملاحظہ ہو، (الشافعی، الام۴/۱۱۴، ۴/۱۸۹، الکاسانی، بدائع الصنائع: ۷/۱۰۹، المغنی:۸/۴۵۹، ۴۶۱)، مذکورہ بالا تمام شرائط کی ممانعت عام حالات کے ساتھ متصل ہے وگرنہ اضطراری حالات میں ان میں سے بہت سی شروط کو جائز قررد یا جاتا ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (ابو عبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، فقرہ نمبر۴۴۳ تا ۴۴۵، الطبری، محمد بن جریر، اختلاف الفقہاء: ۷۔۱۸، المغنی:۸/۱۶۰، ۱۶۱، الدسوقی علی شرح الکبیر:۲/۵۲۷)

فصل ثانی:

معاہداتِ نبوی (عمومی مطالعہ)

رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے بعد مختلف اقوام اور مذاہب کے پیروکاروں سے معاہدات فرمائے ان معاہدات میں یہودی، عیسائی و مشرکین شامل تھے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

معاہدات نبوی کی اقسام

ا۔ دستور مدینہ:

ہجرت مدینہ سے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی۔ ریاست کا قیام باقاعدہ آئین کے ذریعے کیا گیا جو میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے۔ یہ میثاق، مدینہ میں بسنے والی مختلف اقوام و ملل، یہود، مشرکین اور مسلمانوں کے مابین دستور کی حیثیت سے طے پایا۔ اس میں مدینہ کی تمام اقوام اور ان کے ساتھ شامل ہونے والوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا۔ اس کی حیثیت اگرچہ ایک آئینی حکم نامے (Constitutional Charter) کی سی ہے مگر چونکہ آئین ایک طرح کا عہد نامہ ہوتا ہے جو ایک طرف حکومت اور دوسری طرف افراد کے حقوق و فرائض کی حدود کا تعین کرتا ہے بنا برایں اس کو میثاق بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ حلیفی کے معاہدات:

یہ وہ معاہدات ہیں جو اسلامی ریاست مدینہ کی بنیاد رکھنے کے بعد مدینہ کے مغربی علاقوں کے قبائل، جھینہ، مزینہ اور ضمرۃ سے کئے گئے۔(ا) ان معاہدات کی ابتداء ۲ ہجری میں ہوئی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلامی ریاست کو بیرونی خطرات سے محفوظ رکھا جا سکے، بالخصوص مشرکین مکہ اور قبائل غطفان وغیرہ کے ساتھ جنگوں میں اول تو حلیف

(ا) ابن ہشام ، السیرۃ النبویۃ: ۲/۴۰۰،۴/۹۲، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ :۱/۲۷۴،۲۸۸، ابن کثیر ، البدایۃ والنہایۃ:۲/۲۴۶،۲۴۷، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۵۹،۱۶۰،۱۶۱

وگرنہ کم از کم غیر جانبدار ہی رکھا جا سکے۔ یہ معاہدات زیادہ تر دفاعی نوعیت کے تھے انہیں حلیفی یا غیر جانبداری کے معاہدات کہا جا سکتا ہے۔

۳۔ معاہدہ صلح (صلح حدیبیہ):

یہ اپنی نوعیت کا ایک واحد معاہدہ ہے جو برسر پیکار دشمن کے ساتھ مؤقت صلح کی صورت میں طے پایا اس معاہدہ میں مشرکین مکہ کے ساتھ دس برس تک جنگ بندی کا معاہدہ طے کیا گیا۔ اس معاہدہ کو قرآن نے فتح مبین کا نام دیا۔ (۱)

تجدید حلیفی کا معاہدہ:

یہ بھی اپنی نوعیت کا ایک منفرد معاہدہ ہے جو بنوخزاعہ کے ساتھ طے کیا گیا۔ زمانہ جاہلیت میں بنوخزاعہ نے بنومطلب سے دوستی و حلیفی کا معاہدہ کر رکھا تھا۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر وہ (بنوخزاعہ جو غیر مسلم تھے) اپنے پرانے معاہدے کو لے کر آئے اور اس کی تجدید کرانا چاہی۔ آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی اس حلیفی کی تجدید فرمائی۔

۴۔ معاہدات امان:

صلح حدیبیہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین سے نوازا اور پورا عرب مسلمان ہو کر یا اسلامی ریاست کا مطیع بن کر اسلامی ریاست میں شامل ہوا۔

اس صلح کے بعد ہونے والے اکثر معاہدات کا تعلق مفتوح قبائل و اقوام سے ہے ان قبائل و اقوام نے مسلمانوں کے مطیع ہو کر رہنے کو تسلیم کر لیا جس بنا پر انہیں امان دی گئی اور ان کے حقوق و ذمہ داریوں کا تعین کیا گیا۔ ان معاہدات میں آزاد عرب قبائل کے علاوہ وہ اقوام بھی فریق بنیں جو روم و فارس کی باجگذار کہلاتی تھیں۔

دستور مدینہ، حلیفی، صلح، تجدید حلیفی اور امان کے مذکورہ بالا تمام معاہدات اپنے جوہری اور نتائج کے اعتبار سے مختلف اور جدا نوعیت کے تھے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

---

(۱) الفتح: ۱

معاہدات نبوی تعارف واہمیت

ا۔ میثاق مدینہ:

رسول اکرم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو وہاں کا حال یہ تھا کہ اس میں مختلف رنگ ونسل اور مختلف مذاہب کے لوگ بستے تھے مثلاً: اوس وخزرج کے بارہ قبائل، مدینہ کے تقریباً بیس یہودی قبائل (۱) مسلمان مہاجرین جو مختلف قبائل سے تعلق رکھتے تھے۔اوس، خزرج میں باہم نسلوں سے لڑائی جھگڑے چلے آرہے تھے جبکہ یہود کے بعض قبائل اوس اور بعض خزرج کے حلیف بنے ہوئے تھے اور جنگوں میں ان کا ساتھ دیتے تھے۔(۲) مدینہ کے باسی ان طویل لڑائیوں سے تنگ آ چکے تھے اور امن وآشتی کے خواہاں تھے۔(۳)

اگر چہ ہجرت سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں مرکزیت پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی اور بارہ نقباء کا تقرر فرمایا تھا مگر پھر بھی مدینہ میں ہر قبیلے کا الگ راج تھا۔ ہر قبیلہ اپنے سقیفہ میں ہی اپنے امور طے کیا کرتا تھا۔کوئی مرکزی شہری نظام نہ تھا۔ اگر چہ مبلغین اسلام کی کوششوں سے تین سال کے اندر شہر میں بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے مگر مذہب ابھی تک خانگی ادارہ ہی تھا اس کی سیاسی حیثیت وہاں کچھ نہ تھی اور ایک ہی گھر میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے تھے۔

---

(۱) سمہودی کے مطابق مدینہ کے یہودی قبائل کی تعداد بیس سے بھی زائد تھی ان میں سے بہت سے ایسے تھے جنہوں نے بعد میں یہودی مذہب اختیار کیا تھا۔السمہودی، نورالدین علی بن احمد، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی: ۱/۱۶۵، الیعقوبی: احمد بن یعقوب، تاریخ الیعقوبی: ۶/۱۵۶، آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب فی معرفة احوال العرب، ۲/۲۴۱

(۲) مثلاً اوس وخزرج کی باہمی جنگوں میں بنوقریظہ اوس اور بنوقینقاع خزرج کا ساتھ دیتے تھے۔ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۱۸۸

(۳) اہل مدینہ کسی ایک فرد کو حکمران بنانے پر آمادہ ہو چکے تھے ایک جماعت اس سلسلہ میں عبداللہ ابن ابی بن سلول کو بادشاہ بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ مثلاً ملاحظہ ہو۔البخاری الجامع الصحیح، کتاب الاستیذان، باب التسلیم فی مجلس فی اخلاط من المسلمین والمشرکین، حدیث نمبر (۶۲۵۴)، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۳۳۴، ۳۳۸

رسول اللہ ﷺ کے سامنے ان حالات میں اس وقت متعدد فوری ضرورتیں یہ تھیں۔

۱۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین۔

۲۔ مہاجرین مکہ کی آبادکاری۔

۳۔ شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ۔

۴۔ شہر کی سیاسی تنظیم اور فوجی مدافعت کا اہتمام

۵۔ قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچے ہوئے جانی و مالی نقصانات کا ازالہ۔

ان اغراض کو مد نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کر کے مدینہ آنے کے چند مہینے بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی جو کہ وہاں کے باسیوں کا دستور العمل قرار پایا۔(۱)

میثاق مدینہ کا متن:

اس دستاویز کا متن الفاظ کی کمی بیشی کے ساتھ مختلف کتب حدیث و سیرت میں ملتا ہے۔ قدیم ترین سیرت نگار ابن اسحاق نے اس دستاویز کا مکمل متن نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام ابوعبید نے ایک دوسری سند کے ساتھ بھی اس کا متن نقل کیا ہے۔ مورخین اور سیرت نگاروں میں ابن سعد، بلاذری، طبری، زرقانی، ابن کثیر وغیرہ نے بھی اس کے متن کے حصے نقل کئے ہیں۔ کتب حدیث میں بخاری و مسلم کے علاوہ مسند احمد، سنن دارمی، سنن ابو داؤد میں بھی اس میثاق کا ذکر کیا گیا ہے۔(۲)

اس دستاویز کے دو نمایاں حصے ہیں۔

پہلے حصے میں مہاجرین و انصار کے متعلق جبکہ دوسرے حصے میں بقیہ یہودی قبائل وغیرہ کے حقوق و فرائض بیان کئے گئے ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۸۰

(۲) ابن ہشام، ۲/ ۱۴۷۔۱۵۰، ابوعبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۵۱۷، ۵۱۸، کتب حدیث اور کتب سیرت کے مکمل حوالہ جات و اختلاف الفاظ کے لیے ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۔

مورخین کے مطابق یہ دستاویز ۱ھ کی ابتدا میں مرتب ہوئی۔ بعض دیگر مستند ذرائع سے پتا چلتا ہے کہ دستور کا وہ حصہ جو عرب مسلمانوں، (مہاجرین و انصار) سے متعلق تھا وہ ہجرت مدینہ کے بعد ۱ھ میں مرتب ہوا جبکہ دوسرا حصہ جو یہود سے متعلق تھا وہ ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد مرتب ہوا اور پہلے حصہ کے ساتھ شامل کیا گیا۔ مثلاً اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابن منظور نے لسان العرب میں جہاں بھی اس دستاویز کا ذکر کیا ہے وہاں اس کو دو نام دیئے ہیں۔ ایک جملے میں اسے ''فی کتابه للمهاجرین و الانصار'' ''مہاجرین اور انصار کا دستور العمل'' اور اس سے ذرا نیچے حصہ دوم کے لیے ''ووقع فی کتاب رسول الله (ﷺ) لیهود'' ''یہود کے لیے دستور العمل'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ (۱) اس سلسلہ میں ایک اور اہم شہادت امام ابو داؤد کی ہے۔ کتاب السنن میں انہوں نے اس دستور کو جنگ بدر کے بعد کا قرار دیا ہے۔ (۲) درایتی اعتبار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے مثلاً دستور کی دفعہ نمبر ۱۶ کی دفعات ۲۴ تا ۴۷ کے ساتھ مطابقت اس کے بغیر مشکل ہے کہ دفعہ ۱۶ قدیم تر ہو کیونکہ اس میں گنجائش رکھی گئی ہے کہ یہودی منظور کریں تو آئندہ انہیں بھی اس شہری مملکت میں شامل کر لیا جائے۔ چنانچہ جب انہوں نے شرکت قبول کی تو پھر دفعات ۲۴ تا ۴۷ مرتب ہوئیں۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دستور کا دوسرا حصہ یعنی یہودیوں کا دستور العمل جنگ بدر کے بعد کا واقعہ ہے جبکہ ایک زبردست فتح سے مسلمانوں کی دھاک ہر طرف بیٹھ گئی تھی۔ (۳)

---

(۱) ابن منظور، لسان العرب، جملہ ''ربع'' کے تحت۔

(۲) ابو داؤد، سلیمان بن الأشعث السجستانی، السنن، کتاب الخراج، باب كيف كان اخراج اليهود من المدينة، حدیث نمبر (۳۰۰۰)

(۳) محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۸۵، بعض مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ یہود سے معاہدہ بھی غزوۂ بدر سے قبل طے پایا تھا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (عون الشریف قاسم، نشأة الدولة الاسلامیه: ۳۴، ۳۵)

میثاق مدینہ کی اہمیت و افادیت (عمومی تجزیہ):

مختلف اقوام اور مذاہب کے مابین قرار پانے والا یہ معاہدہ دنیا کے پہلے تحریری دستور کی حیثیت رکھتا ہے۔(۱) اس معاہدے کی اہمیت و افادیت کے حوالے سے بنیادی باتیں حسب ذیل ہیں۔

☆ اس معاہدے کی بدولت پہلی اسلامی ریاست کا آغاز ہوا اور رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں اور غیر مسلموں کی طرف سے ریاست کا سربراہ تسلیم کیا گیا اس طرح ریاست کے تمام اختیارات کے ذمہ دار آپ ﷺ قرار پائے۔

☆ اس معاہدے کی بدولت ایک ایسا بین الاقوامی معاشرہ وجود میں آیا جس میں ہر قوم و مذہب کے حقوق و فرائض کا تعین عدل و انصاف کی بنیاد پر کیا گیا۔

☆ اس معاہدے کی بدولت ظلم کا تاریک دور ختم ہوا۔ عدل و مساوات کا دور دورہ ہوا، کمزور و نادار اور مظلوموں کی دادرسی کا اہتمام کیا گیا۔

☆ اسلامی ریاست مدینہ، داخلی و خارجی انتشار سے محفوظ ہوئی اور اسلامی معاشرے کی تنظیم و تشکیل ممکن ہوئی۔

☆ مدنی قبائل کا طویل خانہ جنگی کا دور ختم ہوا اور منتشت قبائل کی شیرازہ بندی ممکن ہوئی۔

☆ ایک بین الاقوامی معاشرے میں قانون سازی کے لیے عدل و مساوات پر مبنی اصول و کلیات وضع ہوئے۔

---

(۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مکمل دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ ملاحظہ ہو۔ عہد نبوی کا نظام حکمرانی (م ن): ۷۶

The First Written Constitution in the World, Lahore, 1975, p.4-9

۲۔ مدینہ کے جنوب مغربی قبائل سے معاہدات نبوی:

ان معاہدات کا آغاز ۲ ھجری کی ابتدا سے ہوا۔ حلیفی کے یہ معاہدات مدینہ کے جنوب مغرب میں بسنے والے قبائل بنو مدلج، بنو ضمرہ، جھینہ و مزینہ، بنو غفار، واشجع وغیرہ کے ساتھ کئے گئے۔

مذکورہ بالا قبائل کے زمانہ جاہلیت سے اوس اور خزرج کے ساتھ حلیفی کے تعلقات تھے چنانچہ قبیلہ جھینہ اور اشجع خزرج کے اور قبیلہ مزینہ والے اوس کے حلیف تھے۔(۱) اس بنا پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ امکان ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے ان قبائل کی اوس و خزرج کے ساتھ پرانی حلیفی کی ہی تجدید فرمائی ہو۔(۲)

آپ ﷺ نے پرانی حلیفی کی تجدید کی ہو یا نئی حلیفی کی ہو، دونوں صورتوں میں اہم بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان قبائل کے انصار کے ساتھ پرانے تعلقات کا فائدہ حاصل کیا اور معاہدات کی صورت میں پرانے تعلقات کو مزید مضبوط بنا دیا۔ ان قبائل کی پرانی حلیفی کی صورت یہ تھی کہ قبیلہ جھینہ واشجع، خزرج کے حلیف تھے اور جنگ میں اوس کے خلاف ان کا ساتھ دیتے تھے۔ دوسری طرف قبیلہ مزینہ اوس کے حلیف تھے اور جنگ میں خزرج کے خلاف لڑتے تھے۔(۳) جبکہ نبی ﷺ کے ساتھ ہونے والی حلیفی کی صورت یہ تھی کہ اب یہ تمام قبائل بیک وقت اوس وخزرج، دونوں کے حلیف بن چکے تھے۔

مذکورہ بالا تمام قبائل کے ساتھ معاہدات نبوی کا متن ملتا جلتا ہے۔ ان معاہدات کا لب لباب یہ ہے کہ وہ قبائل اور مسلمان ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کریں گے نیز ظالم کے خلاف ایک دوسرے کی مدد بھی کریں گے۔(۴)

ابن سعد نے بنی ضمرہ کے ساتھ ایک معاہدے کا ذکر کیا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ محض غیر جانبداری کا معاہدہ تھا، باہم ایک دوسرے کی مدد کا اس میں ذکر نہیں کیا گیا۔ اس میں ہے کہ ''نہ آپ ﷺ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ یہ آپ ﷺ

---

(۱) ابن الاثیر، الکامل: ۱/۶۸۰

(۲) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ص ۲۷۹

(۳) ابن اثیر (م ن) ص: ۱/۶۸۰

(۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر ...146... 141 - 145

سے، اور آپ ﷺ کے خلاف کسی دشمن کی مدد بھی نہیں کریں گے"۔(۱)

ابن سعد نے بنی ضمرہ کی ایک شاخ بنوعبد بن عدی جو کہ قریش کے قریب رہتے تھے کے ساتھ بھی معاہدے کا ذکر کیا ہے جس میں ہے کہ "وہ (بنوعبد بن عدی) قریش اور مسلمانوں کی باہمی جنگ میں غیر جانبدار رہتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف ہوں گے" (۲)

اہمیت وافادیت:

ان معاہدات کی بدولت ریاست مدینہ دفاعی طور پر مضبوط ہوئی۔ ریاست مدینہ کے مشرق اور شمال میں زیادہ تر یہود آباد تھے۔(۳) مدینہ کے مغرب میں مذکورہ بالا قبائل سے حلیفی و جنگ بندی کے معاہدوں سے اسلامی ریاست کو یہود کی شورش سے بچایا گیا۔

دوسری طرف قریش مکہ تھے جو بنوضمرہ وغفار کے ہم نسب و حلیف تھے۔(۴) مشرکین مکہ کے دوست قبائل کے ساتھ حلیفی وغیر جانبداری کے معاہدات کر کے قریش مکہ کو مدینہ پر حملہ کی صورت میں ان قبائل کی امداد سے محروم کر دیا گیا۔

ان معاہدات کی بدولت شام کی تجارتی شاہراہ پر مسلمانوں کا تصرف و قبضہ مضبوط ہوا۔(۵)

---

(۱) ابن سعد: ۱/۲۷۴، ۲۷۵ نیز مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۶۰، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۲۸۰

(۲) ابن سعد: ۱/۳۰۶، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۲۸۵

(۳) یاقوت، شہاب الدین ابی عبداللہ، معجم البلدان: ۵/۲۳۴، ۱/۴۴۶، ابن ہشام: ۲/۳۳۷

(۴) ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد، جمہرۃ انساب العرب: ۴۶۵، نیز جواد علی، تاریخ العرب قبل الاسلام: ۷/۳۰۵

(۵) اس کا ثبوت قبیلہ غطفان کی ایک شاخ اشجع کے وفد سے بھی ملتا ہے کہ جب وہ معاشی کساد بازاری کا شکار ہونے لگے تو اہل مکہ کی بجائے مسلمانوں کے پاس آئے اور حلیفی کے تعلقات قائم کرنے کے خواہاں ہوئے۔ اس طرح ان کے ساتھ بھی حلیفی قائم کر لی گئی، جمہرۃ انساب العرب: ۸۲، ابن سعد: ۱/۳۶۰، (وفد اشجع)

ان معاہدات کی بدولت باہمی آمد ورفت کا اضافہ ہوااور قبائل کے لیے اسلام کو سمجھنے کا موقع میسر آیا چنانچہ کچھ ہی عرصہ میں ان قبائل کے بہت سے افراد مشرف بہ اسلام ہوئے۔(۱)

۳۔ صلح حدیبیہ:

چھٹی ہجری ذیقعد کے اوائل میں رسول اللہ ﷺ تقریباً چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے ایک قاصد کے ذریعے اہل مکہ کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں اور جنگ ہمارا مقصود نہیں۔ اہل مکہ کی طرف سے آپ ﷺ کے قاصد کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر واپس آیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بطور سفیر مکہ مکرمہ بھیجا۔ قریش مکہ کی طرف سے بھی بدیل بن ورقاء، مکرز بن حفص، عروۃ بن مسعود اور سہیل بن عمرو کو بطور سفیر بھیجا گیا چنانچہ دونوں فریقوں کے مابین صلح کا معاہدہ طے ہوا۔(۲)

ا۔ معاہدۂ صلح کی ضرورت:

☆ ۶ھ میں روم و فارس کی لڑائی فارس کی شکست پر ختم ہوئی (۳) اور مسلمانوں کے لیے اس بات کا بہترین موقع میسر آیا کہ وہ فارس کے باجگزار علاقوں پر توجہ بڑھائیں۔ جس کے لیے اہل مکہ سے امن و صلح ضروری تھی۔(۴)

---

(۱) ملاحظہ ہو، قبیلہ جھینہ کی ایک شاخ ''بنی جرمز'' اس طرح ''بنی الحرقۃ'' اور عمرو بن معبد الجھنی کی طرف مکتوب نبوی۔ تفصیل کے لئے دیکھیں، صفحہ نمبر ۶۱)

(۲) ابن ہشام: ۳/۳۲۵، ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۵۲۶ تا ۵۲۹) اس صلح پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم فتح کی خوشخبری سنائی۔ (الفتح:۱)

(۳) الروم:۱

(۴) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۰۴-۱۰۵

☆ یہود مدینہ کی فطری شیطانیوں اور معاہدہ توڑنے کے سبب رسول اکرم ﷺ نے انہیں مدینہ سے نکال باہر کیا۔(۱) یہ یہودی مدینہ کے آس پاس کے علاقوں، خیبر تا شام بکھر گئے اور انہوں نے دوسرے یہود و مشرکین کے ساتھ مل کر متحدہ محاذ قائم کرلیا۔

☆ مدینہ کے شمال مشرق میں غطفان وفزارہ وغیرہ قبائل (جوکہ یہود کے حلیف بھی تھے۔) نے مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ اتحاد کرلیا۔(۲)

☆ مدینہ کے منافقین باہر کی تمام دشمن قوتوں کا ساتھ دینے کے لیے تیار بیٹھے تھے۔

☆ قریش مکہ جوکہ مسلمانوں کے طاقتور اور اہم ترین دشمن تھے مسلمانوں کے خلاف مسلسل ریشہ دوانیوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔(۳)

مذکورہ حالات میں تمام دشمنوں کے ساتھ ایک ہی وقت میں نمٹنا ممکن نہ تھا۔صورتحال یہ تھی کہ بقول سرخسی اگر مسلمان مکہ جاتے ہیں تو خیبر و غطفان مدینے پر چڑھ دوڑتے اور اگر مسلمان خیبر جائیں تو مکہ والے آکر مدینہ لوٹ لیں۔کیونکہ مدینہ بیچوں بیچ واقع ہے شمال میں خیبر پانچ منزل اور جنوب میں مکہ بارہ منزل پر ہے۔(۴)

ان حالات میں ضروری تھا کہ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ صلح کی جائے۔اب سوال یہ تھا کہ صلح کس کے ساتھ کی جائے؟

ایک طرف قبائل غطفان وفزارہ تھے۔جن کا معیار یہ تھا کہ وہ محض لوٹ مار کے شائق، اور بے اصول خانہ بدوش عرب تھے۔(۵) چنانچہ ان پر دوستی کا اعتبار کرنا مناسب ہی نہ تھا۔شمال میں یہود خیبر اور بعض دیگر یہود تھے جو

---

(۱) مسلم، الصحیح، باب اجلاء الیہود من الحجاز، حدیث نمبر (۴۵۹۲، ۴۵۹۶)

(۲) البخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الطائف، حدیث نمبر (۴۳۳۷)، ابن ہشام: ۲/۳۲۵، ۳۴۴، الواقدی، کتاب المغازی: ۲/۶۳۷

(۳) ملاحظہ ہوں قریش کی مسلمانوں کے خلاف بدر، احد، خندق وغیرہ کی جنگیں

(۴) السرخسی، المبسوط، دار المعرفۃ بیروت، ۱۰/۸۶

(۵) بعض قبائل کے واقعات کے لئے ملاحظہ ہو، البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ الرجیع، باب نمبر ۲۹ کی روایات، فتح الباری، ۸/۴۶۰، ۷/۴۵۸

تمدنی اور نسلی وجوہ سے عربوں سے الگ تھے نیز انہیں مدینہ سے اپنی جلا وطنی اور جائیداد کا داغ بھی تھا جو اس کے بغیر نہیں ہٹ سکتا تھا کہ وہ اپنی جائیداد مسلمانوں سے واپس لیں۔ (۱) چنانچہ ان کے ساتھ بھی صلح کے آثار نہ تھے۔ دوسری طرف مشرکین مکہ تھے جو کہ مکہ کے مستقل رہائشی وشہری باشندے تھے اور سیاسی شعور رکھتے تھے۔ (۲) اور ان کے ساتھ صلح کے لیے میدان بہت سی وجوہات کی بنا پر کسی قدر ہموار بھی تھا۔ مثلاً

- مسلمان مہاجرین کی اکثریت مکہ سے تعلق رکھتی تھی۔
- صلح حدیبیہ سے قبل سخت قحط کے زمانہ میں جبکہ ایک مسلمان سردار، ثمامہ نے اہل مکہ کی خوراک کی رسد بند کر دی تھی جو آپ ﷺ کی سفارش سے دوبارہ بحال کر دی گئی۔ جس سے یقیناً اہل مکہ کے دلوں میں نرم گوشہ پیدا ہوا۔ (۳)
- اسی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ نے مکہ کے غرباء وفقراء کی امداد کے لیے پانچ سو اشرفیاں بھی روانہ کی تھیں جس سے اہل مکہ بہت متاثر ہوئے۔ (۴)
- صلح حدیبیہ سے قبل رسول ﷺ نے مکہ کے انتہائی با اثر سردار ابوسفیان بن حرب کی صاحبزادی سے عقد فرما لیا۔ (۵)
- مشرکین مکہ کی عراق وشام کی تجارتی گزرگاہ پر مسلمانوں نے اثر رسوخ جما لیا جس سے اہل مکہ کو خاصا معاشی

---

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد، باب اجلاء الیہود من الحجاز، نیز باب جواز قتال من نقض العہد، حدیث نمبر (۴۵۹۲، ۴۵۹۶)

(۲) مثلاً ملاحظہ ہو واقعہ حلف الفضول، ابن ہشام ۱/۱۴۱، نیز قبل از اسلام مکہ میں سیاسی ادارے اور وزارتیں موجود تھیں، اہل مکہ حلفی، و سفارتی اصول وضوابط کے پابند تھے ملاحظہ ہو۔ ابن عبد ربہ، العقد الفرید، ۳/۳۱۴، نیز الندوی، سلیمان، ارض القرآن: ۳۱۲، محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی: ۳۵۔

(۳) البخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفۃ، حدیث نمبر (۴۳۷۲)، ابن ہشام، ۲/۶۳۹

(۴) اس کا اظہار ابوسفیان نے کیسے کیا؟ ملاحظہ ہو، المبسوط، (م ن) ۱/۹۲

(۵) ابن حبیب، المحبر، ص، ۸۸

نقصان تھا جو کہ جانبین کی صلح سے ہی دور ہوسکتا تھا۔

- ذیلقعد کا مہینہ تھا نیز آگے ایسے مہینے آ رہے تھے جو قریش کے نزدیک بھی مقدس سمجھے جاتے تھے ان مہینوں میں دشمنوں کے ساتھ جنگ حرام سمجھی جاتی تھی۔
- قریش کو اپنی بدنامی کا اندیشہ تھا کہ مبادا، دنیا والے یہ نہ کہیں کہ قریش، لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکتے ہیں۔
- حج کعبۃ پر اتفاق اور قریش کے ساتھ ہم قبلہ ہونا وغیرہ یہ تمام وہ اسباب تھے جن کی بنیاد پر قریش کے ساتھ صلح کے واضح آثار نظر آ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ہر ممکن کوشش کی کہ جنگ سے بچا جائے اور صلح ہی کی جائے۔ اس کا اظہار کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے میں اسے قبول کروں گا۔ (۱) چنانچہ حدیبیہ کے مقام پر سفارشیں شروع ہوگئیں بالآخر سہیل بن عمرو کے ساتھ طویل گفت وشنید کے بعد معاہدہ طے پایا کہ۔

مسلمان اس سال مکہ آئے بغیر واپس ہو جائیں اور آئندہ برس عمرہ کریں۔ دس سال تک فریقین باہم جنگ نہیں کریں گے۔ اگر کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ کر مدینہ جائے تو واپس کیا جائے گا۔ تجارت وغیرہ مسالمانہ ضرورتوں سے ایک دوسرے کے علاقہ سے گزرنے کی اجازت ہوگی۔ قبائل میں جو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ حلیفی کرنا چاہے یا قریش کے ساتھ، وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ (۲)

معاہدۂ صلح کی اہمیت وافادیت:

قریش کی پسندیدہ شرائط کا یہ معاہدہ بظاہر تو مسلمانوں کے مفاد میں نہ تھا لیکن بعد میں ثابت ہوا کہ دراصل یہ معاہدہ فتح مبین تھا۔ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (۳)

''بے شک (اے نبی) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے''

---

(۱) البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب، حدیث نمبر (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)

(۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۱

(۳) الفتح: ۱

قرآن مجید میں سورۃ الفتح کی مختلف آیات میں اس معاہدے کے فوائد و اہمیت اور دوررس سیاسی و مذہبی فوائد واثرات کی طرف نشاندہی کی گئی ہے مثلاً۔

(i) ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾(۱)

''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے خوش ہوگیا جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کرلیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی''

طبری نے مختلف روایات کو بنیاد بناتے ہوئے لکھا ہے کہ ''فتحاً قریباً'' سے مراد فتح خیبر ہے۔اور ''فانزل السکینة علیهم'' سے مراد صبر اور وقار (سے فیصلہ کرنا) ہے۔(۲)

(ii)﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ......الخ﴾ (۳)

''اور بہت سی غنیمتیں جنہیں وہ حاصل کریں''

(iii) ﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ......الخ﴾(۴)

''اللہ تعالیٰ نے تم سے بہت ساری غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کروگے، پس یہ تو تمہیں جلد ہی عطا فرمادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیئے''

''معانم کثیرة تاخذونها'' سے فتوحات اور اس کے نتیجہ میں مالی فوائد کی طرف اشارہ ہے یعنی مشرکین

---

(۱) الفتح، ۱۸

(۲) تفسیر طبری:۵۶،۵۵/۲۶

(۳) الفتح:۱۹

(۴) الفتح ۲۰

ہوازن وغطفان، فارس اور روم وغیرہ کے غنائم مسلمانوں کو حاصل ہوں گے۔ "وکف ایدی الناس عنکم" سے یہود اور قریش سے مسلمانوں کی حفاظت مراد ہے۔(۱)

(iv) ﴿وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا﴾. (۲)

"اور (تاکہ) تمہیں اور (غنیمتیں) بھی دے جس پر اب تک تم نے قابو نہیں پایا اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے قابو میں رکھا ہے"

"واُخری لم تقدرواعلیھا" سے مکہ، خیبر، روم و فارس کے علاقوں کی فتح مراد ہے جن کی طرف صلح حدیبیہ کے بعد فوراً ہی توجہ دی گئی۔(۳)

امام زہری اس صلح کے فتح عظیم ہونے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"فما فتح فی الاسلام فتح قبله کان اعظم منه، انما کان القتال حیث التقی الناس، فلما کانت الهُدنة، ووُضعت الحرب، و آمن الناس بعضهم بعضاً، والتقوا، فتفا و ضوافی الحدیث والمناز عة، فلم یکلّم احد بالاسلام یعقل شیئاً إلادخل فیه، ولقد دخل فی تینک السنتین مثلُ من کان فی الاسلام قبل ذلک اوأکثر".(۴)

"اسلام میں اس سے قبل کوئی بڑی فتح نہ تھی۔ جنگ میں تو لوگ گتھم گتھا تھے۔ جب امن وسکون ہو گیا، جنگ ختم ہو گئی لوگ ایک دوسرے سے امن میں ہو گئے وہ ایک دوسرے سے ملے، باہم بات چیت کی، جس نے بھی اسلام کی حقانیت کو سمجھا وہ اسلام میں داخل ہو گیا ان دو سالوں میں اتنے لوگ مسلمان ہوئے جتنے اس سے قبل مسلمان ہوئے تھے یا اس سے بھی زیادہ مسلمان ہوئے"۔

ابن ہشام زہری کی رائے کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ زہری کی رائے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب

---

(۱) روایات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر طبری: ۲۶/۵۵، ۵۷

(۲) الفتح: ۲۱

(۳) تفسیر طبری: ۲۶/۵۷، ۵۸، الروض الانف: ۶/۳۶۸

(۴) الروض الانف: ۶/۳۶۸

حدیبیہ کے لئے نکلے تو چودہ سو آدمی ساتھ تھے اور دو سالوں کے قلیل عرصے بعد فتح مکہ کے لیئے نکلے تو دس ہزار آدمی ساتھ تھے۔(۱) چنانچہ وہ قبائل جو حدیبیہ کے موقعے پر آپ ﷺ کی دعوت کے باوجود مسلمانوں کے ساتھ نہیں نکلے تھے۔اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْن......الخ﴾ کا ارشاد فرمایا،(۲) فتح مکہ میں مسلمانوں کے لشکر میں پیش پیش تھے جن میں قبیلہ اسلم کے چارسو، جھینہ کے آٹھ سو اور مزینہ کے ایک ہزار افراد شامل تھے۔(۳)

۴۔معاہدہ خزاعہ

رسول اللہ ﷺ نے جاہلی دور کے بعض حلیفی کے معاہدات کی تجدید فرمائی۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس بات کا امکان ظاہر کیا ہے کہ قبائل جھینہ و مزینہ کے ساتھ معاہدات بھی تجدید حلیفی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ عہد جاہلی میں یہ قبائل اوس وخزرج کے حلیف تھے۔(۴) تاہم اس سلسلہ کا اہم ترین معاہدہ قبیلہ خزاعہ کے ساتھ ہوا۔

قبیلہ خزاعہ مکہ کے قریب ایک دن کی مسافت پر مرالظہران نامی جگہ میں آباد تھا۔عہد جاہلی میں جب قبیلہ جرھم نے حجاج اور زائرین کعبہ کے ساتھ ناانصافیاں شروع کیں تو اس قبیلہ نے ان کے ساتھ جنگ کر کے انہیں مکہ سے نکال باہر کیا اور خود کعبہ کے متولی بن گئے۔کچھ عرصہ بعد قصی بن کلاب نے قریش و کنانہ سے مل کر انہیں بھی مکہ سے بے دخل کر دیا۔(۵) بعد میں اس قبیلہ نے حضور اکرم ﷺ کے دادا عبدالمطلب سے حلیفی قائم کر لی۔اس کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا اپنے چچا نوفل سے تنازعہ ہو گیا تو عبدالمطلب نے مدینہ میں اپنے رشتہ داروں بنو نجار سے مدد طلب کی، بنو نجار کے ستر جنگجو ان کی مدد کے لیے مکہ آگئے جس سے لڑائی ٹل گئی۔اس موقع پر عبد شمس نے نوفل سے اور خزاعہ نے

---

(۱) نیز ملاحظہ ہو، ابن قیم ،زاد المعاد:۲/۵۳۶

(۲) الفتح:۱۵،۱۶، ملاحظہ ہو۔تفسیر الطبری:۲۶/۴۹

(۳) واقدی، کتاب المغازی:۲/۸۰۰، نیز ابن ہشام:۴/۴۲

(۴) تفصیل ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر....34....

(۵) ابن قتیبہ کے مطابق خزاعہ کا تسلط چھڑانے کے لیے قیصر روم نے بھی قصی کی مدد کی تھی، کتاب المعارف، ص:۳۱۳، ابن ہشام:۷۹،۸۰) نیز الیعقوبی، تاریخ الیعقوبی:۱/۲۳۸

عبدالمطلب سے حلیفی کا معاہدہ کیا۔(۱)

جاہلی دور کے اس معاہدہ میں یہ طے ہوا تھا کہ فریقین ایک دوسرے کی جنگی امداد کرنے کے پابند ہوں گے۔ اس معاہدہ میں کوئی پھوٹ نہ ہوگی اور یہ معاہدہ اس وقت تک رہے گا جب تک سمندر میں رطوبت باقی ہے۔ فریقین کے چھوٹے بڑے اس میں شامل ہیں اور وہ بھی جو کہ موجود نہیں۔ ''معاہدہ یہ ہے کہ جب تک کوہ شبیر پر سورج چمکتا رہے اور اونٹ اپنے نوزائیدہ بچوں کے لیے تڑپتے ہیں اور جب تک زمین پر پہاڑوں کا وجود قائم ہے جب تک زائرین مکہ میں آتے رہیں۔ معاہدہ ختم نہیں ہوسکتا بلکہ جب تک سورج کی روشنی اور رات کی تاریکی دنیا پر منعکس ہوتی رہے اس معاہدہ کی شرائط میں اور زیادہ پابندی ہوتی رہے گی۔ تب تک عبدالمطلب اور ان کے بیٹے اور ان کے حلیف بھی بنوخزاعہ کی نصرت اور حمایت کرتے رہیں گے اسی طرح بنوخزاعہ اور ان کے حلیف خواہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں وادیوں میں خیمہ زن ہوں یا کھلے میدان میں ہوں ہر صورت میں وہ سب عبدالمطلب اور ان کی اولاد کی حمایت ونصرت کے پابند رہیں گے''۔(۲)

جب بنوخزاعہ نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے حدیبیہ میں اس معاہدہ کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''اسلام جاہلیت کی حلیفی کو مضبوط تر ہی کرتا ہے'' (۳) اس طرح جاہلی دور کے معاہدہ حلیفی کی تجدید کر لی گئی۔

اس تجدید حلیفی کا فائدہ یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کا اثر ورسوخ مکہ کی شہری ریاست کے بالکل قریب تک پہنچ گیا (۴)

---

(۱) الحلبی، السیرۃ:۳/۸۰، واقدی، المغازی:۱۶۷(ب)

(۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر:۱۷۱(روایت ثانی)

(۳) ابن ہشام:۲/۳۱۸ نیز مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ (م ن)

(۴) اس غیر مسلم حلیف قبیلہ نے اپنے علاقے میں رہتے ہوئے اسلامی ریاست کا بھرپور ساتھ دیا۔ ابن ہشام کے مطابق بنوخزاعہ مسلمانوں کے خاص رازدار بن گئے اور خفیہ خبریں بھی نبی اکرم تک پہنچاتے رہے (ابن ہشام:۲/۳۱۲)، سیرۃ شامی میں ہے کہ غزوۂ خندق کے محاصرہ میں مسلمانوں کو قریش کی تیاریوں کی اطلاع بھی انہوں نے ہی دی تھی۔ (الشامی، الصالحی، محمد بن یوسف، سبل الہدیٰ والرشاد (سیرۃ شامی):۴/۳۶۴)، فتح مکہ میں اسلامی لشکر نے آخری پڑاؤ بھی انہی کے ہاں کیا تھا (ابن ہشام:۲/۴۰۲)

۵۔ فارس اور روم کے باجگزار قبائل سے معاہدات نبوی (تعارف و اہمیت)

عہد نبوی میں فارس اور روم:

عہد نبوی ﷺ میں فارس اور روم دنیا کی دو عظیم سلطنتیں تھیں۔ مختلف وجوہ کی بنا پر ان میں باہم عداوت کا سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آ رہا تھا۔ دونوں حکومتیں اپنے علاقوں میں توسیع کرنے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتی تھیں۔ عہد نبوی کے ابتدائی زمانہ میں رومیوں نے اپنی بادشاہت کا تمام مشرقی حصہ کھو دیا تھا شام، آرمینیا، مصر، حتی کہ قسطنطنیہ تک ایرانی جھنڈے لہرا رہے تھے۔ (۱) اسی دوران قرآن نے اس صورت حال کے بالکل برعکس پیشنگوئی کر دی کہ رومی فارس پر دوبارہ غالب آ جائیں گے۔ (۲) چنانچہ کچھ ہی عرصہ بعد ۶۲۶ء بمطابق ۶ ھ، نینویٰ کے مقام پر رومیوں نے ایرانیوں کو فیصلہ کن شکست دی اور اپنے مقبوضہ تمام علاقے واپس لے لئے۔ (۳)

ان دونوں طاقتوں نے اپنی سرحدوں کے ساتھ ساتھ اور کہیں زیادہ دور تک عرب میں اپنے اثرات پھیلا رکھے تھے چنانچہ بعثت نبوی ﷺ تک عرب کے شمال میں دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا اور غسان جیسے اہم علاقے بیزنطینیوں (رومیوں) کے زیر اثر آ چکے تھے۔ ان علاقوں میں بسنے والے مختلف اہم قبائل مثلاً بنو کلب، تغلب، جزام، قین، بلی، بہراء، قضاعہ وغیرہ جنگ میں بیزنطینی جھنڈے کے نیچے ہی اکٹھے ہوتے تھے۔ (۴) اسی طرح عہد نبوی میں عرب کے کئی اہم علاقے مثلاً یمن، یمامہ، عمان، بحرین اور طائف وغیرہ فارس کے زیر اثر تھے۔ (۵)

---

(۱) ابن الاثیر، الکامل: ۱/۱۷۶، ۱۷۷

(۲) الروم: ۱

(۳) Gibbon , Edward, The History of the Decline and fall of The Roman Empire, London. Vol : V.P. 190-194

(۴) ابن ہشام، (غزوۂ موتہ) ۴/۱۶، ۱۷

(۵) ان علاقوں میں بسنے والے قبائل کے ساتھ ساتھ ان کے حلیف اور پڑوسیوں پر بھی ایرانی اثرات پھیلے، الطبری: ۲/۶۵۶، ابن حبیب، کتاب المحبر: ۲۶۵، ۲۶۶، البلاذری، فتوح البلدان: ۷۸، الاصفہانی، ابی الفرج علی بن حسین، کتاب الاغانی: ۱۲/۴۸، ۴۹

اگرچہ دونوں ممالک ایک بڑے رقبے پر حکومت کے دعوے دار تھے لیکن عہد نبوی ﷺ کے درمیانے دور میں یہ دونوں ممالک قسما قسم اندرونی خلفشار کا شکار تھے۔ جس کی وجہ سے بالعموم تمام سلطنت اور بالخصوص مقبوضہ علاقوں اور باجگذار قبائل پر ان کے اثرات کمزور پڑ رہے تھے۔(۱)

فارس اور روم کے باجگزار قبائل سے معاہدات نبوی کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باجگزاران فارس سے معاہدات

ثقیف سے معاہدہ:

(۱) ثقیف ہوازن کا معروف قبیلہ تھا۔ مکہ سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر طائف میں آباد تھا۔ قبائل عرب میں اہل ثقیف سیاسی، مذہبی اور اقتصادی طور پر نہایت مستحکم تھے۔ ثقیف کی آبادی میں دو گروہ قابل ذکر ہیں۔ بنی مالک اور احلاف۔ ان دونوں دھڑوں کی آپس میں یکجہتی نہیں تھی اس لیے دونوں کے الگ الگ سردار تھے۔(۲)

مذہبی حیثیت:

جس طرح جاہلی دور میں اہل مکہ کی مذہبی حیثیت مسلمہ تھی۔ اسی طرح ثقیف مذہبی طور پر مستحکم حیثیت رکھتے تھے۔ قریش اور ثقیف میں عزت و شرف کے لیے آپس میں جھگڑا ہوا کرتا تھا۔ ان کے ہاں لات کا بت نہایت مقدس اور عرب میں معروف تھا جس کا ذکر قرآن نے ﴿اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی﴾ (۳) کی صورت میں کیا۔ یہ اپنے بت پر چڑھاوے چڑھاتے، اس کا طواف کرتے تھے اور طائف شہر کو حرمت والا شہر سمجھتے تھے۔ باوجود اس کے

---

(۱) Gibbon , Edward, The History of the Decline and fall of the Roman Empire, Vol: V.P. 190-194 نیز ملاحظہ ہو محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: ۲۲۴

(۲) البکری: ۱/۶۴، ۶۵، ۷۷، القلقشندی، نہایۃ الارب: ۱۸۶، الکامل لابن الاثیر، ۱/۵۱۴ یاقوت، معجم البلدان، ۲/۱۳۷، ۳/۲۰۴

(۳) النجم: ۱۹

کہ وہ خانہ کعبہ کا طواف وغیرہ اور حج بیت اللہ بھی کرتے تھے۔(۱)

طائف میں بھی مکہ کی طرح شہری زندگی کا نظام قائم تھا۔ قرآن مجید نے اس شہر کو مکہ کے ساتھ ﴿قَرْیَتَیْنِ عَظِیْم﴾(۲) کہہ کر بیان کیا جس سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

علمی و ادبی پہلو:

جاہلی دور میں اہل طائف بلند علمی و ادبی ذوق سے مالا مال تھے۔ ان کے ہاں علمی و ادبی مجالس کے انعقاد، عدل گستری کی مجالس وغیرہ کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ ان کے بازار عکاظ کو ''بین العرب ادبیاتی کانگریس'' کہنا بے جا نہ ہو گا۔(۳)

اقتصادی پہلو:

اہل طائف اقتصادی طور پر بہت مضبوط تھے۔ ان کی اقتصادی طاقت ان کی زراعت تھی، قسما قسم سبزیاں اور پھل پیدا ہوتے تھے خود بھی بافراغت استعمال کرتے تھے اور برآمد بھی کرتے تھے۔ یہاں کا انگور اور شہد بالخصوص مکہ اور بالعموم پورے عرب میں برآمد کیا جاتا تھا۔ طائف کا بازار عکاظ تھا ہر سال پورے عرب سے تاجر یہاں آتے تھے۔ یہ عرب کی منڈیوں میں انتہائی گرم تجارتی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ ابن حبیب بغدادی کے بقول عرب کی منڈیوں میں سب سے بڑی منڈی عکاظ کی تھی جو کہ ذی القعدہ کے پہلے بیس دن مسلسل جاری رہتی تھی۔(۴)

اہل مکہ کی طرح ان کی تجارت پر بھی سود کا لین دین چھایا ہوا تھا۔ اس سودی لین دین کی وجہ سے انہوں نے

---

(۱) یعقوبی نے ثقیف کے تلبیہ کا ذکر بھی کیا ہے، تاریخ الیعقوبی: ۱/۲۵۵، ابن حبیب، المحبر، ۳۱۵

(۲) ﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ﴾ (الزخرف: ۳۱)

(۳) المرزوقی ''الازمنۃ والامکنۃ'' ۲/۷۹، ۸۰، نیز ابن حبیب، کتاب المحبر، ۲۶۳، محمد حمید اللہ، عہد نبوی کا نظام حکمرانی ۱۸۷

(۴) ابن حبیب، کتاب المحبر: ۲۶۳، العقد الفرید، ۳/۸۷؛ القلقشندی، نہایۃ الارب، ۴۳۵؛ تاریخ الیعقوبی، ۱/۲۷۰)

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معاہدہ میں سود کو برقرار رکھنے کا مطالبہ کیا تھا۔(۱)

مکہ اور طائف کے تعلقات:

اہل طائف کے مکہ والوں سے بہت قریبی تجارتی وسماجی تعلقات تھے۔ مکہ کی ''وادغیر ذی ذرع'' (۲) کے قریب طائف جیسا سرسبز وشاداب علاقہ یقیناً ان کی خورد ونوش کا ایک بڑا مرکز ہوگا۔ ان کی اقتصادی اہمیت اور باہمی تعلقات کا اشارہ ''من القریتین عظیم'' (۳) کی قرآنی آیت سے بھی عیاں ہوتا ہے۔ ان کے باہمی تعلق کی مناسبت سے کہا جاتا تھا ''مکۃ من الطائف والطائف من مکۃ''۔ اہل مکہ وطائف کے تعلقات کی تصدیق اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ قریش نے صلح حدیبیہ کے موقع پر جس شخص (عروۃ بن مسعود) کو مسلمانوں کے پاس اپنا سفیر ونمائندہ بنا کر بھیجا اس کا تعلق بنوثقیف سے تھا۔(۴) طائف میں مکہ کے امراء کی زمینیں اور باغات وغیرہ بھی تھے۔ وہ گرمیوں میں یہاں آکر رہتے تھے اور ان کی مرمت وغیرہ کا اہتمام بھی کرتے کنانہ کے کئی لوگوں نے تو باقاعدہ یہاں کی رہائش اختیار کر رکھی تھی۔ اہل مکہ کے ساتھ ان کے مضبوط تجارتی تعلقات تھے اوپر سے رشتہ داریوں نے ان تعلقات کو مزید مضبوط کر رکھا تھا(۵) غالباً اسی سبب کی بنا پر آپ ﷺ ہجرت مدینہ سے پہلے اہل طائف کے پاس تشریف لے گئے تھے۔

بنوثقیف سے معاہدہ:

فتح مکہ کے بعد ہوازن اور ثقیف نے مسلمانوں کے خلاف بڑے پیمانے پر تیاری شروع کی۔ رسول اللہ ﷺ انسدادی مہم کے طور پر اس سے نمٹنے کے لیے نکلے، حنین میں ان سے مڈبھیڑ ہوئی۔ باوجود نقصان کے، مسلمانوں کو فتح

---

(۱) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ، ۸۱، محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ۳۰۲؛ ابوعبید، الاموال، فقرہ نمبر ۵۰۶)

(۲) ابراہیم: ۳۷

(۳) الزخرف: ۳۱

(۴) البخاری، الجامع الصحیح، ۳/۱۷۰

(۵) الازرقی۔ اخبار مکہ: ۷۰، نیز ابن ہشام، ۳/۸۷۳، ۸۷۴، بلاذری، فتوح البلدان، ۵۶، نیز محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۳۰۳

ہوئی۔ یہ لوگ بھاگ کر طائف کے فصیل دار شہر میں پہنچے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور طائف پہنچے۔ طائف کا محاصرہ کیا چند دن تک محاصرہ کے بعد آپ ﷺ بمع لشکر شہر فتح کئے بغیر واپس مکہ روانہ ہو گئے۔

بنو ہوازن نے مسلمانوں کی حیثیت بھانپ لی اور وفد لے کر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور صلح کر لی۔ یہ وہ وقت تھا کہ اسلام کی شان وشوکت سارے عالم عرب پر منکشف ہو چکی تھی۔ اہل طائف بھی اس سے متاثر ہوئے اور انہوں نے دوستی کا وفد مدینہ بھیجا اور مسلمانوں کی سیاسی بالادستی بایں صورت قبول کر لی کہ ان کی مذہبی وسیاسی اہمیت وخود مختاری برقرار رہے۔

بنو ثقیف کے ذہن میں اس وقت اسلام کا تصور صرف سیاسی سر تسلیم خم کرنا تھا اس لیے ان کے وفد نے ایک غیر مفتوح ملک کے نمائندے کی حیثیت سے ایسی شرطیں پیش کیں جو یقیناً خود اس کے اپنے ذہن میں بھی بھاؤ بڑھانے اور بھاؤ چکانے کے سوا کچھ نہ تھیں' چنانچہ انہوں نے کہا کہ وہ مسلمان ہونے کو تیار ہیں بشرطیکہ

۱۔ انہیں نماز سے مستثنیٰ کیا جائے۔

۲۔ طائف کو حرم قرار دیا جائے۔

۳۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۴۔ جہاد (یعنی مسلمانوں کے ساتھ مل کر دشمنوں کے خلاف فوجی کاروائی کرنے سے) بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

۵۔ ان کا قدیم بت خانہ بھی نہ توڑا جائے۔

۶۔ زنا سے منع نہ کیا جائے۔

۷۔ سود کی ممانعت نہ رہے۔

۸۔ شراب کی ممانعت بھی نہ رہے۔(۱)

---

(۱) ابن ہشام، ج،۳۔۴،ص ۵۳۸ تا ۵۴۰، ابن الاثیر، الکامل فی التاریخ، ج ۲:ص ۲۸۴، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، منصور پوری، قاضی محمد سلیمان سلمان، رحمۃ للعالمین: ۱/ ۱۶۶، ۱۶۹۔

رسول اللہ ﷺ کے حکیمانہ اسلوب کی وجہ سے اہل طائف اپنے اکثر غلط مطالبات منوانے سے باز رہے۔ چنانچہ انہیں نماز سے استثناء، زنا اور شراب کی اجازت نہ دی گئی، فوجی کارروائیوں میں مسلمانوں کا ساتھ دینے سے ان کو مستثنیٰ کر دیا گیا۔ (۱) سود کی حرمت کے لئے انہیں قلیل سی (آئندہ آنے والے عکاظ کے میلے تک) مہلت دے دی گئی۔ (۲) ان کے بت خانے کو توڑنے کے معاملہ میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اسے نہ توڑو بلکہ ہمارے آدمی اسے توڑیں گے۔ اس طرح اگر کوئی نقصان پہنچے گا تو تم محفوظ رہو گے۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اہل طائف کا یہ وہم بدستور باقی تھا کہ بت خانہ توڑنے والے کو سخت قسم کا نقصان ہو گا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں نبی اکرم ﷺ نے دو صحابہ، ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو بھیجا۔ انہوں نے اس عظیم بت خانے کو منہدم کر دیا۔ اس طرح معاہدے کی پر حکمت شق سے ان میں پرانی اور راسخ شدہ بت پرستی کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ (۳) مکہ کی طرح طائف کو حرم قرار دینے کا مطالبہ بغیر کسی تبدیلی کے تسلیم کر لیا گیا۔ (۴)

اہل طائف کو مکمل حقوق عنایت کئے گئے چنانچہ طائف پر انہیں پورا اختیار دیا گیا۔ انہی میں سے ان پر امیر مقرر کئے گئے۔ (۵) علاوہ ازیں انہیں مکمل تجارتی و ثقافتی آزادی دی گئی اور انہیں یہ بھی کہا گیا کہ ہر ظالم کے خلاف انہیں امداد دی جائے گی۔ (۶)

اہل طائف (بنو ثقیف) نے جب دیکھا کہ اسلامی ریاست ان کے حقوق میں کمی یا ان کے عدم تحفظ کا ارادہ نہیں رکھتی تو انہوں نے خوشی سے اس معاہدہ کو تسلیم کر کے اسلامی وفاق میں شمولیت اختیار کر لی۔ اس طرح مکہ کے جنوب میں

---

(۱) یہ وہ دور تھا جب اسلامی ریاست کے پاس عددی قوت کی کمی نہ رہی تھی۔

(۲) مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۸۱

(۳) ابن ہشام: ۳-۴/ ۵۴۰-۵۴۱

(۴) احمد بن حنبل، المسند، ۱/ ۱۶۵، ابوداؤد، السنن، کتاب المناسک، حدیث نمبر (۲۰۳۲)

(۵) طائف کی آبادی بنو مالک اور احلاف، دو گروہوں پر مشتمل تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں باہم یک جہتی نہ تھی اس لئے دونوں فریقوں پر الگ الگ انہی میں سے سردار مقرر کئے گئے۔ اس طرح وہ ممکنہ تنازع سے بھی بچ گئے۔ مجموعہ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر ۱۸۱ تا ۱۸۳

(۶) مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، (م ن)

قریب ترین ایک بڑی اور اہم قوت اسلامی ریاست میں شامل ہوگئی۔ اس معاہدہ کے بعد بنوثقیف کے ایک حلیف بنی ہلال جو کہ غزوہ طائف میں مسلمانوں کے خلاف شریک ہوئے تھے وفد کی شکل میں حاضر ہوئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔(۱) اس طرح طائف کے جنوب میں اہل جرش نے بھی اسلامی ریاست کی بالا دستی تسلیم کر لی۔(۲)

اہل عمان سے معاہدہ (تعارف و اہمیت)

عمان عرب کے جنوب مشرق کا ایک ساحلی علاقہ تھا۔ یہ دریائے یمن اور ہند کے ساحل پر مقام ہجر کے مشرقی سمت میں واقع ہے۔ یہ علاقہ اقتصادی اعتبار سے نہایت اہم تھا۔ یہاں عالمی سطح کے تجارتی میلے منعقد ہوتے تھے جن میں پوری دنیا سے لوگ آتے تھے۔ ابن حبیب اور مسعودی کے مطابق ہند، چین اور سندھ کے علاقے سے لوگ سمندری سفر کر کے عمان کے تجارتی میلوں میں شرکت کے لیے آتے تھے۔(۳)

عہد نبوی میں اس علاقے کی آبادی کا ایک بڑا حصہ قبیلہ ''ازد'' پر مشتمل تھا۔(۴) دیگر عرب کی طرح یہ علاقہ بھی مختلف قبائل میں بٹا ہوا تھا جن پر الگ الگ سرداروں کی حکمرانی تھی جن میں قبائل بنوثمالہ اور حدان اور اہل دبا کا تذکرہ کتب سیرت میں ملتا ہے۔ فتح مکہ کے سال یہ قبائل وفد کی صورت میں بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ مآخذ میں ان کی طرف مکتوب نبوی کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔(۵)

بعثت نبوی سے قبل ایرانیوں نے جن عرب علاقوں پر قبضہ کیا تھا ان میں عمان بھی شامل تھا۔ یہاں پر ایران کی طرف سے جلندی بن المستکبر حکمران تھا۔ بعد ازاں اسی کے دو بیٹے جیفر اور عبد مشترکہ حکمران بنے۔(۶) ایران کے سیاسی

---

(۱) ابن ہشام، ج۔۳۔۴، ص: ۴۳۷

(۲) معجم البلدان: ۲/۱۲۶، ابن ہشام: ۳۔۴/۵۸۷

(۳) معجم البلدان، ۴/۱۵۰، نیز ابن حبیب، کتاب المحبر: ۲۶۵، المسعودی، مروج الذہب: ۱/۳۰۸،

(۴) البلاذری، فتوح البلدان، ۷۶ نیز معجم البلدان: ۴/۱۵۰

(۵) وفد بنوثمالہ کے تذکرہ کے لیے ملاحظہ ہو، ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱/۳۵۳، نیز مکتوب نبوی کے لیے ملاحظہ ہوں، محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۷۸، اہل دبا کی طرف مکتوب کے لیے دیکھئے م ن، مجموعۃ الوثائق، وثیقہ نمبر ۷۸ (الف)

(۶) ابن حبیب، کتاب المحبر، ۲۶۵، ۲۶۶، المرزوقی، الأزمنۃ والأمکنۃ ۲/۱۶۲۔۱۶۳ نیز، البلاذری، فتوح البلدان: ۷۶

انتشار کی بنا پر عرب مقبوضات پر اس کی گرفت کا کمزور ہونا کوئی بعید از قیاس بات نہیں۔ اس ساری صورتحال سے رسول اللہ ﷺ نہایت باخبر تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول آپ ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ عرب میں ایرانی مقبوضات پر مرکوز کی ہوئی تھی۔ (۱) چنانچہ بلاذری کے مطابق چھ ہجری میں ہی رسول اللہ ﷺ نے ابوزید انصاری کے ذریعے شاہان عمان کی طرف مکتوب مبارک ارسال فرمایا جس میں انہیں اسلام کی طرف دعوت دی گئی۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کا یہ مکتوب جیفر وعبد کے پاس پہنچا تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اسلامی وفاق میں شامل ہوئے۔ (۳) اسی طرح قبیلہ بنو ازد اور دیگر قبائل عمان شہزادگان سمیت مسلمان ہو کر اسلامی وفاق میں شامل ہو گئے۔ بنو ازد کا وفد بھی آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا جو ۱۹ آدمیوں پر مشتمل تھا۔ (۴) اس معاہدہ کی وجہ سے اسلامی ریاست کو جنوب مشرقی علاقے میں ایک اہم قبیلہ اور اس کے دوستوں کی حلیفی میسر آئی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے وہاں پر مدینہ سے کچھ آدمی مستقل مشن پر بھیجے تاکہ آس پاس کے قبائل کو اسلام کا تعارف کروائیں۔ چنانچہ بلاذری کا بیان ہے کہ وہ لوگ اپنے مشن میں کامیاب رہے اور آس پاس کے قبائل نے بھی اسلام قبول کرلیا۔ مآخذ میں عمان کے خالص بدوی قبائل بنو ثمالہ اور حدان کا تذکرہ ملتا ہے کہ یہ وفد کی صورت میں فتح مکہ کے سال نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کی۔ آنحضرت ﷺ کا ان کی طرف مکتوب کا تذکرہ بھی مآخذ میں ملتا ہے۔(۵)

---

(۱) محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ، ص ۱۵۷

(۲) ابن سعد: ۱/۲۶۳، البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۷۶، نیز مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۷۶

(۳) فتوح البلدان، (م ن)

(۴) ابن ہشام (بنو ازد کا وفد)، ۳۔۴/ ۵۸۷

(۵) عمان میں عمرو بن العاص السہمی اور ابوزیاد الانصاری کی خدمات لی گئیں۔ فتوح البلدان، ص: ۷۶، نیز ملاحظہ ہو، وفد بنو ثمامہ کا تذکرہ، ابن سعد: ۱/۳۵۳۔ نیز مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۷۸

بحرین کی طرف مکاتیب نبوی (تعارف)

یہ عرب کے مشرق میں ایک ساحلی علاقہ تھا۔ (۱) یہاں مختلف قبائل عبدالقیس، بکر بن وائل اور تمیم کے لوگ آباد تھے۔ بحرین بھی فارس کے زیر اثر تھا۔ یہاں منذر بن ساویٰ اگرچہ عربی النسل حکمران تھا۔ (۲) لیکن شہنشاہ فارس کا خراج گزار تھا۔ (۳)

رسول اکرم ﷺ نے اسے اسلام کی طرف دعوت دی اور اسے لکھا کہ تمہیں سر براہی سے معزول نہیں کیا جائے گا۔ منذر بن ساوی نے اپنی رعایا کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ اسلام قبول کرلیا۔ آپ ﷺ نے اسے لکھا کہ:

''تمہارا سب کچھ تمہارے پاس ہی رہے گا بشرطیکہ تم اللہ و رسول کے تابع رہو۔ آپ ﷺ نے یہ تحریر فرمایا کہ جو لوگ مسلمان ہو جائیں گے وہ حقوق و ذمہ داریوں میں ہماری طرح ہوں گے''۔ بحرین میں یہودیوں، نصرانیوں اور مجوسیوں کی آبادیاں بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے ان (غیر مسلموں) سے معمولی جزیہ پر صلح کر لی۔ (۴)

بحرین کے قبیلہ بکر بن وائل کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اسلام قبول کر کے اسلامی وفاق میں داخل ہوا۔ (۵) علاوہ ازیں قبیلہ بنو تمیم کے بڑے بڑے لوگ وفد کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ مآخذ نے اس وفد کی تعداد نوے کے قریب بتائی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے تالیف قلب کے لئے انہیں انعام و اکرام بھی عنایت کیا۔ (۶) بحرین میں ہی رہنے والے مشہور قبیلہ عبدالقیس کی طرف مکتوب کا تذکرہ مآخذ میں ملتا ہے۔ (۷) اس قبیلہ کے بعض افراد دائرہ اسلام میں داخل ہوئے عمومی طور پر اس قبیلہ نے اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کر لی

---

(۱) الہمدانی، حسن بن احمد بن یعقوب، صفۃ جزیرۃ العرب، ۲/۲۷۹، معجم البلدان: ۱/۳۴۷

(۲) ملاحظہ ہو، ڈاکٹر حمید اللہ کا مضمون ''عہد نبوی کے عربی ایرانی تعلقات'' معارف (مجلّہ) اعظم گڑھ ۱۹۴۲ء، ص: ۲۱/۵

(۳) فتوح البلدان، ص: ۸۷، ابن حزم، جمہرہ، ص: ۵-۲۳۲

(۴) فتوح البلدان، (م ن)، مجموعہ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر ۵۷ تا ۶۰

(۵) ابن سعد: ۱/۳۱۵

(۶) ابن ہشام: ۳-۴/۵۶۰، البکری، حسین بن محمد بن الحسن، تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس: ۲/۱۱۸-۱۱۹

(۷) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر: ۷۲

تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کے لئے تحریر کیا کہ یہ قبیلہ اللہ اور رسول ﷺ کی پناہ میں آجانے سے اسلام کے مواخذات سے بری قرار دیا جاتا ہے۔ اس قبیلہ کی دوسرے قبیلہ کے ساتھ بعض اموال و اجناس پر غالباً کوئی نہ کوئی رکاوٹ یا چپقلش رہتی تھی اس لیے نبی ﷺ نے گردونواح کے قبائل کے لیے لکھا کہ وہ ان کی فراہمی اجناس میں مانع نہ ہوں۔ بلکہ ان کے لئے خصوصاً زرعی تجارت کے دوران سہولت پیدا کریں۔ اہل بحرین کے لئے آپ ﷺ نے لکھا کہ اس قبیلہ (عبدالقیس) کے ساتھ تعدی و جنگ کرنے والوں کے خلاف قبیلہ مذکورہ کی نصرت کریں۔ (۱) علاوہ ازیں ان کے لئے چند مزید آسان شرائط رکھیں۔ چنانچہ اس قبیلہ نے اسلامی وفاق کے ساتھ شمولیت کو غنیمت سمجھا۔ مآخذ سے ثابت ہے کہ اس قبیلہ کے بہت سارے لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور فتح مکہ کے سال حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (۲)

اہل یمن کے لئے وثائق نبوی (تعارف واہمیت)

عرب کے جنوب میں یہ شہر انتہائی متمدن تصور کیا جاتا تھا۔ ایک اہم تجارتی مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ یہ سرسبز شاداب بھی تھا چنانچہ یہاں خوب زراعت ہوتی تھی۔ (۳)

یمن کی سرزمین پر عاد، عمالیق، اہل معین، سباء اور حمیر کی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ عہد نبوی میں یہاں اہل فارس کا قبضہ تھا۔ (۴) ظہور اسلام کے وقت کسرائے ایران کی طرف سے یمن پر باذان گورنر مقرر تھا۔ آپ ﷺ نے باذان کے لیے یہ پیغام دیا کہ تم (اہل یمن) مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری حکومت تمہارے سپرد ہی رہے گی۔ باذان نے جب یہ احوال سنے تو وہ اور دیگر رؤساءِ فارس (بنوالابناء) (۵) اسلام لے آئے۔ (۶)

یہ وہ دور تھا کہ ایران اپنی مد مقابل ایک بڑی قوت (روم) سے بری طرح شکست کھا چکا تھا۔ (۷) علاوہ ازیں

---

(۱) ایضاً

(۲) ابن سعد:۱/۲۱۲،۳۱۴

(۳) ابن حبیب، المحبر، ص:۲۶۴،۲۶۶، نیز فتوح البلدان، ''یمن''

(۴) الہمدانی، صفۃ جزیرۃ العرب، ص:۶۵۔ یاقوت، معجم البلدان:۵/۴۴۷

(۵) یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے یمن فتح کیا تھا، ابن حبیب، ص:۲۶۶، نیز دیکھیں ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، ص:۲۱۵

(۶) ابن سعد:۱/۲۶۰، الطبری،۲/۶۵۲

(۷) الروم:۱، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن:۳/۷۴۷

ایران کے بادشاہ کو قتل کر دیا گیا تھا۔(۱) اس سیاسی انارکی کی وجہ سے یمن پر ایران کا اثر کمزور پڑ گیا اور وہاں ایک وطنیت پسند تحریک کا آغاز بھی ہو گیا کہ مداخلت کنندہ ایرانی غیر ملکیوں کو یمن سے نکال باہر کیا جائے۔(۲)

نبی اکرم ﷺ نے اہل یمن کے لئے یہ احکام ارسال فرمائے کہ مسلمان ارکان اسلام کی بجا آوری کا اہتمام کریں۔ غیر مسلم یہودیوں کو زبردستی ان کے دین سے برگشتہ نہ کیا جائے۔ ملک بدر ہونے کا خطرہ رکھنے والے ایرانیوں (۳) (مجوسیوں) کے لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان سے فی بالغ مرد و عورت صرف ایک دینار جزیہ لیا جائے اور اگر یہ تابع رہیں تو ان کی جائیدادوں کی حفاظت اور ان کے مظلوموں کی دادرسی کی جائے گی۔ پرانے سربراہان یمن اسلام لانے کی صورت میں بدستور سربراہ رہیں گے۔(۴)

یمن کے حالات کے تناظر میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ان وثائق کی وجہ سے یمن کا داخلی ماحول تمام قبائل کے لیے پرسکون ہو گیا۔ خصوصاً یمن کے حکمرانوں باذان اور ان کے قبیلہ کے دوسرے افراد جنہیں اپنے خلاف مقامی قبائل کی تحریک کے نتیجے میں ملک بدر ہونے اور بادشاہی ختم ہونے کا اندیشہ تھا، آنحضرت ﷺ کے ان احکام کو دیکھتے ہوئے فوراً مسلمان ہو گئے۔

باذان کی بدستور سربراہی اور دیگر قبائل کے لئے نبی ﷺ کی طرف سے مراعات اور حقوق و فرائض میں عدل و مساوات کا چرچا جونہی دوسرے قبائل تک ہوا تو انہوں نے بھی اسلامی وفاق میں شامل ہونے کو غنیمت سمجھا۔ چنانچہ یمن اور اطراف یمن سے بکثرت وفود، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔(۵) مثلاً بنو اشعر جو کہ یمن کا نہایت اہم قبیلہ تھا، پچاس آدمیوں پر مشتمل وفد لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ اسی وفد میں مشہور صحابی رسول ابو موسیٰ اشعری بھی موجود

---

(۱) ابن سعد:۱/۲۶۰

(۲) الطبری، تاریخ الامم والملوک، ص:۱۹۹۰، نیز ملاحظہ ہو، ڈاکٹر حمید اللہ کا مضمون ''عہد نبوی کے عربی ایرانی تعلقات، معارف (مجلّہ) اعظم گڑھ، ۱۹۴۲ء، ج:۵، ص:۲۱

(۳) ایضاً، حوالہ بالا

(۴) ابن سعد:۱/۲۶۰، تاریخ الطبری:۲/۶۵۶، نیز الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۹

(۵) ملاحظہ ہو ابن سعد میں یمن و اطراف کے وفود، ص:۱/۳۲۱

تھے۔ مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ اس وفد میں قبیلہ عک کے بھی دو آدمی بطور وفد موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے بیعت کی اور اسلام قبول کر کے اسلامی وفاق میں شامل ہوئے۔(۱)

بنو ہمدان جس کے اکثر بطون یمن میں بھی آباد تھے(۲) کا وفد بھی بارگاہ نبوی میں پہنچا اور اسلامی وفاق میں شمولیت اختیار کر لی۔(۳) بنو ہمدان کے لیے نبی ﷺ نے وثائق بھی تحریر فرمائے۔ جن میں انہیں اسلامی احکام پر قائم رہنے کی تاکید کی۔ علاوہ ازیں احکام کی تفصیل بھی تحریر فرمائی۔ آپ ﷺ نے انہیں میں سے ان پر امیر مقرر فرمایا۔(۴) ان کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کی۔ غیر مسلموں کے لیے جزیہ کی ادائیگی رکھی گئی اور مذہب کے معاملہ میں انہیں آزادی دی گئی کہ انہیں جبراً مسلمان نہیں بنایا جائے گا۔(۵)

بنو مذحج کی اکثریت یمن میں آباد تھی۔(۶) یہ لوگ بھی وفد کی صورت میں حاضر ہو کر اسلامی وفاق میں داخل ہوئے۔ جب یہ وفد اپنی قوم کی طرف واپس ہوا تو پوری قوم دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔(۷)

بنو طے جو کہ یمن کا نہایت اہم قبیلہ تھا اس کے بطون شمالی نجد تک پھیلے ہوئے تھے۔(۸) ۹ھ میں وفد لے کر حاضر ہوا اور اسلامی وفاق میں شمولیت کا اعلان کیا۔(۹) بنو کندہ کی متعدد شاخیں بھی یمن اور حضرموت میں آباد تھیں۔(۱۰) یہ

---

(۱) اس وقت آنحضرت ﷺ سفر خیبر میں تھے اس حساب سے یہ قبیلہ ان ابتدائی یمنی قبائل میں سے تھا۔ جنہوں نے اسلامی وفاق کے ساتھ شمولیت اختیار کی۔ ابن سعد: ۱/ ۳۴۸

(۲) القلقشندی، صبح الاعشیٰ: ۱/ ۳۲۸

(۳) ابن سعد، ۱/ ۳۴۰، ۳۴۱، ابن ہشام، ج ۳، ۴، ص: ۵۹۶، نیز ملاحظہ ہو الکتانی، عبدالحی، التراتیب الاداریة: ۱/ ۲۴۴

(۴) مجموعہ الوثائق السیاسیة، وثیقہ نمبر ۱۱۲

(۵) البکری ابی عبید عبداللہ، معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع: ۱/ ۴۰

(۶) ابن سعد: ۱/ ۳۴۴

(۷) معجم ما استعجم: (م ن) ۱/ ۱۰۹

(۸) ابن ہشام: ۲/ ۵۷۷، ابن سعد: ۱/ ۳۲۱

(۹) القلقشندی، صبح الاعشیٰ: ۱/ ۳۲۸

(۱۰) ابن سعد: ۱/ ۳۲۸

لوگ بھی بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے اور اسلامی ریاست کی بالا دستی قبول کی۔(۱) یمن کے قریب میں شاہانِ حضر موت کے وفد نے بھی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر اسلامی وفاق میں شمولیت اختیار کی۔(۲)

یمن کے اثرات نجران تک پھیل گئے چنانچہ یمن اور اردگرد کے حالات واحوال کو دیکھتے ہوئے نجران کا ایک اہم قبیلہ بنو حارث بن کعب بھی ۱۰ھ میں اسلامی ریاست کی بالا دستی قبول کرنے پر تیار ہوگیا اور اسلام قبول کیا۔آنحضرت ﷺ نے انہیں میں سے قیس بن الحصین کو سربراہ مقرر فرمایا۔(۳)

شاہان حمیر نے بھی اپنا وفد (رجب ۹ھ) غزوہ تبوک کے بعد بھیجا اور اپنی وفاداری اور اطاعت کا اقرار کیا اور کہا کہ ہم اب مشرکین سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور ان لوگوں سے اس کے بعد اب ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہوگا۔رسول اللہ ﷺ نے انہیں جو وثیقہ عنایت فرمایا ابن ہشام نے اپنی کتاب میں تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے۔اس میں انہیں اسلامی احکام پر چلنے کا حکم دیا گیا۔''نصاریٰ کے لیے لکھا کہ انہیں ایک دینار فی کس یا اس کی قیمت یا کپڑے وغیرہ، جزیہ دینا ہوگا''۔اس پر وہ بھی اللہ ورسول کی ذمہ داری میں آجائیں گے۔(۴)

باجگذارانِ روم سے معاہدات:

رومیوں نے اپنے مدمقابل کی بڑی قوت (فارس) کو نینوا کے مقام پر شکست فاش دی تھی۔(۵) روم کے اثرات جہاں اور بہت پھیلے ہوئے تھے وہاں عرب کے کئی سرحدی علاقے، مثلاً دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا اور اذرح وغیرہ بھی ان کے باجگذاروں میں شامل ہو گئے تھے۔یہاں قرب وجوار میں بسنے والے اکثر قبائل مثلاً بنو تغلب، لخم، جذام، بلی اور بہراء وغیرہ ان ہی کے جھنڈے تلے اکٹھے ہوتے تھے۔ان میں سے اکثر قبائل نے رومیوں کے ساتھ مل کر غزوۂ موتہ میں مسلمانوں کو نقصان بھی پہنچایا تھا۔(۶)

---

(۱) ابن سعد:۱/۳۴۹

(۲) ابن سعد:(م ن) نیز ابن ہشام:۳،۴/۵۹۲

(۳) ابن ہشام:۴/۲۳۹،ابن سعد:۱/۲۳۹،۲۴۰

(۴) ابن ہشام:۴/۲۳۵

(۵) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، مودودی، تفہیم القرآن:۳/۲۷

(۶) ابن ہشام:۴/۱۶، نیز دیکھیں رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۹۰

۹ھ میں نبی اکرم ﷺ نے تیس ہزار کا لشکر لے کر تبوک میں پڑاؤ ڈالا اور وہاں سے قیصر روم کو خط لکھا کہ یا تو اسلام لے آؤ یا جزیہ دو وگرنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ قیصر روم، مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کی ہمت نہ کر سکا۔(۱) چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور رومیوں کے زیر اثر علاقوں، دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا، جرباء اور اذرح وغیرہ کے سرحدی علاقوں کو مطیع کر لیا اور ان سے صلح و امان کے معاہدات کئے۔

۱۔ دومۃ الجندل:

دومۃ الجندل حجاز سے شام اور عراق جانے والے تجارتی راستوں کا مقام اتصال (Junction) تھا۔ عرب تاجروں کے لئے یہ ایک اہم مقام تھا۔(۲) ۵ ہجری سے ہی آپ ﷺ نے اس علاقے پر اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کر دیا تھا۔(۳) تبوک کی مہم کے دوران نبی اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو یہاں کے حکمران ''اکیدر'' کی گرفتاری کے لیے بھیجا۔ خالد بن ولید نے اسے گرفتار کر کے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے اسلامی ریاست کی بالا دستی کو قبول کر لیا۔(۴)

آنحضرت ﷺ نے جزیہ اور دیگر آسان شرائط پر اس کے ساتھ صلح کر لی اور اسی کو وہاں کی سرداری پر بحال رکھا۔

---

(۱) یعقوبی کا بیان ہے کہ قیصر روم نے اسلام کا اعلان کر دیا تھا۔ یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ۲/۸۴، یعقوبی کا یہ بیان درست معلوم نہیں ہوتا ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۱۹۸، نیز ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ ۵۵۰

(۲) القلقشندی، صبح الاعشیٰ: ۴/۲۹۲، نیز مسعودی، ابوالحسن بن علی بن حسین التنبیہ والاشراف، ص: ۲۱۵

(۳) ملاحظہ ہو ۵ھ میں سریۃ دومۃ الجندل اور ۶ھ میں عبدالرحمٰن ابن عوف کے ذریعے بنو کلب کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کے واقعات، مسعودی، التنبیہ والاشراف، ص: ۲۱۵، نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، ۲/۶۲، علاوہ ازیں بنو کلب کے کئی سرداروں اور دیگر لوگوں کا اسلام لانا اور غیر مسلموں کا اسلامی ریاست کو جزیہ دے کر صلح کرنا، ابن سعد: ۲/۸۹

(۴) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس قبیلہ کے کسی حلیف نے ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف آواز نہیں اٹھائی۔ (ابن ہشام: ۲/ ۵۲۶) حتیٰ کہ بنو کلب کے کسی نے بھی نہیں، حالانکہ وہ دومۃ الجندل کے گرفتار ہونے والے حاکم ''اکیدر'' کے قریبی رشتہ دار بھی تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان پر مسلمانوں نے پہلے سے اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا تھا اور ان سے حلیفی کے تعلقات بنا لئے تھے۔ (البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۶۳)

اس طرح دومۃ الجندل کا علاقہ اسلامی ریاست میں شامل ہو گیا۔(۱)

ایلہ:

ایلہ، بحیرۂ قلزم کے ساحل پر شام کے قریب حجاز کی آخری حد تھی۔غزوہ تبوک کے سفر میں یہاں کا حاکم یحنہ بن روبہ، نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جزیہ دینا قبول کیا۔(۲) اہل ایلہ کو بہت سی تجارتی سہولتیں دی گئیں، آزادانہ تجارت کی اجازت دی گئی' ان کی حفاظت کی ذمہ داری بھی قبول کی گئی اس طرح انہوں نے بخوشی اسلامی ریاست کی بالادستی کو قبول کر لیا۔(۳)

مقنا:

ایلہ کے قریب واقع اس بستی کی آبادی میں اکثریت یہودیوں کی تھی۔(۴) یہاں کے اکثر یا کچھ یہودیوں کو ایلہ کے عیسائی حکمران نے ملک بدر کیا ہوا تھا۔تبوک کے موقع پر اہل مقنا اور بنو جنبہ وغیرہ کے لوگ صلح کی درخواست کے ساتھ حاضر ہوئے۔آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے امان نامہ لکھوایا کہ ان پر مذہب کے معاملہ میں زبردستی نہیں کی جائے گی۔ اہل مقنا سے احسان کرنے والوں کے ساتھ احسان کیا جائے گا۔اہل مقنا سے برائی کرنے والوں سے بدلہ لیا جائے گا۔(۵)

---

(۱) ابن سعد: ۱/ ۲۸۸، نیز البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۶۱، تا ۶۳، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مجموعہ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر ۱۹۰ تا ۱۹۲

(۲) ابن ہشام: ۳۔۴/ ۵۲۵، نیز بلاذری، فتوح البلدان، ص: ۵۹، ابن عساکر نے لکھا ہے کہ بحری مہم بھی (بسلسلہ غزوہ موتہ) ایلہ بھیجی گئی تھی۔بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: ۱۹۸

(۳) ابن ہشام: ۳۔۴/ ۵۲۵۔۵۲۶، نیز بلاذری، فتوح البلدان، ص: ۵۹، زادالمعاد: ۳/ ۶۳۹ نیز ملاحظہ ہو الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۲۹۔۳۰

(۴) البلاذری، (م ن) ص: ۶۰، نیز یاقوت، ۵/ ۱۷۸

(۵) ابن سعد: (م ن)، ۱/ ۲۹۰، البلاذری، (م ن)، ص: ۶۰، نیز الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۳۳

ان مراعات کے ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ نے یہاں کے جلا وطن شدہ باشندوں کو ان کے اصل علاقے میں بھیجنے اور آباد کرنے کا بندوبست بھی فرمایا۔(۱) اس سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے ایلہ کے حاکم کو لکھا کہ اہل مقنا کے ساتھ ان کے وطن جانے کے لئے اعانت کی جائے۔(۲) یہاں کے دوسرے یہود کے لئے بھی نبی ﷺ کی طرف سے امان ناموں میں ان کے گھروں میں دوبارہ آباد ہونے کا تذکرہ نظر آتا ہے۔(۳)

جرباء واذرُح:

یہ دونوں بستیاں شام کی حدود میں مقنا کے قریب واقع تھیں۔(۴) یہاں بھی یہودیوں کی مختصراً آبادیاں تھیں تبوک کے موقع پر انہوں نے بھی صلح کرنا چاہی تو نبی اکرم ﷺ نے ان سے اسلامی ریاست کے ساتھ وفاداری اور معمولی جزیہ کے عوض میں صلح کر لی۔(۵)

اہل نجران سے معاہدہ (تعارف)

نجران یمن کے شمال مشرق میں واقع ایک زرخیز علاقہ تھا یہاں قبیلہ ہمدان کے عیسائی عرب آباد تھے۔ یہ جزیرۃ العرب میں عیسائیت کا سب سے مضبوط اور بڑا مرکز تھا۔(۶) یہودی بادشاہ ذونواس نے انہیں یہودیت کی طرف دعوت دی

---

(۱) البلاذری، (م ن)، ص:۶۰

(۲) ملاحظہ ہو ایلہ کے ساتھ معاہدے کا آخری فقرہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۳۰

(۳) یہ آبادیاں روم (بیزنطین) کے زیر اثر تھیں اس لئے یہاں عیسائیوں کا اثر ورسوخ زیادہ تھا عیسائیوں اور یہودیوں کی باہمی دشمنی کوئی نئی بات نہ تھی۔ ممکن ہے کہ یہاں کے یہود کو تنگ کرنے اور انہیں جلا وطن کرنے میں عیسائیوں کا ہاتھ ہو۔ نیز الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۳۳۔۳۴

(۴) یاقوت: (م ن)، ۳/۱۱۸، ۱/۱۲۹

(۵) ابن سعد: ۱/ ۲۸۹۔۲۹۰، البلاذری، فتوح البلدان، ص:۵۹، زاد المعاد: ۳/۶۳۹، نیز ملاحظہ ہو الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۳۲

(۶) ابن ہشام: ۱/۳۲، ۳۴ - ابن سعد ۴/ ۷۴

ان کے نہ ماننے پر اس نے انہیں آگ کے گڑھوں میں جھونک کر بے رحمی سے قتل کیا۔(۱) قیصر روم اور نجاشی حبش نے ان کی مدد کی اور ذونواس بادشاہ سے جنگ کی جس کے نتیجہ میں ذونواس مارا گیا۔(۲)

نجران میں دو فریق تھے۔ایک بنی الحارث تھے، یہ بت پرست تھے' ان کا شمار نجران کے معززین میں ہوتا تھا اور یہ حضرت خالد بن ولید کی دعوت پر اسلام لے آئے۔آپ ﷺ نے ان پر انہی میں سے قیس بن حصین کو امیر مقرر فرمایا اور صدقات کے بارے میں احکام لکھوا کر مرحمت فرمائے۔(۳)

نجران کا دوسرا فریق وہاں کے عیسائی تھے ان کا وفد بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔(۴) اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے جن میں چودہ ان کے اشراف اور سربرآوردہ شخصیات تھیں۔(۵) اس قافلہ میں ان کا بشپ ابو حارثہ بن علقمہ بھی شامل تھا۔ یہ وفد بڑی شان وشوکت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا۔مسجد نبوی میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی جب ان کی عبادت کا وقت ہوا تو انہوں نے آپ ﷺ کی اجازت کے ساتھ مسجد نبوی میں ہی عبادت کی اور مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔(۶) مختلف موضوعات بالخصوص حضرت عیسیٰؑ پر انہوں نے آپ ﷺ سے گفتگو کی (۷) آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم تو پہلے ہی مسلمان ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم مسلمان نہیں کیونکہ تم اللہ کا بیٹا مانتے ہو'صلیب کی عبادت کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو جبکہ اسلام میں ان کی ممانعت ہے۔ جب بات بڑھ گئی تو آخر کار

---

(۱) بعض علماء کے مطابق قرآن مجید میں ﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ﴾ البروج:۴ میں اسی کی طرف اشارہ ہے، ملاحظہ ہو ابن ہشام:۱/۳۷، الزرقانی شرح مواہب:۴/۴۱

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ:۱/۳۵، ۳۷، الطبری:۹۲۶، السہیلی:۱/۱۹۶

(۳) الزرقانی، شرح مواہب:۴/۳۳، نیز ملاحظہ ہوں، ابن ہشام:۴/۲۴۰، ۲۴۱، ابن قیم، زادالمعاد:۳/۶۷۷

(۴) ابن ہشام:۱/۵۷۳، زادالمعاد (م ن):۳/۶۸۰، ۶۸۹

(۵) ابن سعد:۱/۳۵۷ فتح الباری، باب مناقب ابی عبید:۷/۷۴

(۶) زادالمعاد:۳/۶۸۵

(۷) اس مباحثہ کی مکمل تفصیل کے لیے دیکھیں، السیوطی، جلال الدین، الدرالمنثور فی التفسیر الماثور:۲/۳

قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں جن میں انہیں مباہلہ کی دعوت دی گئی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

﴿ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَاللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ○ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَآءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ قف ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ○﴾(۱)

''اللہ کے نزدیک عیسٰی علیہ السلام کی مثال ہو بہو آدم کی مثال ہے جسے مٹی سے بنا کر کہہ دیا کہ ہو جا! پس وہ ہو گیا۔ تیرے رب کی طرف سے حق یہی ہے خبردار شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ اس لئے جو شخص آپ کے پاس اس علم کے آ جانے کے بعد بھی آپ سے اس میں جھگڑے تو آپ کہہ دیں کہ آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں کو اور ہم تم اپنی اپنی عورتوں کو اور ہم تم خاص اپنی اپنی جانوں کو بلا لیں۔ پھر ہم عاجزی کے ساتھ التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں''۔

دعوت مباہلہ سے نصاریٰ گھبرائے اور باہم مشورہ کیا اور مباہلہ کے بجائے اسلامی ریاست کی بالادستی کو قبول کرنا ہی بہتر سمجھا۔ چنانچہ ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر لیا گیا۔ اس معاہدہ کے تحت انہیں اپنے انتظامی اور مذہبی معاملات میں آزادی دی گئی۔ البتہ ان پر سودی قرض کے لین دین پر پابندی لگائی گئی۔(۲)

باجگذار ان روم سے معاہدات نبوی کے مزید نتائج بھی سامنے آئے مثلاً ان قبائل کے ساتھ مناسب رویہ، ان کے حقوق کی حفاظت اور معاہدین کی قدر دانی کو دیکھتے ہوئے اردگرد کے دوسرے قبائل بھی اسلامی ریاست کی

---

(۱) آل عمران: ۵۹، ۶۰، ۶۱

(۲) زادالمعاد: ۳/۶۸۰۔۶۸۵

طرف راغب ہوئے۔(۱)ان میں مشہور قبیلہ غسان بھی شامل تھا۔ جو بیزنطین کا پکا وفادار تھا۔(۲) اس قبیلہ کے چند لوگ کچھ ہی عرصہ بعد رمضان ۱۰ھ میں مدینہ آئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ (۳) علاوہ ازیں غسان کے ایک قبیلہ بنی ثعلبہ کی طرف بھی مکتوب نبوی کا تذکرہ ملتا ہے۔(۴) ان کے کچھ لوگ تو پہلے سے ہی اسلامی وفاق کے ساتھ شامل ہونے پر تیار ہو گئے تھے چنانچہ ۸ ھجری میں ان کا وفد مدینہ حاضر ہو چکا تھا۔(۵)

اسی طرح بیزنطین کے وفادار دیگر قبائل، قبیلہ لخم، بنو بلی، قبیلہ داری اور بنو تغلب کی طرف مکاتیب کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔(۶) ان قبائل میں بنو بلی کے وفد کا تذکرہ ۹ ھ میں تبوک سے قبل ہی ملتا ہے۔ علاوہ ازیں شام کے قریب سے قبیلہ داری کا وفد اس وقت حاضر ہوا جب آپ ﷺ تبوک سے واپس لوٹ گئے تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر اسلامی وفاق میں شامل ہوئے۔ اسی طرح بنو تغلب کا وفد بھی جس میں کچھ مسلمان اور کچھ نصاریٰ تھے حاضر ہوئے اور اسلامی وفاق میں شامل ہوئے۔(۷)

---

(۱) ابن سعد: ۱/ ۳۳۸

(۲) ابن حبیب: ۳۷۰، ۳۷۱، ان سے متعلق مکتوب نبوی ملاحظہ ہو، الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۳۷

(۳) ابن سعد: ۱/ ۳۳۸

(۴) الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۴۰

(۵) ابن سعد: ۱/ ۲۹۸، ۱/ ۳۳۰

(۶) ابن سعد: ۱/ ۳۱۶، ۳۳۰، الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۴۱، ۴۸، ۴۳

(۷) ابن سعد: ۱/ ۳۱۶، ۳۳۰، ۳۴۳

فقہی نکات

☆ دو یا دو زائد فریقوں کے درمیان طے ہونے معاملہ کو معاہدہ کہا جاتا ہے۔

☆ جدید قانون بین الممالک کے مطابق دو یا زائد ریاستوں کے درمیان قرار پانے والے میثاق کو معاہدہ کہا جاتا ہے۔ تاہم اس میثاق کا بین الاقوامی قانون کے موافق ہونا ضروری ہے۔

☆ فقہاء اسلام کے نزدیک افراد، قبائل اور ریاستوں، ہر تینوں کے درمیان ہونے والے اتفاقیہ کو ''معاہدہ'' کہا جاسکتا ہے۔

☆ شریعت اسلامی میں معاہدہ کی پابندی کرنا نہایت ضروری ہے۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ طے ہونے والا دائمی معاہدے کا نقض اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ فریق مخالف کی طرف سے عہد شکنی نہ ہو۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ مؤقت معاہدے کو ختم کیا جاسکتا ہے، لیکن نقض معاہدہ سے قبل انہیں مطلع کرنا ضروری ہے۔

☆ ایک مسلمان فرد انفرادی طور پر کسی فرد یا مختصر جماعت کو جنگ میں امان دے سکتا ہے۔

☆ بڑے گروہ یا جماعت کو امان دینے کا اختیار صرف سربراہ مملکت یا اس کے مقرر کردہ نمائندوں کو حاصل ہے۔

☆ مصلحت مسلمین کے تحت غیر مسلموں کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ شریعت اسلامیہ سے متصادم شرائط کی بنیاد پر معاہدہ کرنا جائز نہیں۔

☆ آپ ﷺ نے غیر مسلموں سے تجارتی، دفاعی، جنگ بندی حلیفی و صلح، غیر جانبداری و بقاء باہمی اور امان کے معاہدات فرمائے۔

باب ثانی

میثاق مدینہ کا فقہی مطالعہ

میثاق مدینہ (ترجمہ لغوی ومختصر فقہی توضیحات)

ہجرت مدینہ کے بعد مدنی معاشرہ کو صحیح معنوں میں ایک بین الاقوامی معاشرہ کہا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ نے اس معاشرے میں رہنے والے مختلف ادیان کے پیروکاروں اور مشرکین کو ایک دستور کا پابند فرمایا، جس کو میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔ اس میثاق کا متن اور فقہی بحث حسب ذیل ہے:

میثاق مدینہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱۔ یہ ایک دستاویز ہے نبی اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کا قریش اور اہل یثرب میں سے ایمان اور اسلام لانے والوں اور ان لوگوں کے مابین جو ان کے تابع ہوں اور ان کے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔

۲۔ وہ دوسرے تمام لوگوں سے علیحدہ ایک وحدت (امت) ہیں۔(۱)

۳۔ قریش سے ہجرت کر کے آنے والے اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے۔ اور اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے، اور اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائیں گے تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔(۲)

---

(۱) وحدت دراصل لفظ ''امة'' کا ترجمہ ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۸۶،۸۷

(۲) (i) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ''ربعتھم'' کا ترجمہ ''اپنے محلے'' کیا ہے۔ عربی میں ''ربعة'' قوم، جماعت، محلّہ اور سردار وغیرہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ سہیلی نے ابوعبید کے حوالہ سے اس کے معنی سردار، قوم کے رہنما اور نقیب کے کئے ہیں، لکھتے ہیں: کہ راء کی کسرہ کے ساتھ ہونا چاہیے کیونکہ یہ ولایت کے معنی میں ہے۔ اس طرح اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان سرداروں پر لازم ہے کہ وہ سابقہ دستور کے مطابق خون بہا لیں۔ ملاحظہ ہو، السہیلی، عبدالرحمٰن، الروض الانف: ۴/۲۹۳

(ii) انصار کا ذکر الگ الگ ان کے قبائل کے حوالے سے کیا گیا جبکہ جملہ مہاجرین کو ایک قبیلہ قرار دیا گیا۔ انتظامی ضرورت اور معاشرتی تحفظ کے نظام کو قائم کرنے کے لئے ایسا کیا گیا نہ کہ قبائلی عصبیت کی بنا پر۔ قبائلی عصبیت کے متعلق اسلامی اصول یہ ہے کہ ''جو شخص عصبیت کی حمایت کرے گا وہ ہم میں سے نہیں'' (ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، حدیث نمبر (۵۱۱۹،۱۵۲۱)

(ii) تمام معاہدین (بشمول تمام مسلمانوں کے) کو اپنے فدیہ کے معاملہ میں اختیار دیا گیا تا کہ وہ اپنے پرانے نظام کے تحت ہی دیت وفدیہ ادا کریں۔ اس طرح سماجی تحفظ کے اس پرانے نظام کی تائید کی گئی۔ سیرۃ شامی میں

۴۔ اور بنی عوف اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے۔ اور حسبِ سابق اپنے اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے۔ اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔(۱)

۵۔ اور بنی الحارث بن خزرج (۲) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے۔ اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے۔ اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۶۔ اور بنی ساعدہ (۳) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے۔ اور حسبِ سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے۔ اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

------ ہے کہ بنو النضیر کے یہودیوں میں قبیلہ وار فنڈ کا اہتمام موجود تھا اور اس کا ایک مہتمم بھی مقرر تھا۔ اتفاقی حادثات اور ضروریات کے وقت اس فنڈ سے کام لیا جاتا تھا۔ معاہدہ کی دفعات اس طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ دیگر قبائل کے ہاں بھی اس طرح کا کوئی انتظام موجود تھا (سیرۃ شامی، غروہ سویق)

(۱) (i) بنوعوف سے مراد بنوعوف بن عمرو ہیں۔ و هم بطنان، بطن من الاوس و بطن من الخزرج من الازد القلقشندی، احمد بن علی، نهاية الارب فی معرفة انساب العرب، ۳۴۲

(ii) ہر جے اور خون بہا (ضمان و دیت) کی ادائیگی کے لئے قدیم نظام کی توثیق کی گئی جس کے مطابق اگر کوئی آدمی رقمی ادائیگی کا مستوجب ہو تو سب رشتہ دار مل کر اس کی مدد کریں گے اور اگر کوئی شخص دشمن کی قید میں آ جائے اور فدیہ ادا کرنا ہو تو اس کے اہل قبیلہ ہی اس ادائیگی کے ذمہ دار ہوں گے۔ البتہ اس سلسلہ میں معروف کے لفظ کے ساتھ یہ اشارہ بھی دیا گیا کہ یہ طریقہ عرف میں مقبول بھی ہو اور کسی طرف سے زیادتی بھی نہ کی جائے۔ نہ مطالبہ میں نہ ادائیگی میں۔

(۲) بنی الحارث بن خزرج: قبیلہ خزرج کی ایک شاخ ہے۔ ان میں معروف صحابی براء بن عازب اور بشیر بن عبداللہ ہیں۔ (القلقشندی (م ن) ص: ۵۵

(۳) بنو ساعدہ: اس سے مراد بنو ساعدہ بن کعب ہیں جو کہ خزرج کا ایک بطن ہے ان میں معروف صحابی سعد بن عبادۃ گزرے ہیں جو کہ سید الخزرج تھے۔ (القلقشندی، (م ن) (۲۵۸)

۷۔ بنوجشم (۱) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۸۔ بنوالنجار (۲) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۹۔ اور بنی عمرو بن عوف (۳) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۰۔ اور بنی النبیت (۴) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

۱۱۔ اور بنی الاوس (۵) اپنے محلے پر (ذمہ دار) ہوں گے اور حسب سابق اپنے خون بہا باہم مل کر دیا کریں گے اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا۔ تا کہ ایمان والوں کا باہمی برتاؤ نیکی اور انصاف کا ہو۔

---

(۱) بنوجُشم خزرج کا ایک خاندان ہے۔ (القلقشندی (م ن) ص: ۱۹۸)

(۲) بنوالنجار خزرج کا ایک خاندان ہے (القلقشندی (م ن) ص: ۷۹

(۳) بنی عمرو بن عوف خزرج کا خاندان ہے۔ القلقشندی (م ن) ص: ۳۳۵

(۴) بنوالنبیت، یعنی بنوالنبیت بن مالک بن الاوس۔ (القلقشندی (م ن) ص: ۷۹

(۵) بنوالاوس: یہ بنوالاوس بن حارثہ بن ثعلبۃ ہیں جو کہ مدینہ کا معروف اور کثیر البطون قبیلہ تھا۔ (القلقشندی (م ن) ص: ۷۹

۱۲۔ الف۔ اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیئے بغیر چھوڑ نہ دیں گے۔ کہ ہمدردی کے ساتھ اس کا فدیہ و دیت ادا نہ کریں۔(۱)

ب۔ اور یہ کہ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کے مولا (معاہداتی بھائی) سے خود معاہدہ برداری نہیں پیدا کرے گا۔(۲)

---

(۱) رسول اللہ ﷺ نے شہر کو محلہ وار مجالس میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر مجلس اپنے محلہ کے افراد کی مدد کرنے کی پابند تھی (شق نمبر ۳ تا ۱۱) کمزور، مفلس، مقروض افراد کے حقوق: اس شق سے گزشتہ شقوں کی وضاحت کر دی گئی کہ اگر کوئی محلہ وار مجلس اپنے اہل محلہ کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے قابل نہ ہو تو دیگر مسلم قبائل اور مجالس ان کے ساتھ مدد کرنے کی پابند ہوں گی۔ (محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۹۰) یہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مسلمان معاشرے میں کمزور، مقروض، بے مایہ و مفلس افراد کی ہر صورت میں مدد کی جائے گی اگر ان کی مدد کی کوئی اور صورت نہ بنے اور انہیں کوئی رقم یعنی دیت وغیرہ دینی پڑ جائے تو حکومت ان کی مدد کرے گی یعنی بیت المال سے ادائیگی کی جائے گی کیونکہ ان کا کوئی قبیلہ نہیں ہے جو ان کی مدد کر سکے۔ ابو عبید مقروض اور تاوان رسیدہ لوگوں کے لئے مصارف زکوٰۃ کے ضمن میں مخصوص حصہ دینے کا ذکر کرتے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۱۸۴۸، لسان العرب، نے بھی ''مفرح'' کی شرح کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو مادۃ ''فرح'')

(۲) (i) جاہلی دور کی حلیفی: اس سے مراد جاہلی دور میں رائج وہ معروف عقد حلیفی ہے جس کے تحت اجنبیوں کو معاہدے کے ذریعہ سے مولا یعنی فرد خاندان بنایا جاتا تھا۔ حلیفی کرنے والے یہ افراد اسی قوم/قبیلہ سے پہچانے جاتے تھے اور ان پر انہیں کے قوانین لاگو ہوتے تھے جس سے وہ معاہدہ برادری کرتے تھے لیکن اصل کی بنسبت ان کے حقوق کچھ کم ہوتے تھے۔ مثلاً یہ کسی کو از خود اپنی پناہ میں نہیں لے سکتے تھے۔ (السیرۃ النبویۃ، ابن ھشام ۲۴۳۔۲۴۶ نیز الاصبہانی، أبو الفرج علی بن الحسین، کتاب الاغانی، ۱۴/۹۹۔ آپ ﷺ نے بھی اس عرب رواج کو باقی رکھا اور صراحت سے بتا دیا کہ اگر کسی قبیلے میں کوئی موالی ہوں یعنی کسی فرد قبیلہ سے قانونی اور معاہداتی بھائی چارہ کر کے اس قبیلے کے رکن بنے ہوں تو ایسے موالی کو اپنے اصل سے اختلاف کا حق نہ ہوگا (محمد حمید اللہ۔ عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۹۰)

(ii) اس کے یہ معنی بھی نکلتے ہیں کہ کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کے آزاد کردہ شخص کے ساتھ اس (اصل) کے خلاف حلیف کے طور پر تعلق نہیں رکھے گا۔

۱۳۔ اور متقی ایمان والوں (۱) کے ہاتھ ہر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال (۲) بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے، یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ہاتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے، خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۱۴۔ اور کوئی ایمان والا غیر مسلم کی خاطر کسی ایمان والے کو قتل نہیں کرے گا۔ اور نہ کسی کافر کی کسی ایمان والے کے خلاف مدد کرے گا۔ (۳)

---

(۱) متقین کو خاص طور پر اس لیے ذمہ دار ٹھہرایا گیا کہ نفاذ شریعت کے معاملے میں وہ عام لوگوں سے زیادہ مستعد ہوتے ہیں اور کامل ایمان والے ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس طرح کمزور ایمان والوں کو گناہ کا ارتکاب کر کے مقررہ حدود کو پار کرنے سے روکا جا سکے (الزرقانی، محمد بن عبدالباقی، شرح علی المواھب اللدنیۃ ۴/ ۱۶۸)

(۲) (i) قانونی مساوات: ''دسیعۃ'' سے دفع ظلم مراد ہے۔ دفعہ ہذا کی رو سے ظالم کی مخالفت اور مظلوم کی حمایت لازمی قرار دی گئی۔ مظلوم اگر چہ کسی بھی فرد کا حقیقی بیٹا ہی کیوں نہ ہو اس کو بچانے کے لئے تگ و دو کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔

(ii) اس دفعہ (نیز دفعہ نمبر ا۔۲۲ وغیرہ) کے ذریعہ رسول اللہ نے سیاست میں عظیم الشان اخلاقی اصول کو شامل فرمایا جس کے مطابق اصل سرچشمہ اقتدار، اللہ کی ذات کو قرار دیا اور پھر قانون کی نظر میں امتیازات کو ختم کر کے سب کو مساوی کر دیا نیز قانون پر عمل داری کو مساوی طور پر واجب التعمیل قرار دیا۔ چنانچہ آپؐ نے ارشاد فرمایا ''وایم اللہ لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها'' بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب کراھیۃ الشفاعۃ فی الحد (حدیث نمبر ۶۷۸۸) مسلم۔ کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف...... (حدیث نمبر ۱۶۸۸)

(۳) اس شق سے شریعت اسلامی میں بظاہر انسانی خون میں عدم مساوات کا شبہ ہوتا ہے جو کہ درحقیقت درست نہیں ہے۔ میثاق مدینہ کی اس دفعہ کا پس منظر یہ ہے کہ قریش مکہ اور مسلمانوں کے مابین خون ریز معرکے جاری تھے یہ لوگ مہاجرین کے بھائی بند تھے۔ قریش سے ہونے والی چھاپہ مار جنگوں میں دونوں طرف ہونے والے جانی نقصان سے خونی رشتوں کی بناء پر بعض دفعہ غیرت وحمیت کے جذبات برانگیختہ ہو جاتے تھے۔ یہی وہ چیز تھی جس کی بناء پر عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ دربارِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ آپ میرے والد کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، مجھے حکم دیجئے کہ میں اس کا سر آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں۔ خدا کی قسم قبیلہ خزرج یہ بات بخوبی جانتا ہے کہ میں اپنے والد سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ آپ کسی کو اس کے قتل کا حکم دیں گے وہ اسے قتل کر دے گا اور پھر

۱۵۔ اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے ان (مسلمانوں میں) کا ادنیٰ ترین فرد بھی کسی کو پناہ دے کر سب پر پابندی عائد کر سکے گا (۱) اور (ساری دنیا کے) لوگوں کے مقابل ایمان والے باہم بھائی ہیں۔

۱۶۔ اور یہ کہ یہودیوں (۲) میں سے جو ہماری اتباع کرے گا تو اسے مدد اور مساوات حاصل ہو گی۔ نہ ان پر ظلم

میں اپنے والد کے قاتل کو اپنی نظروں کے سامنے چلتا پھرتا نہ دیکھ سکوں گا اور اس طرح کسی مومن کو قتل کر کے آگ کی سزا کا سزاوار ٹھہر جاؤں گا۔ (ابن حجر، فتح الباری: ۸/۶۵۰، نیز ابن ہشام: ۳/۳۳۷)

میثاق کی یہ شق انہی حالات کے پیش نظر لائی گئی تا کہ خونی غیرت وحمیت کی بنا پر اہل ایمان میں تنازعات کھڑے نہ ہوں اور (بقول ڈاکٹر حمید اللہ) مسلمانوں کے لئے یہ اصول رکھا گیا کہ اگر ان کا کوئی غیر مسلم رشتہ دار کسی مسلمان کے ہاتھوں مارا جائے تو قصاص پر اصرار نہ کریں اور کسی مسلمان کے خلاف کسی غیر مسلم کی مدد نہ کریں۔ (محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۹۰)

(۱) اس شق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان کسی کو بھی پناہ دے سکتا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ غالباً اسی سے غلط فہمی کی بنا پر غزوۂ بدر سے قبل دو مسلمان شخصیات نے بعض قریشی افراد سے دوستانہ تعلقات کی بنا پر ان کی جائیداد کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا، دونوں واقعات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، (البخاری، کتاب الوکالۃ، باب اذا وکل المسلم حربیاً فی دار الحرب أوفی دار الاسلام، حدیث نمبر (۲۳۹۱) نیز کتاب المغازی، باب ذکر النبی ﷺ من یُقتَلُ ببدر، حدیث نمبر (۳۹۵۰) مزید ملاحظہ ہو، (عہد نبوی کا نظام حکمرانی، ۸۹)

(۲) (i) انصار میں سے بعض والدین منت مان کر اپنے بچوں کو یہودی بنا دیتے تھے وہ اس طرح کہ اگر بچہ زندہ رہا تو اسے یہودی بنائیں گے۔ اس کے علاوہ دیگر بعض افراد بھی یہودی مذہب اختیار کیے ہوئے تھے۔ ایسے افراد کے متعلق یہ خصوصی دفعہ رکھی گئی کہ اگر وہ ماتحتانہ اتحاد عمل پر آمادہ ہوں تو انہیں سب مسلمانوں کے برابر حقوق رعیت حاصل ہوں گے۔ (انصار کا اپنے بچوں کو یہودی بنانے کے لئے ملاحظہ ہو (ابو داؤد کتاب الجہاد، باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام حدیث نمبر ۲۶۸۲، نیز عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۹۱) مزید ملاحظہ ہو، الیعقوبی (م ن) ص: ۱/۲۵۷، آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب: ۲/۲۴۱)

(ii) اس دفعہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا یہودی اس موقع پر وہاں موجود نہ تھے۔ اس سے اسلام کے اصول سیاست میں اخلاق کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے سیاسی نظام میں کسی دھوکے اور پس پشت دشمنی کرنے کا کوئی تصور نہیں۔

کیا جائے گا اور نہ اس کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۱۷۔ اور ایمان والوں کی صلح ایک ہی ہو گی۔ اللہ کی راہ میں لڑائی ہو تو کوئی ایمان والا کسی دوسرے ایمان والے کو چھوڑ کر (دشمن سے) صلح نہیں کرے گا، جب تک کہ (یہ صلح) ان سب کے لئے برابر اور یکساں نہ ہو۔(۱)

۱۸۔ اور ان تمام ٹکڑیوں کو جو ہمارے ہمراہ جنگ کریں اپنی اپنی باری پر چھٹی دلائی جائے گی۔(۲)

۱۹۔ اور ایمان والے باہم اس چیز کا انتقام (۳) لیں گے جو خدائی راہ میں بہایا گیا ہو۔

۲۰۔ الف۔ اور بے شبہ متقی ایمان والے سب سے اچھے اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

ب۔ اور یہ کہ کوئی مشرک (۴) (غیر مسلم رعیت) قریش کی جان اور مال کو کوئی پناہ نہ دے گا اور نہ اس سلسلے میں کسی مومن کے آڑے آئے گا۔

---

(۱) یعنی مسلمانوں کا امن نا قابل تقسیم ہو گا ہر مسلمان اس حکمت عملی کا پابند ہے جو مجموعی طور پر تمام مسلمانوں نے اختیار کی ہو دوسرے لفظوں میں انفرادی طور پر امن و جنگ قائم نہیں ہو سکتے (الزرقانی، شرح علی المواهب اللدنية ۴/۱۶۸)

(۲) دفعہ نمبر ۱۷ اور ۱۸ کے تحت جنگ و صلح کو انفرادی کے بجائے مرکزی مسئلہ قرار دیا گیا یعنی یہ نہ ہو سکے گا کہ چند افراد تو صلح کریں اور باقی نہ کریں۔ اسی طرح چند افراد جنگ کریں اور باقی آرام سے رہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ سب برابری کا حصہ لیں گے اور باری باری جنگ میں شرکت کریں گے تاکہ جنگ کا بوجھ کسی ایک طبقے یا قبیلہ پر نہ پڑے (ابن منظور، لسان العرب، بعنوان، ''عقب''۔ ابن اثیر، النھایۃ فی غریب الحدیث والاثر: ۳/۲۶۷، الزرقانی: ۴/۱۶۸)

(۳) یہاں ''یبیئ'' کا لفظ ہے ڈاکٹر حمید اللہ، نے اس کا معنی ''انتقام لینے'' کے کئے ہیں۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص۱۰۱) امام راغب کے نزدیک اس سے مراد مساوات و برابری ہے۔ اس طرح یہ گزشتہ شق نمبر ۱۷ کی شرح ہو گی کہ تمام مومنین تکالیف و نقصان میں باہم برابر ہیں جو انہیں اللہ کے راستے میں پہنچے۔

(۴) مشرک: (i) ابو عبید لکھتے ہیں کہ یہاں مشرک سے مراد وہ یہودی ہیں جن سے صلح کی گئی تھی۔ اور مراد یہ ہے کہ یہود سے صلح کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اگر چہ خود تو مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کریں لیکن مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کریں یا ان کے جان و مال کو پناہ دیں۔ (ابو عبید، قاسم بن سلام، کتاب الاموال، فقرہ ۵۱۷) تاہم اس سے مراد انصار کے غیر مسلم بت پرست بھی ہو سکتے ہیں جو ''مناۃ'' کی پوجا کرتے تھے۔

۲۱۔ اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اور جرم ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے۔ اور تمام ایمان والے اس کی تعمیل کے لئے اُٹھیں گے، اور اس کے سوا انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہو گی۔(۱)

۲۲۔ اور کسی ایسے ایمان والے کے لئے جو اس دستاویز کا پابند ہو اور اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لا چکا ہو، یہ بات جائز نہ ہو گی کہ کسی قاتل (۲) کو مدد یا پناہ دے۔ اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوں گے اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ (۳) قبول نہ ہو گا۔

(ii) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول ''بے شبہ اس دفعہ میں قریش کو پناہ دینے کی ممانعت صرف مشرک رعایا کے لیے کی گئی ہے لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ مسلمان بھی اس کے پابند تھے۔ اور بلا صراحت بدرجہ اولیٰ وہ اس پر عمل کرتے تھے اس بنا پر میرا خیال ہے کہ یہ دفعہ ابتدائی دستور میں نہ تھی بعد میں جنگ بدر کے اختتام پر یہودی قبائل سے معاہدے کے یا کسی قریبی موقع پر اصل دستور میں اضافہ کی گئی۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی ۸۸، ۸۹) دفعہ نمبر ۱۵، ۱۷، ۱۹ کو بالترتیب ملاحظہ کیا جائے تو صورت حال واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے تو اس کی اجازت تھی بعد میں ممانعت ہوئی یعنی سب کے دشمن ایک ہوں تو انفرادی طور پر کوئی انہیں کوئی امان نہ دے۔

(۱) اس دفعہ کے مطابق اگر مقتول کے اولیاء خون بہا لینا منظور کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں اور قصاص یا دیت لینے کا اختیار مقتول کے اولیاء کو ہے۔ ابو عبید لکھتے ہیں کہ اس کی تائید ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے تو اس کو دو فیصلوں میں سے کسی ایک کا اختیار ہے وہ چاہے تو قاتل کو قتل کر دے اور اگر چاہے تو اس کا خونبہا لے لے'' (ابو داؤد، السنن، کتاب الدیات، باب ولی العمد یأخذ الدیة ، حدیث نمبر (۴۵۰۵) ابو عبید، کتاب الاموال: فقرہ نمبر ۲۱۷، نیز ملاحظہ ہو، ابن اثیر، النہایة فی غریب الحدیث والاثر: ۳/۴۲۴)

(۲) یہ ''محدثا'' کا ترجمہ ہے ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کا ترجمہ ''قاتل'' کیا ہے (عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۱۰۲)۔ اس سے مراد قانون شکن ہے یا وہ مجرم جس پر حدود اللہ جاری ہو سکتی ہوں۔

(۳) (i) یہ دراصل ''صرف ولا عدل'' کا ترجمہ ہے۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر ''عدل'' کا لفظ فدیہ یا معاوضہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

﴿ولا یوخذ منہا عدل﴾ (البقرۃ: ۴۸) ''اور نہ کوئی بدلہ اور فدیہ لیا جائے گا''

﴿ولا یقبل منہا عدل﴾ (البقرۃ: ۱۲۳) ''اور نہ کسی شخص سے کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا''۔

﴿وان تعدل کل عدل لا یؤخذ منہا﴾ (الانعام: ۷۰) اور اگر دنیا بھر کا معاوضہ بھی دے ڈالے تب بھی

۲۳۔ اور یہ کہ جب کبھی تم میں کسی معاملے کے متعلق اختلاف ہوتو اس میں اللہ اور محمد ﷺ (۱) سے رجوع کیا جائے گا۔

۲۴۔ اور یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ جنگی اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ (مسلمانوں کے ساتھ) مل کر جنگ کرتے رہیں۔(۲)

اس سے نہ لیا جائے'' اس شق کا مفہوم یہ ہے کہ کسی مومن کے لئے جو اس دستاویز کا پابند ہے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مجرم قانون شکن کو پناہ دے۔

(ii) مجرم کو پناہ دینے کی سزا: جو آدمی مجرم کو پناہ دے وہ مجرم خواہ چور ہو، باغی ہو یا قاتل ایسا شخص قابل تعزیر ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدہ:۲) ''اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو'' اور مجرم کو پناہ دینے والا اثم وعدوان میں معاون ہو کر معاشرے کے امن وسکون کے خاتمہ کا سبب بنتا ہے لہذا اسے تعزیری سزا دی جائے گی (ابن تیمیہ، السیاسۃ الشرعیہ)

(۱) تمام مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ باہم اختلاف کی صورت میں صرف رسول اللہ کی ذات سے رجوع کریں۔ قرآن مجید میں مسلمانوں کو اس قطعی اصول سے آشنا کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

(i) ﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ (الاحزاب ۳۶)''اور (دیکھو) کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

(ii) ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (آل عمران:۱۳۲) ''اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''

(۲) (i) یہ پہلی شق ہے جو مسلمانوں اور یہود کے مابین مشترک ہے اس سے مراد یہ ہے کہ مشترکہ جنگ کی صورت میں ہر فریق اپنے مصارف جنگ خود برداشت کرے گا۔ (مزید ملاحظہ ہو دفعہ نمبر ۳۷(۱)، ۳۸ اور ۴۵ (ب) کا حاشیہ)

(ii) مشترکہ جنگی اخراجات کی شرط رکھنے کی وجہ: ابو عبید کی خیال میں یہ شرط اس لئے رکھی گئی کہ یہود پر لازم ہو جائے کہ وہ جنگ کی صورت میں مسلمانوں کی مدد کریں۔ اسی خرچ کرنے کی شرط کے باعث آپ ﷺ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہونے والے یہود کو مال غنیمت میں حصہ دیا کرتے تھے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ ۵۱۷، نیز السہیلی، الروض الانف: ۴/۳۹۵) اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ جنگی تعاون کا لین دین بوقت ضرورت جائز ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر 153)

۲۵۔ اور بنی عوف کے یہودی، مومنین کے ساتھ ایک سیاسی وحدت (۱) تسلیم کیے جاتے ہیں۔ یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین، ان کے آزاد شدہ لوگ ہوں کہ اصل۔ ہاں جو ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔(۲)

۲۶۔ اور بنی النجّار کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۷۔ اور بنی الحارث کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۸۔ اور بنی ساعدہ کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۲۹۔ اور بنی جشم کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۰۔ اور بنی الاوس کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔

۳۱۔ اور بنی ثعلبہ (۳) کے یہودیوں کو بھی وہی حقوق و مراعات حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ ہاں جو

---

(۱) یہاں ''امۃ'' سے مراد اتحاد ہے۔ ابو عبید کے مطابق یہاں امت سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ دشمنوں کے خلاف جنگ کی صورت میں شرط کے مطابق اخراجات کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد کرتے رہیں گے۔ رہ گیا دین کا معاملہ سو وہ بالکل جدا گانہ ہے اس سے ان کا تعلق نہیں۔ یہی سبب ہے کہ اس کے فوراً بعد ہی آپ ﷺ نے یہ تصریح فرما دی کہ یہود اپنے دین پر کار بند رہیں گے اور مومنین اپنے دین پر (ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر ۵۱۸ نیز عہد نبوی کا نظام حکمرانی ص ۸۷، ۹۹) رسول اکرم ﷺ کا اس سیاسی اتحاد سے مقصد مدینہ کی اسلامی ریاست کو دفاعی طور پر مضبوط کرنا اور سماجی تحفظ فراہم کرنا تھا۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اتحاد کے ضمن میں فقہی بحث ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر......83

(۲) ارتکاب جرم کی سزا مجرم تک ہی محدود رہے گی: جرائم کی ذمہ داری صرف اس فرد تک محدود رہے گی جس نے جرم کا ارتکاب کیا ہے اس طرح صرف مجرم کو ہی سزا ملے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾ (الانعام:۱۶۵) ''کوئی بھی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔ علاوہ ازیں حدیث سے بھی اس اصول کی تائید ہوتی ہے، ابو داؤد، السنن، کتاب الدیات، باب لا یؤخذ الرجل بجریرة أبيه أو أخيه، حدیث نمبر (۴۴۹۵)

(۳) بنو ثعلبہ بن عمرو، خزرج کا ایک بطن ہے (القلقشندی، نہایۃ الارب، (م ن) ص:۱۸۱

ظلم یا عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو خود اس کی ذات یا گھرانے کے سوائے کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔

۳۲۔ اور جفنہ (۱) کو بھی، جو (قبیلہ) ثعلبہ کی ایک شاخ ہے، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۳۔ اور بنی الشطیبہ (۲) کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ اور وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔ (۳)

۳۴۔ اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۵۔ اور یہودیوں (کے قبائل) کی ذیلی شاخوں (۴) کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۳۶۔ الف۔ اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر (جنگ کے لئے) نہیں نکلے گا۔ (۵)

ب۔ اور کسی ضرب، زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ اور جو خونریزی کرے تو اس کی ذات اور اس کا گھرانہ ذمہ دار ہوگا۔ (۶) ورنہ ظلم ہوگا اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس (دستور العمل) کی

---

(۱) بنو جفنہ بن عوف من خزاعہ، یہ بنو ثعلبہ کے حلیف تھے (لسان العرب، ۱/۲۴۳۔ القلقشندی (م ن) ص:۲۰۱

(۲) بنو الشطیبہ، ابن ھشام نے ''یاء'' کے ساتھ جبکہ ابو عبید نے باء کے ساتھ الشطبۃ (بطن من جفنہ) ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۱۴۹، ابو عبید کتاب الاموال فقرہ ۵۱۶)

(۳) ''وان البر دون الاثم'' اس کا ظاہری معنی تو یہ ہوں گے کہ ''گناہ کی بجائے نیکی کی جائے'' یا نیکی گناہ کے خلاف حفاظت'' ہے۔ یہاں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ترجمہ کو ترجیح دی گئی ہے۔ (عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۱۰۳)

(۴) یہاں ''بطانة'' کا لفظ ہے اس سے مراد قریبی دوست یا حلیف بھی ہو سکتے ہیں۔

(۵) اس سے مراد ہے کہ یہود کی، مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شرکت آنحضرت ﷺ کی اجازت پر منحصر رکھی گئی۔ بہر حال اس دفعہ کی عبارت مبہم ہے اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہود آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر خود مستقلاً کسی سے جنگ نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے بقول اگر واقعی یہی معنی مراد ہیں تو اس سے آنحضرت ﷺ کے سیاسی اقتدار کی مزید وسعت ظاہر ہوتی ہے نیز اس سے صلح و جنگ کو وفاق کا بلا شرط ایک مرکزی مسئلہ قرار دے دیا گیا، جس سے جنگ کی کمان آنحضرت ﷺ کو حاصل ہو گئی جو آنحضرت ﷺ کی زبردست سیاسی کامیابی تھی (ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۹۴)

(۶) ''وانه من فتک فبنفسه و اهل بيته'' ''فتک'' سے مراد ہے کسی کو غفلت میں قتل کرنا (لسان العرب، مادہ، ف ت ک)

زیادہ سے زیادہ وفا شعارانہ تعمیل کرے۔

۳۷۔ الف۔ اور یہودیوں پر ان کے خرچ کا بار ہوگا، اور مسلمانوں پر ان کے خرچ کا۔(۱) اور جو کوئی اس دستور کے ماننے والوں سے جنگ کرے تو ان (شرکاء معاہدہ) میں باہم امداد عمل میں آئے گی۔(۲) اور انہیں باہمی مشاورت سے کام لینا ہوگا۔اور وفا شعاری ہوگی نہ کہ عہد شکنی۔

ب۔ کوئی شخص اپنے حلیف کی بداعمالیوں کا ذمہ دار نہیں ہوگا اور مظلوم کی مدد لازم ہوگی۔(۳)

۳۸۔ اور یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ جنگ جاری رہے گی۔

---

(۱) یہ گزشتہ شق نمبر ۲۴ کی شرح ہے۔یعنی کسی جنگ کی صورت میں مسلمان اور یہودی اتحاد عمل کریں تو ہر حلیف اپنے مصارف جنگ خود برداشت کرے گا۔ یہ حکم گزشتہ دفعہ نمبر ۲۴ اور آئندہ دفعات نمبر ۳۸ اور ۴۵ ب میں بھی موجود ہے۔اس تکرار کی وجہ غالبًا یہی تھی کہ مالی معاملات میں یہودی بہت بدنام تھے۔ان کی بدمعاملگی کو ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ﴾(ال عمران:۷۵) ''اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں ہاں یہ اور بات ہے کہ تو اس کے سر پر ہی کھڑا رہے'' وغیرہ آیات قرآنی میں بھی طشت از بام کیا گیا ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ۹۱، ۹۲)

(۲) (i) اس دفعہ کے تحت یہودیوں نے بعض جنگوں میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔اور رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس بنا پر مال غنیمت میں حصہ بھی دیا (ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ ۵۱۷، نیز ملاحظہ ہو، الترمذی، کتاب السیر، باب ماجاء فی اهل الذمة يغزون مع المسلمين اهل يسهم لهم، حدیث نمبر (۱۵۵۸، ۱۵۵۹)

(ii) اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلموں سے جنگی تعاون لے سکتی ہے اور ان کے ساتھ بھی جنگی تعاون کر سکتی ہے تفصیل کے لئے آگے صفحات نمبر 150، 153...... ملاحظہ ہوں۔

(۳) اس دفعہ سے معلوم ہوا کہ چند لوگوں کی معاہدہ شکنی سے پوری قوم کی معاہدہ شکنی تصور نہیں کی جائے گی نیز مظلوم ہونے کی صورت میں غیر مسلم معاہدین کی مدد بھی کی جائے گی۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر...211

۳۹۔ اور یثرب کا جوف (یعنی میدان جو پہاڑوں سے گھرا ہوا ہو) اس دستور والوں کے لئے ایک حرم (مقدس اور محترم مقام) ہوگا۔(۱)

---

(۱) (i) حرم مدنی کے بعض احکام: اس دفعہ کے تحت آپ ﷺ نے مدینہ کو بھی حرم قرار دے دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((انی حرَّمت ما بینَ لا بتی المدینة کما حَرَّم ابراھیم علیه الصلوۃ والسلام مکة)) (میں نے مدینہ کے دونوں پتھر یلے کناروں کی درمیانی جگہ کو حرم قرار دیا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔ اس بنا پر حضرت ابوسعید خدریؓ مدینہ میں اگر کسی آدمی کے ہاتھ میں پرندہ دیکھ لیتے تو اس کے ہاتھ سے چھڑا کر اسے آزاد کر دیتے (مسلم الجامع الصحیح، کتاب الحج: باب الترغیب فی سکنہ المدینۃ، حدیث نمبر ۳۳۴۰)۔ مدینہ کی حرمت کے حوالے سے صحیح مسلم کی دوسری روایت یہ ہے۔

((عنْ جابر قال قال رسول الله ﷺ ان ابراھیم حرّم مکة و انی حرمت المدینة ما بین لابتیھا لا یقطع عضاھھا ولا یُصادُ صیدھا)) (مسلم کتاب الحج، حدیث نمبر ۳۳۱۷) علامہ عینی اور نووی لکھتے ہیں کہ امام مالک امام شافعی اور امام احمد، مدینہ کے درختوں کے کاٹنے کو اور مدینہ کے جانوروں کے شکار کو حرام قرار دیتے ہیں۔ البتہ احناف کے نزدیک یہ مباح ہے۔ امام ابوحنیفہ امام ابو یوسف، امام محمد کے نزدیک مدینہ، مکہ کی طرح حرم نہیں۔ چنانچہ درخت کاٹنے اور شکار کرنے کی ممانعت حرمت کے لئے نہیں بلکہ محض ممانعت ہے تا کہ مدینہ کی زینت باقی رہے۔ امام طحاوی اس کے دلائل میں ابوعمیر کے پرندے کا ذکر کرتے ہیں جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ((یاابا عمیر ما فعل النعیر)) (مسلم، ترمذی نیز مسند احمد میں روایت ہے کہ رسول اللہ کے گھر میں ایک وحشی جانور تھا۔ جو گھر میں کھیلتا کودتا رہتا تھا نیز حضرت سلمہ بن اکوع بیان کرتے ہیں کہ وہ شکار کرتے تھے اور شکار کر کے نبی ﷺ کے پاس لاتے تھے ایک دن انہیں دیر ہوگئی نبی ﷺ نے اس تاخیر کا سبب دریافت فرمایا تو انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ شکار ہم سے بھاگ گیا اور ہم تیت سے لے کر قناۃ تک شکار کا پیچھا کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو میں تمہارے ساتھ جاتا۔ (امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ میں شکار کرنا جائز ہے کیونکہ رسول ﷺ اللہ نے خود مدینہ میں شکار کرنے کی جگہ بتائی ہے) اور یہی وجہ ہے کہ مدینہ میں داخل ہونے کے لئے احرام نہیں باندھا جاتا۔ (النووی یحیٰی بن شرف، شرح مسلم: ۱/۴۴۰، عینی، بدرالدین، عمدۃ القاری: ۱۰/۲۲۹-۲۳۰)

(ii) اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ریاست میں کسی جگہ پرامن امان کے خصوصی قوانین کا نفاذ بھی کیا جاسکتا ہے۔

(iii) کمزور اور جنگ سے لاتعلق رہنے والے شہریوں کی حفاظت کے لئے مسلمان اور غیر مسلم، کسی علاقے کو پرامن (No WarArea) قرار دے سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں دونوں کے لئے اس شرط کا احترام کرنا ضروری ہوگا۔

(iv) سیاسی حوالہ سے اس کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں سے ایک نیم عرب شہر و مضافات کو حرم مقدس منوالینا آنحضرت ﷺ کا ایک بڑا سیاسی کارنامہ تھا (عہد نبوی میں نظام حکمرانی: ۵۸)

۴۰۔ پناہ گزیں سے وہی برتاؤ ہوگا جو اصل (پناہ دہندہ) کے ساتھ۔ نہ اس کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ خود وہ عہد شکنی کرے گا۔(۱)

۴۱۔ اور کسی پناہ گاہ میں وہاں والوں کی اجازت کے بغیر کسی کو پناہ نہیں دی جائے گی۔(یعنی پناہ دینے کا حق پناہ گزین کو نہیں)۔(۲)

۴۲۔ اور یہ کہ اس دستور والوں میں جو کوئی قتل یا جھگڑا رونما ہو جس سے فساد کا ڈر ہو تو اس میں اللہ اور اللہ کے رسول محمد (ﷺ) سے رجوع کیا جائے گا۔(۳) اور اللہ اس شخص کے ساتھ ہے جو اس دستور کی زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔

۴۳۔ اور قریش اور ان کی مدد کرنے والوں کو امان نہیں دی جائے گی۔(۴)

۴۴۔ اور یہ کہ معاہدہ کرنے والے فریق، یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہوں گے۔

---

(۱) یعنی پناہ گزین کے ساتھ کم درجہ برتاؤ نہیں کیا جائے گا اور انہیں بھی اصل، یعنی پناہ دہندہ کی طرح مکرم سمجھا جائے گا۔

(۲) عرب کے جاہلی دور میں بھی یہی دستور چلا آرہا تھا۔ ملاحظہ ہو گزشتہ شق نمبر ۱۲(ب) کا حاشیہ۔(حوالہ نمبر ۱۷)

(۳) گزشتہ دفعہ نمبر ۲۳ کے مطابق تمام مسلمانوں کے لئے تنازعہ کی صورت میں آخری عدالت رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات ہے۔ اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاستی باشندوں کے باہمی تنازعات کے لئے یہود نے بھی آنحضرت ﷺ کو آخری عدالت مرافعہ کے طور پر تسلیم کرلیا تھا (عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۹۵) البتہ وہ اس بات کے پابند نہیں تھے کہ ہر معاملے میں شریعت اسلامیہ سے رجوع کریں۔ اپنے تمام ذاتی معاملات میں وہ تورات سے راہنمائی حاصل کرتے تھے۔ ان کے ربّی ہی ان کے درمیان فیصلے کرتے تھے البتہ اگر وہ چاہتے تو رسول اللہ ﷺ کو بھی اپنے معاملات میں حکم مقرر کرسکتے تھے۔ (الموطا لامام مالک، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرجم، ۲/ ۲۶۵)۔ آپ ﷺ کو بھی ان کے مابین فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل تھا چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿فَاِنْ جَآءُوْکَ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (المائدہ ۴۲) ''اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے درمیان فیصلہ کرو خواہ ان کو ٹال دو''، تفسیر مظہری، ۳/ ۱۱۵، الشافعی، کتاب الام: ۷/ ۴۴) آپ ﷺ ان کے فیصلے ان ہی کی شریعت کے مطابق فرماتے تھے (مالک، مالک بن انس، الموطا، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرجم: ۲/ ۲۶۵) نیز ابوداؤد، السنن، کتاب الحدود، باب فی رجم الیهودیین، حدیث نمبر (۴۴۴۶)

(۴) اس دفعہ میں اس بات کی وضاحت کردی گئی ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ یہود کی صلح میں یہ پابندی بھی ہوگی کہ وہ قریش مکہ کو پناہ نہیں دیں گے۔

۴۵۔ (الف) ان (مسلمانوں) میں سے جو اپنے حلیف کے ساتھ صلح کرنے (امن قائم کرنے) کے لئے یہود کو دعوت دے تو یہود اس سے صلح کر لیں گے۔ اسی طرح اگر وہ (یہود) کسی ایسی ہی صلح کی دعوت دیں تو مومنین بھی اس دعوت کو قبول کریں گے سوائے اس صورت کے کہ وہ (حلیف) دین کی خاطر جنگ میں مشغول ہو۔(۱)

۴۵۔ (ب) ہر گروہ کے حصے میں اسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔(۲)

۴۶۔ اور قبیلہ اوس کے یہودیوں کو، موالی ہوں کہ اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور والوں کو۔ اور وہ (بنو اوس) بھی اس دستور والوں کے ساتھ خالص وفا شعاری کا برتاؤ کریں گے۔ اور وفا شعاری ہو گی نہ کہ عہد شکنی۔ جو جیسا کرے گا ویسا خود ہی بھرے گا۔ اور اللہ اس کے ساتھ ہے جو اس دستور کی زیادہ سے زیادہ صداقت اور زیادہ سے زیادہ وفا شعاری کے ساتھ تعمیل کرے۔(۳)

۴۷۔ یہ معاہدہ ظالم اور گنہ گار کو تحفظ نہیں دے گا۔ جو (مدینہ سے) باہر نکل جائے وہ مامون رہے گا اور جو (مدینہ) میں ہو گا وہ بھی مامون ہو گا۔ لیکن جو ظلم و گناہ کا مرتکب ہو گا وہ مامون نہیں رہے گا اور اللہ بھی اس کا نگہبان ہے جو وفا شعاری اور احتیاط (سے تعمیل عہد) کرے۔ اور اللہ کا رسول محمد (ﷺ) بھی۔

---

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ معاہدین جب بھی ایک دوسرے کو اپنے حلیفوں سے صلح کے لئے کہیں گے تو ان کا یہ مطالبہ قبول کیا جائے گا الا یہ کہ وہ حلیف اپنے دین کے معاملہ میں کسی مبارزت میں مشغول ہو۔ اس سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے کہ اگر ایک فریق دوسرے کو کسی ایسی قوم قبیلہ سے صلح کے لئے کہے جو کہ پہلے سے مذہب کی بنیاد پر محارب ہوں تو ان سے صلح کرنی ضروری نہ ہو گی۔

(۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ میں "علی کل اناس حصتهم من جانبهم الذی قبلهم" ہے جس کا معنی ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ کیا ہے کہ ہر گروہ کے حصے میں اسی رخ کی (مدافعت) آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔ (مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقۃ نمبر ۱۔ دفعہ نمبر ۴۵ب، ص ۴۶، نیز عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۱۰۵)۔ ابو عبید کی روایت میں یہ دفعہ یوں ہے "و علی کل اناس حصتهم من النفقة" (بحذف جا نبهم الذی قبلهم) یعنی اخراجات میں تمام لوگ (معاہدین) اپنے اپنے حصہ کے ذمہ دار ہوں گے۔ نفقہ کا ذکر کئی مرتبہ کیا گیا ہے (جس کی تفصیل گزشتہ شق نمبر ۳۷ (الف) کے تحت ملاحظہ ہو۔

(۳) اس دفعہ سے معاہدے کو مزید وسعت دی گئی اور مسلمانوں اور یہودیوں کے تمام حلیفوں کو بھی اس میں شامل کر لیا گیا اب ہر فریق اس بات کا پابند تھا کہ وہ دوسرے فریقوں کے حلیفوں کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات قائم کرے لیکن گزشتہ دفعہ نمبر ۲۰ ب کے مطابق مسلمانوں نے اس معاملے میں قریش کو مستثنیٰ قرار دیا تھا کیونکہ دونوں پہلے سے ہی مذہب کی بنیاد پر حالت جنگ میں تھے۔

فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ

مدینہ کی اسلامی ریاست میں نبی اکرم ﷺ، انصار مدینہ، مہاجرین مکہ اور اہل کتاب و مشرکین مدینہ کے مابین قرار پانے والا معاہدہ، پہلا بین الاقوامی سیاسی معاہدہ اور دنیا کا اولین تحریری دستور ہے۔ بنیادی طور پر اس وثیقہ کے دو پہلو ہیں۔

ا۔ ریاست اور رعیت (مختلف قومیتوں) کے مابین تعلقات اور داخلی نظم ونسق

۲۔ بیرونی دنیا سے اسلامی ریاست کے تعلقات۔

عصر جدید میں پہلے نوع کے احکام کو القانون الدولی الخاص (Private International Law) اور دوسری نوع کے احکام کو القانون الدولی العام (Public International Law) کہا گیا ہے۔(۱)

ذیل میں میثاق مدینہ کی روشنی میں ان دونوں اقسام سے متعلق مسائل پر فقہی اور قانونی انداز کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ اس ضمن میں فقہ اسلامی کے متعدد پہلوؤں مثلاً فقہ المعاملات (فقہ مالی، فقہ تجارتی)، فقہ العقود (اسلام کا قانون معاہدہ) فقہ التعامل الاجتماعی (معاشرتی سطح پر میل جول کے اسلامی احکام)، فقہ الجنایات، فقہ دستوری، الاحکام السلطانیہ، فقہ المرافعۃ (پروسیجرل لاء) اور الفقہ الدولی یا اسلامی قانون بین الممالک سے متعلق احکام زیر بحث آئیں گے۔

چونکہ میثاق کی تقسیم دفعہ وار ہے لہذا ہم ان دفعات کو اپنے (مذکورہ) عناوین کا پابند نہیں کریں گے بلکہ دفعات کے تحت متعلقہ مسائل ذکر کریں گے، تاکہ میثاق کی دفعات کی پیروی میں ہی اس کے احکام پر بحث کی جا سکے۔

دوسری وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ بسا اوقات میثاق کی ایک ہی دفعہ متعدد ابواب کی فقہ پر مشتمل ہوتی ہے لہذا مضامین کی پیروی کرتے ہوئے اس کی تجزی کرنے سے اس کی شکل متاثر ہونے کا امکان ہے۔

---

(۱) الفهداوی، خالد سليمان، الفقه السياسی للوثائق النبوية، المعاهدات، الاحلاف، الدبلوماسية الإسلامية، ص: ۳۹۔۴۰

میثاق مدینہ کی روشنی میں اختیار اعلیٰ:

نبوی حکومت جو دراصل الٰہی حکومت ہوتی ہے، میں حتمی فیصلہ اور اختیار اعلیٰ کا تعلق انسانوں سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے مدینہ کی اسلامی ریاست میں اختیار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ذات میں منحصر تھا۔ چونکہ پیغمبر اس کے لئے براہ راست نمائندہ الٰہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے احکام کی پیروی الٰہی احکام کی پیروی کہلاتی ہے۔(۱)

اس اعتبار سے ریاست مدینہ میں اقتدار اختیار کا سرچشمہ ذات نبوی تھی۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں مرکزی حکومت کی باگ دوڑ تھی۔ آپ کے اختیارات مرکزی اور صوابدیدی تھے جو آپ ﷺ صوبائی اور مقامی حکام کو منتقل فرماتے تھے۔

میثاق کے پہلی شق کے مطابق نبی اکرم ﷺ بحیثیت نائب خدا، ریاست کے حکمران اعلیٰ کے طور پر اہل اسلام اور غیر مسلم اقلیتوں، نیز حلیف ریاستوں کے مابین معاہدہ مدینہ تشکیل دیتے ہیں۔

میثاق مدینہ کی دو دفعات (دفعہ نمبر ۲۳ اور ۴۲) کی رو سے ریاست کی تینوں ستونوں، عدلیہ (Juduciary)، مقننہ (Legislature) اور انتظامیہ (Executive) کے ذمہ دار و سربراہ نبی اکرم ﷺ تھے۔ آپ ﷺ کی شخصیت، جدید ریاست کے حاکم وقائد اور سیاسی وحدت کے تمام طبقات کے باہمی اختلاف میں فیصل کی تھی۔

دستور کی شق نمبر ۲۳ میں اس کی یوں وضاحت کی گئی ہے۔

"وأنكم مهما اختلفتم فيه من شئ فإن مرده إلى الله و إلى محمد (ﷺ)"

یہ دفعہ اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ یہ سیاسی امت کسی بھی اختلاف کی صورت میں اللہ اور اس کے رسول کو آخری اتھارٹی تسلیم کرے گی۔ قرآن کریم کی بیشتر آیات نبی اکرم ﷺ کی اطاعت مطلقہ پر دلالت کرتی ہیں۔ تاہم تکنیکی اعتبار سے نبوی اختیار اعلیٰ کوئی آمرانہ حکومت کے طور پر نہ تھا کیونکہ آپ ﷺ ہر قسم کے معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرماتے تھے۔(۲) نیز خود آپ ﷺ نے قانون کی عملداری کو بنیادی اصول کے طور پر قائم فرمایا بایں طور کہ اپنے آپ کو بھی

---

(۱) مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (النساء: ۸۰) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، صالح احمد العلی، الدولة فی عهد الرسول، ص: ۱۲

(۲) ابن ہشام: ۳/ ۶۷، الواقدی، کتاب المغازی: ۱/ ۲۱۰، زاد المعاد: ۲/ ۴۸۰

قانون سے بالاتر تصور نہیں فرمایا اور خود اپنی ذات کے خلاف بھی شکایات سنیں بلکہ اپنے معاملات بھی ثالثی کے لئے تیسرے فریق کے سپرد فرمائے۔(۱)

اسلامی ریاست میں حکمرانوں کے اختیارات کی تحدید کو فقہاء نے ایک فقہی قاعدہ کلیہ کے طور پر یوں بیان کیا ہے۔

"تصرف الامام علی الرعیّة منوط بالمصلحة"(۲)

مصلحت کی حدود و قیود کے تعین میں بنیادی چیز یہ ہے کہ شریعت کے اوامر و نواہی متاثر نہ ہوں۔ جصاص نے آیت کریمہ ﴿ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ ﴾ کے تحت لکھا ہے۔

هو عموم فی جمیع طاعة الله لانها کلها معروف ......وقد علم الله ان نبیه لا یأمر الا بالمعروف إلا أنه شرط فی النهی فی عصیانه ......لئلا یترخص احد فی طاعة السلاطین اذا لم تکن طاعة الله تعالیٰ اذ کان الله قد شرط فی طاعة افضل البشر فعل المعروف و هو فی معنی قوله صلی الله علیه وسلم لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (۳)

آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعات کی تمام صورتوں کے لیے عموم ہے کیوں کہ اطاعت کی تمام صورتیں معروف کہلاتی ہیں۔ اللہ کو معلوم تھا کہ اس کا نبی کبھی معروف کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا پھر بھی اس نے اپنے نبی کی نافرمانی سے منع کرتے ہوئے معروف کی شرط لگا دی تا کہ کوئی شخص کبھی اس امر کی گنجائش نہ نکال سکے کہ ایسی حالت میں بھی سلاطین کی اطاعت کی جائے جب کہ ان کا حکم اللہ کی اطاعت میں نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے تو افضل البشر ﷺ کی اطاعت میں بھی معروف کی شرط لگائی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے : ((الطاعة فی المعروف)) ۴

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی: ۲۰

(۲) السیوطی، جلال الدین، عبدالرحمٰن، الاشباہ والنظائر، فی قواعد وفروع فقه الشافعیه، قاعدہ نمبر: ۵، ص: ۱۲۱

(۳) الجصاص، ابی بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن: ۳/۴۴۱، ۴۴۲، المتحنة: ۱۲،

(۴) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب سریة عبداللہ ابن خذافة: حدیث نمبر ۴۳۴۰

نیز ارشاد گرامی ہے: ﴿لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق﴾(۱)

''اللہ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں''۔

رسول اکرم ﷺ اسلامی ریاست میں ہونے والے تمام نزاعات میں بھی حکم کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے نزاعات کے فیصلوں میں وحی کے مطابق عدل و انصاف کو فروغ دیا۔

جدید ریاست اور سیاسی امت میں عدالت و قضا کے حوالہ سے یہ امر انتہائی اہمیت رکھتا تھا کہ وہاں امن و امان کی صورت حال بہتر بنائی جائے اور مختلف رنگ ونسل اور عقیدہ کے حامل طبقات میں تقارب و استحکام پیدا کیا جائے۔ (۲) اس بنیادی ضرورت کا تحقق صرف اس صورت میں ممکن تھا کہ ایک ایسا نظام ہو جو معاشرے کے مختلف طبقات اور مختلف مذاہب کے پیروؤں کے مابین عدل و انصاف، رواداری اور مساوات کے ساتھ فیصلے کرے جدید اسلامی ریاست میں قرآن کریم کے دیئے ہوئے عادلانہ اصولوں کی پیروی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۳)

''اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کرو''

سورۃ المائدہ میں ارشاد باری ہے۔

﴿لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾(۴)

''کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے''

سورۃ النحل میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(۵)

اللہ تعالیٰ عدل اور بھلائی کا حکم دیتا ہے''

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ: ۷/ ۷۳۷، الترمذی، کتاب الجہاد، باب ماجآء لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق، حدیث نمبر (۱۷۰۷)

(۲) جمال الدین، صلاح الدین، نظام الجنسة فی الشريعة الإسلامية، ص:۱۶-۱۷

(۳) النساء: ۵۸

(۴) المائدہ: ۸

(۵) النحل: ۹۰

سورۃ الانعام میں ارشاد ہے:

﴿ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾(۱)

''اور جب تم بات کروتو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو''

مذکورہ قرآنی آیات میں مخالفین اور دشمنوں کے ساتھ غیر جانبدارانہ اور شفاف فیصلوں کی ہدایت کی گئی ہے۔ اس تناظر میں رسول اللہ ﷺ کو امن وامان اور باہمی اختلافات کی صورت میں تحکیمی اختیارات عطا کئے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾(۲)

''پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کروتو اسے لوٹاؤ'' اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تمہیں اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے''

دستور کی دفعہ ۴۲ کے مطابق اہل معاہدہ کے مابین پیدا ہونے والے اختلافات میں آپ ﷺ کا فیصلہ حتمی تھا۔ دفعہ کے الفاظ یہ ہیں:

''وأنه ما كان بين أهل هذه الصحيفة من حدث او اشتجار يخاف فساده فإنّ مردّه إلى الله و إلى محمد رسول الله ﷺ''

آپ ﷺ نے امن واختلاف ہر دو صورتوں میں مختلف طبقات میں محبت، رواداری، اور تالیف قلوب سے کام لیا۔ ریاست کے تمام طبقات نے آپ ﷺ کی عدالتی بالادستی کو تسلیم کیا، یہودیوں نے بھی اسلامی ریاست کے شہریوں کی حیثیت سے تمام اہل مدینہ (جن میں وہ خود بھی شامل تھے۔) پر آپ ﷺ کی اتھارٹی کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے خصومات میں آپ ﷺ کو حکم بنایا۔(۳)

مدینہ میں ہونے والے تمام عسکری معاملات میں بھی صوابدیدی اختیارات نبی اکرم ﷺ کے پاس تھے۔ میثاق کی دفعہ ۳۶ کے الفاظ اس کا تعین کرتے ہیں: ''و أنه لا يخرج منهم أحد إلا بإذن محمد'' (۴)

اس شق نے تمام قبائل کے لئے نبی اکرم ﷺ (حاکم ریاست) کی اجازت کے بغیر مدینہ سے باہر نکل کر مستقلاً عسکری/ فوجی سرگرمیوں (جاسوسی، باہر بسنے والے قبائل کے ساتھ جنگی مساہمت) اور اقتصادی سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی۔(۵)

---

(۱) الانعام:۱۵۲

(۲) النساء:۵۹

(۳) ابو داؤد، السنن، کتاب الحدود، باب فی رجم الیہودیین، حدیث نمبر (۴۴۴۶) نیز باب الحکم بین اہل الذمہ، حدیث نمبر ۳۵۹۱

(۴) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱، دفعہ نمبر ۳۶

(۵) ملاحظہ ہو، العانی، اسامہ عبدالحمید، رؤية اقتصادية لأول وثيقة سنها رسول الاسلام : ۲۶ نیز صالح العلی، تنظيمات الرسول الادارية فی المدينة (ن م) ص:۶۳

امت کا مفہوم ...... میثاق مدینہ کی روشنی میں:

عربی زبان میں یہ لفظ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ان سب مفاہیم کو جمع کرنے سے درج ذیل آٹھ انواع بنتی ہیں۔

(۱) الرجل الأمة، الأوحد فی معناه الذی لا يداخله فيه أحد قال النبیﷺ يبعث زيد بن عمرو بن نفيل أمة وحده فمعناه، يبعث منفرداً بدين (۱)

یعنی عربی زبان میں الرجل الأمۃ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو اپنی ذات میں ایک انجمن ہو، نبی اکرمﷺ نے زید بن عمر بن نفیل کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص اپنی ذات میں ایک انجمن ہے یعنی وہ اپنی دینی جامعیت میں منفرد ہے۔

(۲) جماعت اور گروہ: جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ﴾(۲)

''یعنی (حضرت موسیٰ) نے پانی (کی جگہ پر) لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جو اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے''۔

﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾ (۲ الف) ''ہر امت کے لیے ایک رسول ہے''

(۳) انبیاء کرام کے پیروکار: جیسے کہا جائے: ''نحن من أمة محمد'' یعنی ہم محمدﷺ کے (دین کے) پیرو ہیں۔

(۴) دین وملت: جیسے کہ ارشاد باری ہے ﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓی اُمَّةٍ ﴾(۳)

''ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک دین پر پایا ہے''

(۵) نیک، متقی جس کی پیروی کی جائے: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا﴾ (۴)

---

(۱) مستدرک حاکم، ۳/۴۴۰، دلائل النبوۃ، ۲/۱۲۰

(۲) القصص: ۲۳

(۲۔الف) یونس، ۴۷

(۳) الزخرف: ۲۳

(۴) النحل: ۱۲۰

''بے شک ابراہیم پیشوا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور مخلص تھے''

(٦) زمانہ (مدت) : مثلاً قید خانہ میں یوسفؑ کے ساتھ رہنے والا وہ شخص جس نے رہائی پائی تھی، حضرت یوسف کا پیغام بادشاہ تک پہنچانا بھول گیا۔

ارشاد باری ہے:﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ﴾ (١) ''اسے ایک زمانہ (مدت) کے بعد یاد آ گیا''

نیز ارشاد باری ہے:﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلَىٰ اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ﴾(٢)

''اور اگر ہم ان کے عذاب گنی چنی مدت تک کے لیے پیچھے ڈال دیں''

(٧) قد و قامت: مثلاً کہا جاتا ہے ''فلان حسن الأمة'' ''فلاں خوبصورت قد والا آدمی ہے''

(٨) ماں: کہا جاتا ہے ''هذه أمة فلان'' (٣) ''یہ فلاں کی ماں ہے''

لفظ امت کا اصطلاحی مفہوم:

امت افراد کے اس مجموعے کا نام ہے جنہیں مادی و معنوی دائرے آپس میں مربوط کرتے ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے پر رغبت دلاتے ہوں۔ (٤)

---

(١) یوسف: ٤٥

(٢) ہود: ٨

(٣) السید رضوان، الأمة والجماعة والسلطة، ٤٣-٤٤

(٤) حلیمی، محمود، نظام الحکم الاسلامی الدولة والحکومة: ١/٢٥

میثاق مدینہ میں امت:

میثاق مدینہ سے امت کی دو بنیادیں سامنے آتی ہیں۔

(۱) فکر و عقیدہ کی بنیاد

(۲) اجتماع و سیاست کی بنیاد

فکر و عقیدہ کی بنیاد:

میثاق مدنیہ کی دفعہ نمبر۲ '' انهم امة واحدة من دون الناس '' کے مطابق تمام مسلمان ایک امت ہیں۔ یہ وہ امت ہے جو فکر و عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہوئی ہے لونی، عرقی، لغوی اور خونی اساس کی بنیاد پر قائم نہیں ہوئی۔

فکر و عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہونے والی امت اپنی حیثیت کے اعتبار سے انتہائی وسعت رکھتی ہے۔ جس میں تعصب اور جاہلی غیرت نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ میثاق مدینہ نے اوس و خزرج کے مابین قدیم کشمکش کا خاتمہ کیا۔ وثیقہ کی بعض دفعات اس بات پر نص ہیں کہ مومنین اور مسلمین چاہے وہ اہل مکہ میں سے ہوں یا یثرب والے ہوں ایک ہی سوسائٹی تشکیل دیں گے جو ایک عقیدہ کی بنیاد پر قائم ہو گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ز وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ﴾(۱)

''یہ تمہاری امت ہے جو درحقیقت ایک ہی امت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں پس تم میری ہی عبادت کرو''

مشہور مستشرق منٹگمری کے بقول: ''امت کا یہ تصور ایسا انوکھا تصور ہے جو اسلام سے پہلے سامنے نہیں آیا اور یہی تصور آج تک وہ سرچشمہ ہے جس سے ایمان کا فیض پھوٹتا ہے۔ جو مسلمانوں کو ایک ایسی وحدت کی طرف لے جاتا ہے جس میں جنس اور زبان نسب اور قبائلی تعصّبات کی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ اسلام اپنے پیروکاروں میں اس تصورِ وحدت کے ساتھ منفرد و ممتاز ہے جس کی امت اہل عرب و فارس، ہنود، منگول، اہل چین، بربر، سیاہ و سفید اقوام کو بُعدِ مکانی اور تفاوت مصالح کے علی الرغم جمع کر دیتا ہے اور امت کے اس دائرے سے کوئی بھی باہر نہیں رہتا۔ (۲)

---

(۱) سورۃ الانبیاء:۹۲

(۲) منٹگمری واٹ، محمد ز مکہ، ص:۱۶، ۱۷،

امت کا سیاسی مفہوم:

امت کا سابقہ مفہوم بر بناء عقیدہ ہے، سیاسی مفہوم کے اعتبار سے امت کا مفہوم وہ ہے جس کی وضاحت میثاق کی دوسری شق کرتی ہے کہ معاہدہ کے تحت آنے والے تمام طبقات ایک امت ہیں۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم دنیا کی سیاسی تاریخ میں پہلی بار ایک مختلف العقائد اور مختلف الأعراق امت تشکیل دی گئی، جو دراصل ایک غیر متجزی سیاسی یونٹ تھا جس سے عرب کے منتشت قبائل ایک اجتماعی زندگی کے مرافق سے بہرہ ور ہو سکے۔ (۱) اس امت کے افراد، مومنین (مہاجرین و انصار وغیرہ) أعراب، منافقین، مؤلفة القلوب اور یہود سارے ہی تھے۔ اس میثاق میں امت کا مفہوم صرف عقدی یا دینی ہی نہیں بلکہ سیاسی اور عمرانی بھی ہے۔ جس کی وضاحت دستور کی پہلی دفعہ کے الفاظ: "و من تبعهم فلحق بهم و جاهد معهم" سے ہوتی ہے۔ اسی طرح سولہویں دفعہ کے الفاظ: "انه من تبعنا من يهودِ فأن له النصر والأسوّة" میثاق کی دفعہ نمبر ۲۵ میں غیر مسلموں (یہود) کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ " امة مع المومنين"

اس تناظر میں میثاقِ مدینہ عصرِ حاضر کے بین الاقوامی معاہدات میں مختلف اقوام و ملل کے مابین قرار پانے والے اتفاقات کے لئے اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو اگرچہ ایک دینی سوسائٹی ہے مگر اپنی وسعت کے اعتبار سے یثرب میں موجود تمام مختلف عقائد رکھنے والے طبقات کو امت کا نام دیتا ہے۔ تاہم یہ امت ایک سیاسی امت ہے جس کی وضاحت دفعات نمبر ۲۵ تا ۳۵ سے ہوتی ہے جن کے مطابق حلیف یہودی قبائل مسلمانوں کے ساتھ ایک سیاسی امت ہیں، یہ کوئی ہم عقیدہ امت نہیں، اس کی وضاحت دفعہ نمبر ۲۵ کے الفاظ: "لليهود دينُهم وللمسلمين دينُهم" سے ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے مدینہ کے یہ مختلف قبائل سیاسی طور پر ایک امت اور عقیدۃً الگ الگ امتیں تھے"۔ (۲)

---

(۱) عفیفی، محمد الصادق، الاسلام والمعاهدات الدولية: ۲۰۹

(۲) ملاحظہ ہو، ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۵۱۷، ۵۱۸

غیر مسلموں سے سیاسی اتحاد:

معاشرے میں معروف کو پھیلانا، منکر سے روکنا، بد امنی کے خاتمہ اور امن و انصاف اور نظم ضبط کے قیام کے لئے کام کرنا اسلامی ریاست کا شرعی فریضہ ہے۔ ان مقاصد کے قیام کے لئے معاشرے کے تمام طبقات کے تعاون کی ضرورت ہوتی ہے۔ نیز ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے بعض اوقات غیر مسلموں کے ساتھ اتحاد اور ان کا تعاون حاصل کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور باہمی اشتراک سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اس اصولی تعاون کے جواز کے بارے میں قرآن مجید کی کئی آیات سے واضح اشارات ملتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

۱. ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾(۱)

''نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو''۔

۲. ﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ......الخ﴾(۲)

''آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں برابر ہے''۔

۳. ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ......الخ﴾(۳)

''اللہ تعالیٰ عدل کا بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی کے کاموں، ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے''۔

۴. ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ......الخ﴾ (۴)

''تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو''۔

---

(۱) المآئدہ:۲

(۲) آل عمران:۶۴

(۳) النحل:۹۰

(۴) آل عمران:۱۱۰۔ منکر سے نہ روکنا اور خیر کا ساتھ نہ دینے کی سخت مذمت کی گئی ہے چنانچہ بنی اسرائیل کے لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ (المائدہ:۷۹) ''وہ ایک دوسرے کو برے کاموں سے نہیں روکتے تھے''۔

۵. ﴿لا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ م بَيْنَ النَّاس......الخ﴾(۱)

''ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں۔ ہاں! بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے''۔

۶. ﴿ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(۲)

''اور نیک کام کرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ''۔

۷. ﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۳)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

۸. ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُم ......الخ﴾(۴)

''جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو''۔

۹. ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰه......الخ﴾(۵)

''اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ''۔

مندرجہ بالا قرآنی دلائل کے علاوہ سیرت طیبہ کے کئی نظائر سے اس سلسلہ میں واضح و بین راہنمائی ملتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اعلیٰ و ارفع مقاصد لئے غیر مسلموں کے ساتھ اتحاد و تعاون کرنا نہ صرف یہ کہ جائز امر ہے بلکہ مستحسن بھی ہے۔

---

(۱) النسآء:۱۱۴، نیز حدیث پاک میں اس خیر کی مزید تفصیل ملاحظہ ہو، مسند احمد، ۶/۴۴۴

(۲) الحج:۷۷

(۳) الممتحنۃ:۹

(۴) التوبۃ:۷

(۵) الانفال:۶۱

سیرت میں اس کی اہم اور اولین مثال حلف الفضول کی ہے جس میں مختلف قبائل نے اس بات پر اتحاد کیا کہ ظالم کے خلاف مظلوم کی حمایت میں ساتھ دیں گے، سیرت ابن ہشام میں ہے:

"فتعاقدوا و تعاهدوا علی ان لا یجد و بمکة مظلوماً من أهلها و غیر هم ممن دخلها من سائر الناس الا قاموا معه، و کانوا علی من ظلمه حتی تردّ علیه مظلمته."(۱)

اس اتحاد کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لقد شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفا ما احب ان لی به حمر النعم ولو دعی به فی الاسلام لا جبت"(۲)

"میں عبداللہ بن جدعان کے مکان میں ایک ایسے حلف (حلف الفضول) میں موجود تھا جو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ پیارا تھا اور اگر اسلام میں بھی کوئی ایسے عہد کی طرف بلائے تو میں قبول کرلوں گا"۔

رسول اللہ ﷺ کے سیاسی معاہدات سے بھی اس اتحاد کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ ان معاہدات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ جصاص لکھتے ہیں۔

"و قد کان النبی ﷺ عاهد حین قدم المدینة اصنافا من المشرکین منهم النضیر، و بنو قینقاع و قریظه و عاهد قبائل من المشرکین ثم کانت بینه و بین قریش هدنة الحدیبیة الی ان نقضت قریش ذلک العهد بقتا لها خزاعة حلفاء النبی ﷺ "(۳)

"مدینہ تشریف لانے کے بعد نبی اکرم ﷺ نے مختلف انواع کے اہل شرک سے معاہدات فرمائے جن میں بنونضیر، بنو قریظہ، بنوقینقاع اور مشرکین کے بعض دوسرے قبائل تھے۔ پھر آپ کے اور قریش کے مابین حدیبیہ کی صلح بھی ہوئی، یہاں تک کہ قریش نے اس معاہدہ کو آنحضرت ﷺ کے حلیف قبیلہ خزاعہ سے جنگ کر کے توڑ دیا اور اس کی خلاف ورزی کی"۔

---

(۱) ابن ہشام، ۱/۱۴۱

(۲) ایضاً، ابن ہشام، ۱/۱۴۱

(۳) الجصاص، احکام القرآن: ۳/۶۹۔ ان قبائل سے رسول اللہ ﷺ کے معاہدات پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دیگر معاہدات مثلاً بنوضمرہ، بنوجھینہ، مزینہ، بنوخزاعہ علاوہ ازیں صلح حدیبیہ کا معاہدہ نیز شاہان عرب کے ساتھ خط وکتابت وغیرہ، یہ تمام باتیں اس کا ثبوت ہیں کہ مصالح مسلمین کی خاطر غیر مسلموں سے سیاسی اتحاد کیا جا سکتا ہے۔

ان معاہدات میں دستور مدینہ نہایت اہم اور واضح ثبوت ہے۔ اس معاہدہ (دستور مدینہ) میں اس سیاسی اتحاد کے لئے ہی "امۃ مع المومنین" کے الفاظ استعمال کئے گئے۔(۱)

فقہاء اسلام میں متقدمین ومتاخرین ہر دو طبقہ کے جمہور علماء اسی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مصلحت مسلمین کے تحت غیر مسلموں کے ساتھ سیاسی اتحاد کرنا جائز ہے۔(۲)

---

(۱) میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۲۵، عہد نبوی کا نظام حکمرانی ۸۷، ۹۹، نیز ابوعبید کے مطابق بھی اس کا مطلب اتحاد ہی ہے ملاحظہ ہو، الاموال، فقرہ نمبر ۵۱۸، تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، احمد قائد الشعیبی کا مضمون "وثیقۃ المدینہ"، کتاب الامۃ: عدد، ۱۱۰، ۱۴۲۶،

(۲) شرح السیر الکبیر، ۱۴۱/۱۴، الشافعی، الام، ۴/ ۲۷۷، فتح الباری، ص ۴/ ۴۴۲، الشوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار: ۷/ ۲۳۷، سبل السلام ۴/ ۴۹، بدائع الصنائع: ۸/ ۱۰۸ مغنی المحتاج، ۴/ ۳۸۹، ۱ [illegible]، کفایۃ المفتی ۹/ ۳۹۳، ۴۴۵

انسانیت کی بنیاد پر غیر مسلموں کے ساتھ مدارات وحسن سلوک:

ایسے غیر مسلم جو مسلمانوں کے ساتھ پر امن طریقے سے رہیں اور ایک خطے کے مکین کے طور پر بودو باش کرتے ہوں وہ اگرچہ اسلام کے نظام فکر و عمل سے اختلاف رکھتے ہوں تب بھی ان کے ساتھ سیاسی تعلقات کے ساتھ ساتھ بہترین سماجی تعلقات بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ معاہدہ کی دفعہ نمبر ۱۶ کے مطابق غیر مسلم شہری مدد و مساواۃ کے مستحق ہیں۔ اسی طرح دفعہ نمبر ۴۶ میں بطور خاص ان غیر مسلم شہریوں کا ذکر کیا گیا ہے جو معاشرے کا کمزور طبقہ شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ دفعہ نمبر ۴۶ میں ہے "قبیلہ اوس کے یہودیوں کو، موالی ہوں کہ اصل، وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس دستور والوں کو ہیں۔

مدینہ کے بین الاقوامی معاشرے میں غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا اتحاد و تعاون محض نام کا نہیں تھا بلکہ اس اتحاد کی وجہ سے تمام مسلمان اپنے اپنے حلقوں کے غیر مسلم باسیوں کا نہایت خیال کرتے تھے اور ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔(۱)

غیر مسلموں کے ساتھ مدارات اور حسن سلوک کے بارے میں قرآنی ہدایات حسب ذیل ہیں:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ﴾(۲)

ابن عربی مالکی اور دیگر مفسرین کے نزدیک اس آیت میں "تقسطوا" سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلموں پر خرچ بھی کرو اور ان کے ساتھ صلہ رحمی وحسن سلوک کرو۔(۳)

غیر مسلم والدین سے حسن سلوک کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (۴)

پڑوس سے اچھے تعلقات رکھنے کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

---

(۱) مثلاً ملاحظہ ہو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عمل جس میں انہوں نے گھر والوں سے سوال کیا کہ گھر میں جو بکری ذبح ہوئی ہے اس میں سے فلاں یہودی پڑوسی کو کچھ بھیجا ہے؟ رشید رضا، تفسیر المنار: ۹۲/۵، تفصیل ملاحظہ ہو اگلے صفحہ نمبر ۹۹ پر حوالہ نمبر ۳

(۲) الممتحنۃ: ۸ (جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا"

(۳) "و تقسطوا الیھم ای تعطو ھم قسطا من اموالکم و لیس یرید بہ من العدل فان العدل واجب فی من قاتل و فی من لم یقاتل" احکام القرآن: ۲/۲۴۹ نیز احکام القرآن للجصاص: ۳/۵۳۷، (تفسیر طبری ۲۸/۴۱، روح المعانی: ۲۸/۷۵، نیز ملاحظہ ہو، التھانوی، بیان القرآن: ۱/۱۰

(۴) لقمان: ۱۵ نیز ملاحظہ ہو، الکاسانی، البدائع والصنائع: ۷/۱۰۱

﴿وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا.......... وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ﴾(۱)

والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو......اور قرابت دار ہمسایہ اور اجنبی ہمسایہ کے ساتھ"۔

"الجار الجنب" کے ذریعہ پڑوسی کی ایک قسم بتائی گئی ہے۔بعض علماء کے نزدیک اس سے یہودی ونصرانی مراد ہیں (۲) اس کی مزید تائید حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس استفسار سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے گھر والوں سے دریافت کیا کہ بکری جو ذبح ہوئی ہے اس میں سے ہمارے فلاں یہودی پڑوسی کو کچھ بھیجا ہے؟ اس روایت کی بنیاد پر رشید رضا لکھتے ہیں کہ پڑوسی کے خیال کرنے سے متعلق تمام روایات کے ضمن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں۔(۳)

مزید کئی آیات ایسی ہیں جن میں معاشرہ میں رہنے والے غیر مسلم کمزور نادار لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی امداد کرنا شامل ہیں۔مثلاً

۱. ﴿وَیُطۡعِمُوۡنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسۡکِیۡنًا وَّ یَتِیۡمًا وَّاَسِیۡرًا﴾(۴)

"اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدی کو"

۲. ﴿ اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا ہِیَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡہَا وَتُؤۡتُوۡہَا الۡفُقَرَآءَ فَہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ؕ وَیُکَفِّرُ عَنۡکُمۡ مِّنۡ سَیِّاٰتِکُمۡ﴾(۵)

"اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کردو تو وہ بھی اچھا ہے اور اگر اسے پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو مٹا دے گا"۔

۳. ﴿فَکَفَّارَتُہٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیۡنَ ....الخ﴾(۶) "(مضبوط) قسموں کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے"۔

---

(۱) النسآء:۳۶

(۲) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن:۵/۱۸۴، ۱۸۸

(۳) تفسیر منار میں ہے کہ "یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کے سلسلہ میں آنے والی مطلق تاکیدوں سے یہی سمجھا کہ ان میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں اور حضرت ابن عمرؓ کا فہم اور علم تمہارے لیے (دلیل کے طور پر) کافی ہونا چاہیے" (رشید رضا، تفسیر القرآن الکریم (تفسیر المنار)، ۵/۹۲

(۴) الانسان:۸

(۵) (البقرۃ:۲۷۱) آیت میں فقراء کے درمیان مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا گیا۔اس سلسلے میں فقہاء کے مذاہب کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الکاسانی، بدائع الصنائع:۹/۷۸-۷۹

(۶) (المائدہ:۸۹) اس آیت میں مساکین کے درمیان مسلم اور غیر مسلم کا فرق نہیں کیا گیا۔مزید آیات ملاحظہ ہوں مثلاً البقرۃ:۱۷۷، المائدۃ:۹۵، الانفال:۴۱، التوبۃ:۶۰ وغیرہ، نیز بدائع الصنائع:۹/۷۸-۷۹

سیرت طیبہ کے نظائر سے اس بحث کے اور بھی کئی گوشے واضح طور پر ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً غیر مسلموں کی غمی خوشی میں مسلمان مناسب طریقے سے شرکت کر سکتے ہیں۔ خود آپ ﷺ سے غیر مسلم کی عیادت کے لئے تشریف لے جانا ثابت ہے۔(۱) غیر مسلموں کی وفات کی صورت میں تعزیت کرنا اور اگر انہیں اس موقع پر کسی مدد کی ضرورت ہو تو ان کی مناسب امداد کرنی چاہیے۔(۲) اس طرح غیر مسلم اگر فوت ہو جائے اور اس کا رشتہ دار اسے دفنانے والا نہ ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اس کی تجہیز و تکفین کریں۔(۳)

غیر مسلموں کے ساتھ تحائف کے لین دین کا جواز (۴) اس طرح ان کی دعوت کو قبول کرنا (۵) وغیرہ یہ تمام اس بات کے دلائل ہیں کہ ان کے ساتھ بہتر سماجی تعلقات رکھے جا سکتے ہیں۔

---

(۱) نیل الاوطار، ۷/۲۷۹۔

(۲) حضرت علیؓ کو آپ ﷺ نے ابو طالب کے تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا، اسی طرح ثابت بن قیس کو اپنی نصرانی والدہ کے جنازہ کے ساتھ جانے کی اجازت فرمائی۔ اعلاء السنن ۸/۲۸۲۔ امام ابو حنیفہ، ابو یوسف، امام حسن بصری کے نزدیک غیر مسلم کے گھر تعزیت کے لئے جانا درست ہے/ ابو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، کتاب الخراج، ص:۲۰۶

(۳) ملاحظہ ہو غزوہ بدر کے مقتولین کا واقعہ۔ جب شکست کے بعد کفار اپنے مقتولین کو چھوڑ کر بھاگ گئے تو آپ ﷺ نے اپنی نگرانی میں انہیں دفن کروایا۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة وصفة نعیمها...... باب عرض مقعد المیت من الجنة والنار، حدیث نمبر (۷۲۲۲،۷۲۲۴)

(۴) حضور ﷺ نے ۵ ہجری میں ابو سفیان کی طرف عجوہ کھجور ہدیتاً بھیجیں اور ان سے بھی کچھ شے طلب فرمائی۔ ابو عبید، کتاب الاموال:۶۳۱، المبسوط للسرخسی ۱۰/۹۲، رئیس مقوقس نے آپ ﷺ کو دو باندیاں ہدیتاً بھیجیں اور ایک خچر کا ہدیہ ارسال کیا وغیرہ (ابن قیم، محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی هدی خیر العباد، تحقیقی، عبدالرزاق المهدی، ۳/۹۳۶ ،مجموعة الوثائق، ۱۳۶) فقہا نے انہیں روایتوں کو سامنے رکھ کر اس کا جواز بتلایا ہے۔(شرح السیر الکبیر، ۳/۷۲، ابن حجر، فتح الباری: ۵/۱۷۱)، ابن قدامۃ نے اکثر فقہا کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل حرب سے بھی ہدیہ لینا جائز ہے، المغنی :۸/۴۹۵۔ متاخرین فقہا نے بھی لکھا ہے کہ اگر دینی وملی صلابت میں کمی آنے کا اندیشہ نہ ہو تو ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے۔ امداد الفتاوی: ۳/۴۸۱، ۴۸۲۔ فتاوی ہندیہ، کتاب الکراهیة، ۵/۳۴۷، ۶/۳۵۹-۷۶

(۵) مثلاً آپ ﷺ کا یہودی عورت کی دعوت کو قبول کرنا (البخاری: کتاب الطب، باب مایذکر فی سم النبی ﷺ، حدیث نمبر (۴۴۲۸)، ابو داؤد: السنن، کتاب الدیات، باب فیمن سقی رجلاً سماً، حدیث نمبر (۴۵۱۱)

قبائل کے مابین باہمی کفالت پر مبنی نظام (میثاق مدینہ کی روشنی میں)

نبی اکرم ﷺ نے میثاق مدینہ کے ۳ سے ۱۱ تک کے دفعات میں قبیلہ واری کفالت کا بندوبست فرمایا۔ مہاجرین قلت تعداد کی بنا پر ایک وحدت تصور کیے گئے میثاق کی تیسری شق اس سے متعلق ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

"مہاجرین اپنے سابقہ دستور پر رہیں گے اور اپنے سابقہ نظام دیت کے مطابق اپنے خون بہا ادا کریں گے۔ اور درست طریقہ سے اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑائیں گے تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاو نیکی اور انصاف کا ہو" اسی طرح انصار کے مختلف قبائل کا ذکر ہے کہ وہ بھی اپنے سابقہ نظام پر قائم رہیں گے"۔(۱)

اس طرز عمل سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر جاہلی عادات وتقالید دین اسلامی کے بنیادی اصولوں سے متعارض نہ ہوں (جیسا کہ مذکورہ نظام دیت، قیدیوں کی آزادی وغیرہ)، تو انہیں برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

۳ سے ۱۱ تک دفعات، قبیلہ کے افراد پر یہ لازم کرتی ہیں کہ اگر اس قبیلہ کے کسی شخص نے کسی کو خطاءً قتل کردیا ہو تو وہ قبیلہ مقتول کی دیت ادا کرے گا۔ اس نظام کے تحت جہاں قاتل کی مددگار برادری کی طرف سے دیت کی ادائیگی مقتول اور اس کی برادری سے مصیبت کی تخفیف کا سامان ہے وہاں یہ نظام خطا کار جانی کے لیے بھی تخفیف اور مدد کا سبب ہے۔ اور پوری برادری کی طرف سے یہ ادائیگی، جنایت کرنے والے اور دیگر اہل خاندان کے لیئے تنبیہ بھی ہے تاکہ معصوم الدم انسانوں کی زندگیوں کے معاملہ میں تساہل نہ برتا جائے۔

قبائل میں جو عرف، شرعی نظام کے مخالف تھا، اس میں اصلاح کی گئی۔ جاہلیت میں بعض قبائل کے مابین دیت، افراد کے معاشرتی رتبہ کے اعتبار سے طے کی گئی تھی۔ چنانچہ کمتر افراد کی دیت معزز افراد کی دیت سے کمتر ہوتی تھی۔ میثاق نے اس جاہلی نظام کا خاتمہ فرمایا، میثاق کی تمام دفعات ۳ سے ۱۱ کے اختتام تک "بالمعروف والقسط بین المومنین"

---

(۱) سابقہ قبیلہ واری نظام کی بقاء دراصل اجتماعی تکفل کے لیے تھی۔ کسی عصبیت کی بنا پر نہیں۔ عصبیت کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔ ((لیس منا من دعا الی عصبیة)) ، ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی العصبیة، حدیث نمبر (۵۱۲۱، ۵۱۱۹)

کے جملہ سے کیا گیا ہے۔ جس سے اس غیر منصفانہ نظام کا خاتمہ کیا گیا۔

ذیل میں میثاق مدینہ کی روشنی میں مدنی ریاست میں اجتماعی تکفل کے لیے کیے گئے انتظامات کا فقہی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) فدیۃ

فدیۃ سے متعلق دفعہ میں لکھا گیا ہے۔ "وکل طائفة تفدی عانیها بالمعروف والقسط بین المومنین" (۱)
اور ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو خود فدیہ دے کر چھڑائے گا تاکہ ایمان والوں کا باہمی برتاو نیکی اور انصاف کا ہو۔
یا اس کا یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ ہر گروہ اپنے ہاں کے قیدی کو نیکی وانصاف کے ساتھ فدیہ دے کر چھڑائے گا۔

یہ شق میثاق مدینہ میں ۹ مرتبہ لائی گئی جس سے نوزائیدہ اسلامی حکومت میں عوامی مدد سے اجتماعی تعاون وتکافل کے نظام کو فروغ دیا گیا۔ اس کے تحت مسلمانوں کے تمام قبائل اپنے قیدی کو چھڑانے کے لیے فدیۃ دینے کے پابند تھے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مذکورہ ضابطہ کسی خاص طریقہ پر فدیۃ کی قید سے آزاد (مطلق) ہے چنانچہ فداء کا کوئی سا طریقہ جیسے مال، دشمن قیدیوں کے بدلہ یا مہارات (Experties) وخدمات (services) کے بدلہ میں رہائی کی صورت وغیرہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ (۲)

مال کے بدلہ میں مسلمان قیدیوں کو آزاد کرانا:

قیدیوں کو آزاد کرانے کے اس طریقے کو سیرت سے تائید حاصل ہے۔ غزوہ بنی مصطلق میں حارث بن ابی ضرار کی بیٹی جویریۃ مسلمانوں کی قیدی بن گئیں۔ وہ اونٹوں کی ایک بڑی تعداد بطور فدیۃ لے کر دربار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے۔ ابتداً نبی کریم ﷺ نے اس مال کو بطور فدیہ قبول فرمادیا تھا۔ لیکن جب حارث مسلمان ہوگئے تو آپ ﷺ نے ان پر احسان کرتے ہوئے ان کی بیٹی جویریہ واپس ان کے حوالہ کردی۔ حضرت جویریہ نے اسلام قبول کرلیا اور نبی اکرم ﷺ کے عقد میں آگئیں۔ (۳)

---

(۱) مجموعة الوثائق السیاسیة، وثیقہ نمبر۱۰، شق ۳ تا ۱۱

(۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۴۵۵

(۳) مسند احمد، ۶/۲۷۷، ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۴۵۶

نبی کریم ﷺ کا بطور فدیہ مال کو قبول کرنا خود مسلمان قیدیوں کے لیے بھی اس طریق سے رہائی کی مشروعیت پر دلالت کرتا ہے۔

فقہاء کرام کے مابین اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ مسلمان اسیروں کی رہائی کے لئے فدیہ کا یہ طریق اختیار کیا جائے تاہم اس امر میں اختلاف ہے کہ کیا کافر قیدیوں کو مال لے کر چھوڑا جا سکتا ہے؟ اس ضمن میں امام ابوحنیفہ سے ایک روایت ممانعت کی منقول ہے تاہم ان سے دوسری روایت جس کو ابن ہمام نے ترجیح دی ہے اور جو صاحبین (ابوحنیفہ) کا مسلک بھی ہے نیز جمہور بھی اس کے قائل ہیں کے مطابق مال لے کر بلکہ احساناً بھی کافر قیدیوں کو چھوڑا جا سکتا ہے۔(۱)

قیدیوں کے بدلہ قیدیوں کی رہائی:

فقہی ودینی تراث میں مسلمان کا دم انتہائی محترم سمجھا گیا ہے۔ مسلمان کے دم کی حفاظت لیئے جہاں مال دینا جائز ہے تو مسلمان قیدیوں کی رہائی کے لیئے فدیہ کا یہ طریقہ بھی درست ہے۔(۲)

فقہاء کرام میں سے امام شافعی، امام محمد اور امام ابویوسف اس کے قائل ہیں کہ مسلمان قیدیوں کو بطور فدیہ لے کر کافر قیدیوں کو رہا کرنا جائز ہے کیونکہ اس سے مقصود مسلمانوں کو کافروں کی قید سے رہا کرنا ہے۔ اور یہ کافر کو قتل کرنے، اس کو غلام بنانے یا جزیہ لینے سے بہتر ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے اس سلسلہ میں دو روایات منقول ہیں۔ ایک روایت جواز کی ہے اور دوسری عدم جواز کی۔ ابن ہمام نے امام ابوحنیفہ سے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے، جس میں آپ صاحبین اور امام شافعی کے ہم نوا ہیں۔(۳)

سیرت طیبہ سے اس طریق کے جواز کے کئی نظائر ملتے ہیں۔

---

(۱) المرغینانی، برهان الدین، ابی الحسن علی بن أبی بکر، الهدایة، (اولین) ۵۴۶، ۵۴۷، نیز ابن ہمام، کمال الدین فتح القدیر: ۵/۲۱۹، نیز ملاحظہ ہو، ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۴۵۵، ۴۵۶۔ روایات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الشوکانی، نیل الاوطار: ۷/۳۱۹

(۲) ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۳۲۰

(۳) ملاحظہ ہو، الهدایة اولین (م ن) ص: ۵۴۷۔۵۴۶، فتح القدیر، (م ن) ۵/۲۱۹۔۲۲۰

سریہ عبداللہ بن جحش میں قریش کے دو قیدی اور اونٹ مسلمانوں کے ہاتھ لگے قریش نے فدیہ دے کر انہیں چھڑانا چاہا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہم اس وقت تک ان لوگوں کو واپس نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے دو قیدیوں کو چھوڑ نہیں دو گے۔ اگر تم نے انہیں قتل کیا تو ہم تمہارے لوگوں کو قتل کر دیں گے۔ اسی طرح قیدیوں کا قیدیوں کے ساتھ تبادلہ عمل میں آیا۔(۱)

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے دو مسلمان قیدیوں کے بدلہ میں بنی عقیل کے ایک فرد کو رہا فرمایا۔(۲)

مہارات وخدمات کے بدلہ میں اسیروں کی رہائی:

اس طریقہ کا ثبوت بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں بھی ملتا ہے۔ بدر کے قیدیوں کی مہارات (Expertis) سے فائدہ اٹھایا گیا۔ اور تعلیم یافتہ قیدیوں کو مسلمان بچوں کی تعلیم دینے کے بدلہ میں آزاد کیا گیا۔ چنانچہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ ''وھذا یدل علی جواز الفداء بالعمل کما یجوز بالمال ''(۳) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مال کی طرح کام سکھانے کے عوض میں بھی قیدیوں کو آزاد کیا جا سکتا ہے''

(۲) غارمین (قرضدار یا ضامن) کے قرضوں کی ادائیگی کا انتظام:

اجتماعی تکفل وتعاون کے حوالے سے میثاق مدینہ اسلامی ریاست کے جن اقدامات کا تذکرہ کرتا ہے ان میں سے ایک بہت اہم اقدام جو معاشی اعتبار سے کمزور افراد (بالخصوص جو قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوں، کثیر العیال اور مفلوک الحال ہوں یا کسی شخص کی ضمانت دینے کے باعث تاوان گزار ہوں، یا ایسے مفلس افراد، جو ادائے دیت سے قاصر ہوں) کے ساتھ مالی تعاون ہے۔ میثاق مدینہ کی دفعہ ۱۲ اس سے متعلق ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

''وأن المؤمنین لا یترکون مفرحاً بینھم أن یعطوہ بالمعروف فی فداء او عقل''

''اور ایمان والے کسی قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے کو مدد دیئے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔ کہ ہمدردی کے ساتھ اس کا فدیہ ودیت ادا نہ کریں''۔

عربی نص میں لفظ ''مفرح'' استعمال ہوا ہے۔

ابن ہشام کے مطابق اس سے مراد بہت زیادہ عیال دار اور قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا پریشان حال شخص ہے۔(۴)

---

(۱) ابن ہشام: ۲/۲۵۴، ۲۵۵

(۲) زاد المعاد: ۲/۴۵۶ نیز الشوکانی، نیل الاوطار: ۷/۳۱۹

(۳) زاد المعاد: ۲/۴۵۶

(۴) ابن ہشام: ۲/۱۴۸، الروض الانف، ۴/۲۴۱، النہایۃ، فی غریب الحدیث والاثر: ۳/۴۲۴، نیز لسان العرب، مادہ ''فرح''

بعض جگہوں پر مفرح کی بجائے مفرج کا لفظ ہے اس کے معنی بھی مفرح کے ہیں، البتہ جیم سے اس لفظ کے معنی اس مقتول کے بھی آتے ہیں جو دو بستیوں کے درمیان پایا جائے۔ اور اس کا قاتل معلوم نہ کیا جاسکے۔ ابن سعد کی رائے یہ ہے کہ مفرح سے مراد وہ ضرورتمند افراد بھی ہوسکتے ہیں جو معاشرہ میں رہتے ہوں مگر ان کا کوئی سرپرست نہ ہو۔(۱)

اسلامی ریاست نے اپنے ابتدائی دور میں جب کہ زکوۃ وغنائم اور دیگر محاصل موجود نہ تھے اور معاشی اعتبار سے ریاست اس بارگراں کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی کہ معاشرے کے کمزور طبقہ کی معاشی اور اقتصادی ریلیف کا انتظام کرے، اس تعاونی امر کو مختلف محلوں اور قبیلوں پر تقسیم کر کے آسان کر دیا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے شہر کو محلّہ وار مجالس میں تقسیم کر دیا اور ہر مجلس اپنے محلّہ کے افراد کی مدد کرنے کی پابند ہوئی شق نمبر۱۲۔ الف سے گزشتہ شقوں کی وضاحت کردی گئی کہ اگر کوئی محلّہ وار مجلس اپنے کسی اہل محلّہ کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے قابل نہ ہوتو دیگر مسلم قبائل اور مجالس ان کے ساتھ مدد کرنے کی پابند ہوں گی۔(۲)

ایک جدید اسلامی مفکر نے اس عمل کو انسانیت کی عزت وسرفرازی کا کارخیر قرار دیا ہے۔ ان کے بقول:

''اہل ایمان کی طرف سے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ میں شرکت ہو، خطا کار جانی کی جانب سے ادائیگی دیت میں تعاون ہو یا مفلوک الحال اور مقروض کی امداد، وہ انسانیت کی عزت وسرفرازی کے لیے اجتماعی تعاون کا کارخیر سرانجام دیتے تھے، غلامی اور مظلومانہ موت کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے۔ کیونکہ جاہلیت میں وقت مقررہ میں قرض کی واپسی نہ ہونے پر قرض اس قدر بڑھ جاتا کہ مقروض قرض خواہ کا غلام بن جاتا اور اس کے لیے قرض دہندہ کے ہرامرونہی کو بجالانا ضروری ہوجاتا تھا۔(۳)

اگر ''الضمان الاجتماعی'' سے مراد یہ ہے کہ اسلامی رفاہی مملکت مشکل حالات میں محتاجوں کو فوری امداد فراہم کرنے کی پابند ہو نیز ''التکافل الاجتماعی'' کا مفہوم یہ ہے کہ معاشرے کے افراد کے مابین امداد باہمی کا باقاعدہ انتظام موجود ہوتو میثاق مدینہ کی دفعات ۳-۱۲ اس کی عملی تصویر ہیں جن کے تحت قبیلہ کے افراد اپنے محتاج کی مدد کرنے، اپنے

(۱) السہیلی، الروض الانف،۴/۲۴۱، ابوعبید، کتاب الاموال:۲۰۲

(۲) میثاق مدینہ، شق نمبر۳ تا ۱۱، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۹۰

(۳) جمال الدین عیاد، حکومۃ رسولؐ بالمدینۃ: ۴۵

اسیروں کو چھڑانے، اور قبیلہ میں موجود بے مایہ اور مقروض کی معاونت کے پابند تھے۔

میثاق مدینہ کے تحت عوامی سطح پر امداد باہمی کا مذکورہ نظام ریاست کے معاشی بوجھ میں کمی کرنے کی ایک بہترین نظیر ہے جسے عصر حاضر کی جدید ریاستیں بھی اختیار کرتی ہیں۔(۱)

(۳) عاقلہ پر دیت کی ذمہ داری:

یہ بات مسلمہ ہے کہ کوئی بھی حکومتی مشینری تمام تر وسائل کے باوجود عوام کی عملی شرکت اور تعاون کے بغیر اپنے ترقیاتی کاموں میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ نہ ہی جرائم کا خاتمہ عوامی تعاون کے بغیر ممکن ہوسکتا ہے۔

ریاست مدینہ میں جبکہ باقاعدہ خزانہ قائم نہ ہوا تھا اور نہ ہی بیت المال سے رفاعی امور کا تکفل ممکن تھا۔ میثاق کی دفعات ۳-۱۱ کے مطابق تمام بطون اس بات کے پابند تھے کہ وہ اپنی دیتیں ادا کریں گے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں۔

''اور خون بہا (ضمان ودیت) کی ادائیگی کے لیے قدیم نظام کی توثیق وتشریح کی گئی کہ اگر کوئی شخص کسی رقمی ادائیگی کا مستوجب ہو تو اس کی مدد اس کے سب رشتہ دار کریں گے''۔(۲)

قتل خطا میں دیت کا عاقلہ پر ایجاب متواتر احادیث اور اجماع سے ثابت ہے۔ وثیقہ مدینہ کی یہ شق اس سلسلہ میں ایک مستقل دلیل ہے۔(۳)

عربوں میں اسلام سے پہلے دیت کا بوجھ مل جل کر برداشت کرنے کا رواج تھا بلکہ اسے مکارم اخلاق میں شمار کیا جاتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت مکارم اخلاق کے اتمام کے لیے ہوئی تھی، بنابریں اس رواجی فعل کو اس کے محاسن کی بناء پر برقرار رکھا گیا تھا۔

عاقلہ پر دیت کے محاسن بیان کرتے ہوئے جصاص لکھتے ہیں۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ''العانی، أسامة عبدالمجید ، رؤیة اقتصادیة لأول وثیقه، سنّها رسول الاسلام، الاسلام الیوم مجلة دوریة تصدرها المنظمة الإسلامیة للتربیة والعلوم الثقافة أولیسیسکو، العدد (۱۳)، ۱۴۱۰/۱۹۹۵م، ص:۲۸

(۲) عہد نبوی میں نظام حکمرانی:۸۹

(۳) نیز ملاحظہ، الجصاص، احکام القرآن:۲/۲۲۳

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ (یعنی عاقلہ پر دیت کی ذمہ داری کا طریق کار) ارشاد باری تعالی ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾ (۱) ہر شخص اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے اور کوئی کسی کے جرم کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، کے منافی ہے، اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ بھی ہے جس کے مطابق ''کوئی آدمی اپنے باپ اور بھائی کے جرم میں نہ پکڑا جائے گا (۲) تو یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ قاتل کے ساتھ ساتھ عاقلہ پر دیت واجب ہونا مجرم کے جرم کی بناء پر بایں معنی نہیں کہ انہیں بھی مجرم سمجھا جارہا ہے۔ دیت تو قاتل پر عائد ہوتی ہے۔لیکن عاقلہ کو قاتل کے ساتھ مل کر دیت کا بوجھ اٹھانے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ اس کا ہاتھ بٹا سکیں اور اس سے اظہار ہمدردی کر سکیں یہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالی نے اغنیاء کے اموال میں فقراء کے حقوق رکھے ہیں اس کی یہ وجہ یہ نہیں کہ اغنیاء سے کوئی جرم یا گناہ سرزد ہوتا ہے جس کی پاداش میں یہ مالی بوجھ ان پر رکھا جاتا ہے۔

غرض یہ ہمدردی اور غمخواری کا جذبہ پیدا کرنے اور باہمی تعلقات بہتر بنانے کے لیے ترغیب دیئے جانے والے امور میں سے ایک امر ہے۔جس کی کئی قابل قبول وجوہ ہیں۔

(من جملہ ان کے یہ ہے) کہ باہمی تعاون اور ہاتھ بٹانے کے تصور کی بنیاد پر دی گئی ذمہ داری ہمارے اصحاب کی رائے میں ان لوگوں پر ڈالی گئی ہے جن کے ناموں کا سرکاری طور پر اندراج قاتل کے نام کے ساتھ اہل دیوان (یعنی وظائف کے دفتر) میں ہوگا، باقی رشتہ داروں پر یہ بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ جنگ اور دفاع کے موقعہ پر ان لوگوں پر باہمی تعاون وحمایت ضروری تھا اسی طرح دیت کا بوجھ اٹھانے میں بھی یہ حکم رکھا گیا نیز اس سے قبائل کے مابین پہلے سے پیدا شدہ بغض وعداوت اور کینہ کا خاتمہ کیا گیا اور باہمی الفت ومحبت اور بہتر تعلقات کو فروغ ملا۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص دوسرے پر لازم ہونے والی ذمہ داری اپنے سر لے تو اس سے دونوں کے مابین پائی جانے والی عداوت اور کینہ ختم ہوجائیں گے۔(۳)

---

(۱) الانعام:۱۶۴

(۲) ابوداؤد، السنن، کتاب الدیات، باب لا یوخذ الرجل بجریرة ابیه أو اخیه، حدیث نمبر(۴۴۹۵)

(۳) الجصاص، احکام القرآن (ملخصاً)۲/۲۲۴۔۲۲۵

(۴) ولاء:

میثاق مدینہ کے مطابق کسی قوم کے ساتھ موالات رکھنے والے شخص کو ان کی اجازت کے بغیر کسی اور سے رشتۂ موالات قائم کرنے کی ممانعت کی گئی۔(۱)

موالات، عربی لفظ ''ولاء'' سے مشتق ہے۔عربی زبان میں ملکیت، ولایت، نصرت، حمایت، سرپرستی اور نگرانی جیسے معنوں میں مشترک ہے۔(۲)

جصاص نے آیت کریمہ: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ (۳)
''ماں باپ یا قرابت دار جو چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کردیئے ہیں'' کے تحت عقد موالات پر تفصیل سے بحث قلمبند کی ہے۔

اس ضمن میں صحابہ وتابعین کے اقوال درج ذیل ہیں:

مولی سے مراد وہ شخص ہے جو کسی چیز کا سرپرست بن جائے غلام کو آزاد کردینے والا آقا بھی مولی کہلاتا ہے۔اور اسے مولی النعمۃ کہا جاتا ہے یعنی جس کی بدولت غلام کو نعمت آزادی میسر آسکی ہے۔آزاد شدہ غلام کو بھی مولی کہا جاتا ہے۔ حلیفی اور دوستی کے معاہدہ میں شریک حلیف کو بھی مولی کہا جاتا ہے۔چچا زاد بھائی کو بوجہ قرابت، مدد وتعاون کرنے کی بناء پر بھی مولی کہا جاتا ہے۔مددگار اور معاون کو بھی مولی کہتے ہیں اس کی نظریہ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ﴾(۴)
وہ اس لئے کہ ایمان والوں کا کارساز خود اللہ تعالی ہے اور اس لئیے کہ کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔

زمانہ قبل از اسلام میں ولاء ایک مستقل ادارہ تھا جس کے تحت مختلف افراد وقبائل یا قبائل وقبائل کے مابین عقد

---

(۱) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ا۔شق نمبر (۱۲۔ب)

(۲) لسان العرب، مادۃ (ولی)

(۳) النساء:۳۳

(۴) محمد:۱۱

موالات تشکیل پاتا تھا۔ ایک فرد دوسرے کے ساتھ موالات کی بیعت کرتا تھا کہ میرا خون تیرا خون ہے، تو میرا وارث ہے اور میں تیرا وارث ہوں، میرے ساتھ جنگ کرنا تجھ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے اور تجھ سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔(۱۲) اس عہد وپیمان کے بعد اگر وہ شخص مرجاتا تو دوسرے کا وارث قرار پاتا۔

عہد وپیمان اور موالات کی بناء پر توریث کا یہ نظام اسلام کے ابتدائی دور میں باقی رہا ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾(۲)

وہ لوگ جن سے تمہارے عہد وپیمان ہیں انہیں ان کا حصہ دو۔

ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں، یہ نقل کیا گیا کہ عقد موالات کی بناء پر ایک مہاجر اپنے انصاری بھائی کا وارث ہوتا تھا۔ انصاری کے اپنے اقارب اس کے وارث نہ بنتے تھے۔ بعدازاں اس کا ایک حصہ آیت کریمہ ﴿ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾(۳) کے نزول سے بایں طور منسوخ ہوا کہ وہ وارث تو نہ رہے البتہ ان کے حق میں ایک تہائی ترکہ میں وصیت کی جانے لگی۔

بعدازاں ارشاد باری تعالی: ﴿ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾(۴) ''اور رشتہ دار اللہ کے حکم سے ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں کی بنا پر ان کا استحقاق وارثت ختم کردیا گیا، اور رشتہ داروں کی موجودگی میں ان کی میراث منسوخ ہوگی۔ البتہ اقرباء کی عدم موجودگی میں یہ حکم باقی رہا۔

غرض موالات اور حلیفی، تمدن عرب میں ایک مستقل ادارہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ میثاق مدینہ نے اس ادارہ کو شرعی

---

(۱) اس کی ایک جھلک بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا ((بل الدم الدم، والهدم الهدم أنا منكم و أنتم منّي ، أحارب من حاربتم، و أسالم من سالمتم)) (ابن ہشام : ۲/۸۵، الروض الانف:۴/۸۲، ۴/۱۲۱، ۱۲۲، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ۵/۵۳۰)

(۲) النساء:۳۳

(۳) النسآء:۳۳

(۴) الانفال:۷۵

نظام کا پابند کیا چنانچہ دفعہ ۱۲ کی شق میں یہ بات کہی گئی۔ کہ'' کوئی مومن کسی دوسرے کے مولی (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ حلیفی نہیں کرے گا۔(۱)

چنانچہ اس دفعہ سے لوگوں کو ایک دوسرے کے معاہداتی بھائی سے معاہدہ حلیفی سے روکا تھا۔ اس کی تائید آپ ﷺ کے اس ارشاد پاک سے ہوتی ہے۔

((من تعالیٰ قوما بغیر اذن موالیه، فعلیه لعنة الله والملائكة لا یقبل منه صرف ولا عدل))(۲)

جو اپنے آزاد کنندہ معاہداتی بھائی کی اجازت کے بغیر دوسرے سے عقد ولاء کرے گا اس پر اللہ تعالی کی اور فرشتوں کی لعنت ہے اس کی توبہ قبول ہوگی نہ فدیہ۔

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے ولاء کی خرید وفروخت اور اس کو ہبہ کر دینے کی ممانعت بھی فرمائی ہے۔

((عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ نهى عن بيع الولاء وعن هبته))(۳)

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ولاء ایک منظّم ادارہ کی شکل میں قدیم زمانہ سے عرب میں موجود تھا۔ بنابریں یہ عقد حلیفی ہر دو فریق کے مابین بہت سے مصالح کا حامل ہوتا تھا۔ مولی اس عقد حلیفی کے تحت جہاں تمام قسم کی معاشی، معاشرتی اور سماجی سرگرمیوں میں شریک ہوتا اور ان کے ثمرات سے مستفید ہوتا تھا وہاں قبیلہ بھی اپنے موالی کی مہارات اور خدمات سے بہرہ مند ہوتا تھا۔

میثاق مدینہ نے عرب قبائل، بالخصوص اوس اور خزرج کو اس بات کا پابند کیا کہ ان میں سے کوئی دوسرے کے معاہداتی بھائیوں سے تعلقات قائم نہ کر سکے گا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقدام ان قبائل کے مابین سابقہ جنگوں اور ناموافق

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الجصاص، احکام القرآن: ۲/۱۸۵۲۔۱۸۷

(۲) مسلم، کتاب العتق، باب تحریم تولی العتیق غیر موالیه، حدیث نمبر ۳۷۹۱

(۳) مسلم، کتاب العتق، باب النهی، عن بیع الولاء وهبة، حدیث نمبر ۳۷۸۸

حالات کی بنا پر ولاء کے معاہدات پر دیا گیا ہے، تا کہ ولاء کے معاہدات ان کے مابین سابقہ رنجشوں کو دوبارہ سے اجاگر نہ کر دیں۔ نتیجتاً دیگر اجتماعی اور سیاسی مسائل پیدا ہوں۔

اس طرز کے معاہدات دراصل بہت سے حرام امور پر مشتمل ہوتے تھے مثلا اس میں یہ شرط ہوتی کہ ہر جائز و ناجائز کام میں ایک دوسرے کی مدد کی جائے گی میثاق نے ان معاہدوں کو باطل قرار دیا جن کی رو سے غیر کے مقابلہ میں حلیف اور رشتہ دار کی نصرت وامداد ضروری ہوتی تھی خواہ یہ حلیف ظالم ہوتا یا مظلوم، نیز پھر قبائل وبطون کے مابین قرار پانے والے یہ فردی معاہدات ولاء، امت کے اجتماعی ولاء کے تصور کے منافی ہے۔ جسے میثاق کی دفعہ نمبر ۱۵ میں ذکر کیا گیا ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں:

((ان المومنين بعضهم موالي بعض دون الناس))(۱)

میثاق کی ان دونوں دفعات کو دیکھا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ دفعہ ۱۲ اب کے لیے نئے معاہدات ولاء کو منع کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔اور دفعہ ۱۵ کے الفاظ نے سارے مومنین کو آپس میں ایک دوسرے کے ولی قرار دے دیا ہے۔ چنانچہ تمام اہل ایمان دیگر تمام اقوام سے جدا آپس میں ایک دوسرے کے اولیاء ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾(۲)

"مومن مرد اور عورت آپس میں ایک دوسرے کے مددگار (معاون) دوست ہیں۔"

اس آیت کے تحت مومن کے لیے کسی غیر مسلم سے عقد موالات کرنا درست نہ تھا۔

---

(۱) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، شق نمبر ۱۵

(۲) التوبۃ:۷۱

سورۃ آل عمران میں ہے۔

﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾(۱)

مومنوں کو چاہیے کہ ایمان والوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں۔

میثاق مدینہ نے جس حلیفی کو برقرار رکھا وہ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں ایک دوسرے پر لازم ہونے والے اس نظام دیت کی ادائیگی کے سلسلے میں تھا جو نصرت اور مدد کی بناء پر لازم ہوتا تھا۔

امام جصاص نے اس رائے کو ترجیح دی ہے۔

جصاص لکھتے ہیں کہ ''اس صورت میں ان کا یہ تعاون قبیلہ واری بنیاد پر تعاون سے اہم تھا۔ چنانچہ جاہلیت میں اگر وہ اپنے دواوین (رجسٹرڈ ناموں) اور ''قبیلہ کے'' جھنڈوں کو باہمی تعاون وامداد کی بنیاد بناتے اب ان کی عدم موجودگی میں بھی ایک دوسرے سے تعاون وامداد کرتے تھے۔(۲)

جصاص کے مطابق اسلام نے جس حلیفی کو برقرار رکھا وہ باہمی تعاون وتناصر کی بنیاد پر حلیفی کا وہ عہد تھا جس کے مطابق قتل خطا میں یا مفلوک الحال مقروض یا جانی کی طرف سے عاقلہ کے طور پر دیات کی ادائیگی کا عہد کیا جاتا تھا۔(۳)

میثاق مدینہ میں ہر قبیلہ یا گروہ پر اس کے افراد کے کیے ہوئے جرائم کی دیتوں اور تاوانوں کی ادائیگی کی ذمہ داری بھی اسی بنیاد پر رکھی گئی تھی۔

مذکورہ بالا یہ نظام اس تعاونی بیمہ کی تائید بھی کرتا ہے جس کے ذریعہ ناگہانی نقصان اٹھانے والے افراد کی مدد کی جاتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک فرد کے نقصان کو پوری برادری پر اس طرح پھیلا دیا جاتا ہے کہ ہر فرد ایک خفیف سی قربانی دے کر تمام لوگوں کے ناگہانی نقصانات کا ازالہ کر دیتا ہے۔ دوسروں کے ساتھ اس طرح کا تعاون کرنا

---

(۱) آل عمران:۲۸

(۲) الجصاص، احکام القرآن:۲/۲۲۶

(۳) الجصاص، (م ن):۲/۲۲۶

نیکی و بھلائی کے کام ہیں جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾(۱)
”نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو“

بخاری شریف کی ایک روایت سے یتیم بچوں کی کفالت اور مرنے والوں کے نقصان کی تلافی کرنے کا اشارہ ملتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

”عن ابی هریره قال قال رسول الله ﷺ ﴿انا اولیٰ بالمومنین من انفسهم فمن مات و ترک مالاً فما له لموالی العصبة و من ترک کلا او ضیاعاً فانا ولیه فلادعیٰ له﴾(۲)
”مسلمانوں پر ان کے نفوس سے زیادہ حق میرا ہے جو آدمی مال چھوڑ کر مر جائے وہ مال اس کے ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا اور جو آدمی نادار یتیم بچے اور نقصان چھوڑ کر مرا تو اس کا ولی میں ہوں اس کے لئے مجھ سے مطالبہ کیا جائے“

ان نقصانات کی تلافی اگرچہ اسلامی ریاست کے ذمہ ہے مگر ریاست کی سرپرستی میں اس نقصان کی تلافی کے لئے کچھ ادارے بھی بنائے جا سکتے ہیں۔ عاقلہ پر دیت مقرر کرنے میں بھی یہی روح کارفرما ہے۔

---

(۱) المائدہ:۲۔ باہمی تعاون کو قرآن نے کئی مقامات پر سراہا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا و یوثرون علی انفسهم و لو کان بهم خصاصة. و من یوق شح نفسه فاولئک هم المفلحون﴾ (الحشر:۹)

(۲) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الفرائض، باب ابنی عم أحدهمااخ للام والاخیرزوج، حدیث نمبر (۶۷۴۵، نیز ۲۳۹۸)، امام بخاری میں کئی ابواب کے ذیل میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔ ایک جگہ باب الدین، کتاب فی الاستقراض وأدا الدیون والحجر والتفلیس (حدیث نمبر ۲۳۹۸) کے ذیل میں اس قسم کی روایت نقل کی ہے۔ جس سے مرنے والے قرض داروں اور ناداروں کے نقصان کی تلافی کی طرف واضح اشارات موجود ہیں۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات مبارکہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔عن المغیرۃ بن شعبۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ((المرأۃ یعقلها عصبتها ویرثها بنوها)) (۱)

''عورت کی دیت اس کے عصبات ادا کریں گے اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوگی''

۲۔عن الشعبی قال : جعل رسول اللہ ﷺ عقل قریش علی قریش و عقل الانصار علی الانصار (۲)

''رسول اللہ ﷺ نے قریش کی دیت قریش پر مقرر کی اور انصار کی دیت انصار پر''

مذکورہ بالا تمام روایات میں ہر جگہ نقصان کے ازالہ کے لئے برادری کا تصور ملتا ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی یہ برادری قبیلہ ہی ہوگا مگر بعض دیگر فقہاء بالخصوص مالکیہ کے نزدیک ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے حمایت اور نصرت ہونے لگے تو پھر قاتل کی عاقلہ اس کے ہم پیشہ لوگ ہو سکتے ہیں۔(۳)

(۱) مصنف عبدالرزاق ۹/۳۹۸، الھیثمی، نورالدین علی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: ۶/۳۰۰

(۲) مصنف عبدالرزاق ۹/۳۱۹، نیز میثاق مدینہ، دفعات ۳ تا ۱۱

(۳) (i) ھدایہ میں ہے کہ قاتل اگر اہل دیوان میں سے ہو تو اس کی عاقلہ اہل دیوان ہیں ان کے وظیفوں سے تین سال میں دیت کو وضع کر دیا جائے گا۔ الہدایۃ (اخیرین) ۶۴۴، ۶۴۵، ۸۷۴۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، محمود احمد غازی، مسودہ قانون ودیت (ادارہ تحقیقات اسلامی) ص: ۱۲۸)

(ii) مفتی محمد شفیع اور مفتی ولی حسن کے مطابق تعاونی بیمہ فی نفسہ جائز ہے اور مختلف پیشوں اور حرفوں کے لوگ ایک عاقلہ قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ ملاحظہ ہو) مفتی محمد شفیع، بیمہ زندگی، ص: ۲۴ تا ۵۳

تعاونی بیمہ سے متعلق عہد حاضر کے اجتماعی فقہی اداروں کی آراء:

بیمہ سے متعلق تفصیلی بحث ایک مستقل کتاب کی محتاج ہے اور اس پر اب تک دنیا میں موجود اجتماعی فقہی اداروں مین معتدبہ کام ہو چکا ہے اس کے باوجود کوئی متفقہ رائے سامنے نہیں آسکی ان اداروں کی سفارشات سے بیمہ کی بعض صورتوں کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ اس ضمن میں درج ذیل باتیں متفقہ طور پر سامنے آتی ہیں۔

تعاونی بیمہ جائز ہے لیکن یہ درج ذیل مقاصد یا اس کے ذیلی مقاصد کے لئے ہونا چاہئے:

- ناگہانی حادثات کی صورت میں نقصان سے بچانا۔
- پیش آمدہ کسی مالی ذمہ داری یا تاوان کی ادائیگی۔
- ضروری امور کی تکمیل مثلاً مکان کی تعمیر، بچوں کی تعلیم وغیرہ کے لئے رقوم کا انتظام۔

- اچانک تبدیلی یا کسی آفت کی بنا پر مالی/کاروباری نقصان کا ازالہ۔
- سرمایہ کا تحفظ۔

مندرجہ بالا مقاصد یا ذیلی مقاصد کے حصول کے لئے ایسا متبادل نظام بنایا جائے جس کے راہنما اصول یہ ہوں۔

- یہ نظام تعاون و تکافل پر مبنی ہونا چاہئے اور اس کو ارتکاز دولت کا سبب نہیں بننا چاہیئے۔
- یہ نظام حرام عناصر مثلاً ربا، غرر، غبن فاحش، اکراہ ضرر وغیرہ سے پاک ہو۔
- جمع شدہ رقوم کی سرمایہ کاری اسلامی طریقوں اور شرعاً جائز کاروبار میں کی جائے۔
- کسی ایسی شے کا بیمہ نہ کیا جائے جو شرعاً ناجائز ہو۔
- بیمہ کے کاروبار کا مقصد صرف بیمہ داروں کے مفادات کا تحفظ ہو۔

موجودہ نظام بیمہ کے متعلق عہد حاضر کے فقہی اداروں کی رائے:

موجودہ نظام بیمہ سے متعلق اکثریتی فقہی اداروں کی رائے یہ ہے کہ

- موجودہ نظام بیمہ میں ربا، غرر، قمار اور ضرر کے عناصر پائے جاتے ہیں۔ اس لئے یہ شرعاً ناجائز ہے۔
- موجودہ نظام بیمہ ایک تجارتی معاہدہ ہے جس کا مقصد نفع اندوزی ہوتا ہے چونکہ یہ نظام، تعاون اور ہمدردی پر مشتمل نہیں لہذا شرعاً ناجائز ہے۔

بین الاقوامی اسلامی فقہ اکیڈمی کے دوسرے اجلاس جدہ میں مورخہ ۱۰ تا ۱۶ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ مطابق ۲۲ تا ۲۸ دسمبر ۱۹۸۵ء منعقد ہوا۔ جس میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔

- متعین پریمیم (حصہ) والا تجارتی انشورنس؛ جس کا تجارتی انشورنس کی کمپنیاں معاملہ کرتی ہیں۔ ایسا عقد ہے جو کھلے دھوکے پر مشتمل ہے۔ یہ چیز اس عقد کے فساد کا موجب ہے۔ اس لیے وہ شرعاً حرام ہے۔
- موجودہ تجارتی انشورنس کا متبادل عقد؛ جو اسلام کے اصول معاملات کا احترام کرتا ہو؛ وہ تعاونی انشورنس (Mutual Insurance) ہے۔ جو صرف عطیہ اور تعاون کی بنیاد پر قائم ہو۔ اسی طرح ری انشورنس بھی صرف تعاونی انشورنس کی بنیاد پر جائز ہو سکتی ہے۔

بیمہ کی شرعی حیثیت اور درست راہ عمل کے لئے دنیا میں موجود کئی فقہی اداروں نے خدمات سرانجام دی ہیں۔ جن اداروں کی سفارشات کا خلاصہ گزشتہ صفحات میں دیا گیا ہے ان کے نام یہ ہیں: مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنو، جامعہ ازھر کا ادارہ "مجمع البحوث الاسلامیہ، مجلس الفقہ الاسلامی سعودی عرب، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان۔ حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہو مجاہد الاسلام قاسمی، مجلّہ فقہ اسلامی، اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا۔ ۱۹۹۱۔ ص ۵۳۳۔ الاقتصاد الاسلامی، بحوث مختارہ من الموتمر العالمی الاول للاقتصاد الاسلامی، بیمہ وقوانین بیمہ، اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان ۱۹۸۴، ص ۶، رپورٹ اسلامی نظام بیمہ۔ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان، ۱۹۹۲ ص ۳۲، ۴۰، ۴۹، ۵۷۔ جدید فقہی مسائل اور ان کا مجوزہ حل ترتیب و تدوین، ڈاکٹر عبدالستار ابوغدہ، اردو ترجمہ ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی۔

میثاق مدینہ......صلح وجنگ کے مسائل واحکام کا جائزہ

امن وامان کے مسائل اوراحکام:

نبوی ریاست کے قیام سے قبل عرب سوسائٹی کو جن بہت بڑے بڑے مسائل کا سامنا تھا ان میں امن وامان کا فقدان سرفہرست تھا ہر قبیلہ کا اپنا ایک مستقل نظام تھا اور قبائلی تعصب اور حیثیت اس نظام کی جان۔ اس تعصب کی بنا پر تمام معاملات طے پاتے تھے ان کا شعار ((انصر اخاک ظالما او مظلوما)) ''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم'' کا جاہلی تصور تھا۔ جس کے نتیجہ میں مخالف سے جنگ اور بدلے میں اس کے ساتھ اس کے قبیلہ ونسل کو تباہ کرنا وغیرہ امور ان کے دلوں میں ایک مقدس فریضہ کا درجہ رکھتے تھے۔ (۱)

مخالف شخص کے اہل وعیال اور قبیلہ امن وامان سے زندگی بسر کرسکیں اور ان سے صلح کی بات طے ہوسکے یہ بات ان کے لیے بہت بڑے عار وعیب کا درجہ رکھتی تھی۔ ان کا عقیدہ ''ھامة '' کا تھا کہ مقتول چاہے اس کے قتل کے اسباب کچھ بھی ہوں، کے سر سے نکلا ہوا ایک پرندے اس کی قبر کے گرد چکر کاٹتا رہتا ہے اور برابر یہ صدا بلند کرتا ہے۔ ((اسقونی ......اسقونی))

مجھے (قاتل یا اس کے قبیلہ کے خون سے) سیراب کرو اور اس وقت تک یہ پکار ترک نہیں کرتا جب تک خون کا بدلہ نہ لے لیا جائے۔ (۲)

اسلام نے ہامة اور اس طرح کی دیگر خرافات پر کاری ضرب لگائی اور اسے باطل جاہلی تصورات اور توہمات میں شمار کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ھامة کا تصور درست نہیں ''لا ھامة'' (۳)

---

(۱) الزمخشری، ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر، المستقصیٰ فی امثال العرب: ۱/۳۹۲

(۲) القلقشندی، صبح الاعشی فی صناعة الانشا (شرح وتعلیق، محمد حسین شمس الدین (ص: ۱/۴۶۱)

(۳) صحیح بخاری، کتاب الطب، باب لا ھامة، حدیث نمبر (۵۷۵۷)

میثاق مدینہ نے بغاوت ظلم کے خلاف جنگ کا اعلان کیا چاہے جس فریق کی طرف سے ہو۔ اور بلاتفریق عقیدہ ومذہب مظلوم کی مدد کا اعلان کیا (۱) میثاق میں لکھا گیا کہ قتل کے مقابلہ میں قود ہے بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے۔ (۲)

مدینہ میں ظالم، سرکش یا استحصال کرنے والے کے خلاف کڑی سزا کی دفعہ رکھی گئی جس میں بطور خاص یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہر فرد اس بات کا پابند تھا کہ ہر ظالم اور باغی رشتہ داروں اور برادری بلکہ خونی تعلق سے بھی بے پرواہ ہو کر ظلم اور ظالم کے خلاف مقابلہ میں شرکت کرے گا۔ چنانچہ دفعہ ۱۳ کے الفاظ یہ ہیں۔

''اور متقی ایمان والوں کے ہاتھ پر اس شخص کے خلاف اٹھیں گے جو ان میں سرکشی کرے یا استحصال کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اور ان کے ساتھ سب مل کر ایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے خواہ وہ ان سب سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ (۳)

میثاق کی دفعہ ۲۰ میں ملکی سلامتی کا دشمن قریش یا کسی بھی قاتل کو مدد یا پناہ دینے کو جرم قرار دیا گیا۔

دفعہ نمبر ۳۱ میں عہد شکنی کرنے والے سے امان ختم ہو جانے کا ذکر ہے۔

دفعہ ۳۸ میں ملکی سلامتی کے لیے تمام قبائل کو جنگی اخراجات میں شرکت کا پابند کیا گیا۔

دفعہ ۳۹ میں ملک کی داخلی سلامتی کے لیے مدینہ کو حرم قرار دیا گیا۔

دفعہ ۴۳ میں خارجی دشمن کو پناہ دینے کی ممانعت کی گئی۔

---

(۱) دیکھیے دفعات ۱۲، ۱۳

(۲) دیکھیے دفعہ ۲۱، من جملہ دیگر قبائل کے، خود یہود کے قبائل میں بھی قتل کے بدلہ قتل اور دیت وغیرہ میں ناانصافی کا معمول تھا حالانکہ تورات کے حکم کے مطابق قصاص و دیت کے معاملہ میں سب برابر ہیں۔ قرآن نے اس ناانصافی کی طرف اشارہ فرمایا کہ ﴿وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس......الخ﴾ (المائدہ: ۴۵) ''اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان......''

(۳) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱، شق نمبر ۱۳، تفصیل کے لئے دیکھئے الشریف، احمد ابراھیم، دولۃ الرسول فی المدینۃ: ۱۰۲

اس طریقہ پر یہ میثاق ملکی داخلی انتشار پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا، خارجی دشمن کی راہ روکی گئی اور قبیلہ کے متعصّبانہ نظام کی بجائے اسلامی شریعت کا عادلانہ نظام رائج کیا گیا۔

ذیل میں ہم میثاق کی روشنی میں امن وامان خراب کرنے والے عوامل اوران سے متعلق احکام کا جائزہ لیتے ہیں۔

(ا) بغاوت:

میثاق کی دفعہ نمبر۱۳ میں اس جرم کا ذکر کیا گیا ہے۔

"و أن المومنين المتقين على من بغى منهم أو ابتغى دسيعة ظلم أو إثما او عدواناً أو فساداً بين المومنين و أن ايديهم عليه جميعاً ولو كان ولد أحدهم"

''اورمتقی ایمان والوں کے ہاتھ ہراس شخص کے خلاف اٹھیں گے جوان میں سرکشی کرے یا استحصال بالجبر کرنا چاہے یا گناہ یا تعدی کا ارتکاب کرے، یا ایمان والوں میں فساد پھیلانا چاہے اوران کے ہاتھ سب مل کرایسے شخص کے خلاف اٹھیں گے۔خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو''

اس دفعہ میں ظلم و عدوان ، فساد وغیرہ کے مترادفات استعمال ہوئے ہیں جو کہ در اصل بغی کی مزید وضاحت کررہے ہیں۔

قرآن مجید میں بھی ''بغی'' ان ہی مترادفات کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی سرکش، (ا)، فساد(۲)،ظلم وزیادتی اور بدکاری (۳) وغیرہ۔گویا بغاوت اور فساد فی الارض ایک جامع تعبیر ہے۔جس کا اطلاق قتل وغارت گری ،ظلم وعدوان برپا کرنے ، ڈکیتی و دہشت گردی اورعورتوں کی بے حرمتی کرنے جیسے جرائم پر ہوتا ہے۔جن سے معاشرے میں فساد پھیلے اورریاست کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے۔ان جرائم کے لئے شریعت نے حسب حال چار سزائیں مقرر کی ہیں۔

۱۔ عبرت ناک طریقے سے انہیں قتل کیا جائے۔

۲۔ سولی چڑھایا جائے۔

۳۔ قید کیا جائے اورخلاف ترتیب ہاتھ پاؤں کاٹے جائیں۔

۴۔ ان کی شہریت ختم کردی جائے۔

(ا) آل عمران:۱۹، یونس:۲۳

(۲) الشوریٰ:۲۷

(۳) القصص:۷۶،ص:۲۲،مریم:۲۰

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا جَزَٰٓؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوٓا أَوْ يُصَلَّبُوٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ﴾(۱)

اس آیت کی تفسیر میں جصاص لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء سلف و خلف اس پر متفق ہیں کہ اس حکم کا تعلق صرف مرتدین کے ساتھ خاص نہیں، نیز اس آیت میں ''يُحَارِبُونَ اللَّهَ'' مجازی معنی پر محمول ہے۔ اس لئے کہ اللہ سے لڑنا محال ہے۔ اس سے مراد وہ طاقت ور لوگ ہیں جو اسلحہ کے زور پر لوٹ مار کریں، عورتوں کی حرمت کو پامال کریں یعنی زنا بالجبر کریں اور مسلمانوں کے مال واسباب پر ڈاکے ڈالیں۔(۲)

(۲) قتل

میثاق مدینہ کی شق نمبر ۲۱ میں منقول ہے۔

''جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خون بہا پر راضی ہو جائے۔ اور تمام اہل ایمان اس حکم کی تعمیل کے لیے اٹھیں گے اور اس کے سوا انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہوگی۔

(۱) المائدہ: ۳۳، امام نسائی نے سنن میں حضرت انس ابن مالک سے روایت نقل کی ہے جس میں اس آیت کا شان نزول واقعہ عکل وعرینہ کو قرار دیا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (النسائی، سنن، کتاب المحاربۃ، باب قتل من فارق الجماعۃ، حدیث نمبر: ۴۰۳۰)۔
جہاں تک مذکورہ بالا چار سزاؤں کا تعلق ہے تو ان میں جمہور فقہا، احناف، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک عقوبات جرم کے بقدر لاگو کئے جائیں گے۔ امام مالک اور بعض دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں ''او'' تخییر کے لئے ہے لہٰذا امام کے پاس اختیار ہے کہ مذکورہ سزاؤں میں جو حسب حال مناسب ہو وہ دے سکتا ہے، الا یہ کہ اگر کسی نے قتل کیا ہو تو اس کی سزا میں محض یہ اختیار ہے کہ اسے قتل کرے یا سولی چڑھائے، ملاحظہ ہوں کتب (تفسیر الطبری: ۱۱۹/۶، الجصاص، احکام القرآن: ۴۰۶/۲، ۴۰۸، القرطبی: ۲۸۰/۳، نیز ملاحظہ ہو، ابویوسف کتاب الخراج: ۲۵۶، دردیر، شرح لمختصر خلیل: ۴۹۱/۴، ابن قدامۃ، المغنی: ۳۳/۱۰، الکاسانی، بدائع الصنائع: ۹۲/۷)

(۲) الجصاص، احکام القرآن: ۴۰۶/۲، ۴۰۷

قبائلی نظام میں قتل کا بدلہ قاتل کے ساتھ قبیلہ کے افراد اور دیگر اولیاء کا قتل ایک معمول کی بات تھی۔ اس شق نے قبائل کو پابند کیا کہ قاتل کے خلاف قتل یا خون بہا کے علاوہ کوئی اور چیز جائز نہ ہوگی۔(۱)

۳۔ مجرموں کی مدد کرنے اور انہیں پناہ دینے کی ممانعت:

میثاق کی دفعہ ۲۲ اور ۳۶ ب ان امور سے متعلق ہے۔ دفعہ کے الفاظ یہ ہیں۔

''اور کسی ایمان والے کے لیے جو اس میثاق کے مندرجات کا اقرار کر چکا تھا۔ اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لایا ہو۔ یہ بات جائز نہ ہوگی کہ کسی قتل کو مدد یا پناہ دے اور جو اسے مدد یا پناہ دے گا تو قیامت کے دن اس پر خدا کی لعنت اور غضب نازل ہوں گے اور اس سے کوئی رقم یا معاوضہ قبول نہ ہوگا۔

دفعہ ۳۴ ب کے الفاظ یہ ہیں:

اور کسی مار، زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی .... اور اللہ تعالی اس کے ساتھ ہے جو اس دستور العمل کی زیادہ سے زیادہ وفا شعاری سے تعمیل کرے۔

عرب کے جاہلی رواج کے پس منظر میں ان دفعات کی بہت اہمیت ہے۔ کیونکہ عرب معاشرے میں مجرموں اور ظالموں کو محض بھائی بند ہونے کی بنیاد پر مدد اور پناہ دی جاتی تھی۔ اسلام نے ''انصر اخاک ظالماً اومظلوماً'' ''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم'' کے جاہلی تصور کو درست مفہوم عطا کیا جس کے مطابق ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے باز رکھا جائے۔(۲)

---

(۱) قرآن مجید میں نہایت وضاحت کے ساتھ یہ اصول بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (المائدہ: ۴۵) ''اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے حکم کے مطابق حکم نہ کریں، وہی لوگ ظالم ہیں'' مزید تفصیل کے ملاحظہ ہو، الجصاص، احکام القرآن، ۱/۱۳۵، ۱۴۵

(۲) صحیح بخاری کی روایت ہے، عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ((انصر اخاک ظالماً أ ومظلوماً قالو: یارسول اللہ، ھذا ننصرہ مظلوماً، فکیف ننصرہ ظالماً؟ فقال'' تاخذ فوق یدیہ ''))(کتاب المظالم، باب اعن اخاک ظالماً أو مظلوماً، حدیث نمبر (۲۴۴۴) نیز، کتاب الاکراہ، حدیث نمبر (۶۹۵۲)

ایسے شخص، جو کسی مجرم کو پناہ دے کسی قاتل کی مدد کرے اور حد کے سزاوار کسی مجرم کو حد سے بچائے اس کے بارے میں کہا گیا کہ اس کی عبادات اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

((من حالت شفاعته دون حد من حدود الله فقد ضاد الله)) (۱) دوسری روایت میں ہے

((من اعان علی خصومة بظلمٍ فقد باء بغضبٍ من الله)) (۲)

ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

((من احدث فیها حدثا او آوی محدثا فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین، لایقبل منه یوم القیامة صرفاً ولا عدلاً)) (۳)

۴۔ برسر پیکار دشمن افراد کو پناہ دینا:

دعوت اسلام کے ساتھ ہی قریش نے تمام اہل ایمان کے خلاف ظلم وتعذیب کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ جب ظلم اس قدر بڑھ گیا کہ مسلمانوں کے لیے وہاں رہنا ممکن نہ رہا تو انہوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کر لی۔ تاہم یہ ہجرت قریش مکہ کے لیے بڑا صدمہ ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس سے ان کی مذہبی اور اقتصادی زندگی کی بقا کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ اور یہ سب کچھ ہجرت کے بعد ہونے والے بین المذاہب معاہدہ کی بناء پر ظاہر ہوا۔

میثاق نے یہ اعلان کیا کہ قریش، سب اہل مدینہ کے رسمی دشمن (حربی) ہوں گے۔ میثاق کے مطابق اتحاد میں شامل تمام اقوام کے لیے عموما اور مشرکین مدینہ کے لیے خصوصا اہل مکہ کے ساتھ کسی قسم کا تعاون روا نہ ہوگا۔ میثاق کی دفعہ ۲۰ ب کے مطابق یثرب کے کسی مشرک کے لیے جائز نہیں کہ وہ قریش کی جان اور مال کو پناہ دے"

ابوعبید نے مشرک سے مراد وہ یہودی لئے ہیں جن کے ساتھ صلح کی گئی تھی اور مراد یہ ہے کہ یہود سے صلح کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اگر چہ خود تو مسلمانوں سے جنگ نہ کریں لیکن مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کریں یا ان کی جان و مال کو پناہ دیں۔ (۴)

(۱) ابو دائود، السنن، کتاب القضاء، باب فی الرجل یعیین علی خصومة من غیرأن یعلم أ مرها، حدیث نمبر (۳۹۷

(۲) ابوداؤد، السنن (م ن) حدیث نمبر (۳۵۹۸)

(۳) مسلم، کتاب العتق، باب النهی عن بیع الولاء وهبته، حدیث نمبر (۳۷۹۴)

(۴) کتاب الاموال فقرہ: ۵۱۷

تاہم ابو عبید کی رائے سے اتفاق ممکن نہیں، کیونکہ عبارت کا متبادر معنی کے اعتبار سے اس سے مراد مدینہ میں بسنے والے اوس وخزرج کے مشرکین یا دوسرے مشرک بھی ہو سکتے ہیں۔ دفعہ میں ان کو بطور خاص اس بات کا پابند کرنا بھی قابل فہم ہے کہ ان کے مذہبی جذبات انہیں اہل مکہ کی امداد کرنے پر برانگیختہ کر سکتے تھے۔ بلکہ واقعاتی اعتبار سے اس کی تائید بایں طور پر ہوتی ہے کہ اہل مکہ نے مشرکین مدینہ پر اس معاملہ میں بطور خاص دباؤ ڈالا تھا۔ ابوداؤد کی روایت کے مطابق معرکہ بدر سے قبل کفار قریش نے ابن ابی اور اوس وخزرج کے مشرکین کو لکھا۔

"انکم آویتم صاحبنا، وانا نقسم بالله لتقاتلنه او لتخرجنه او لنسيرن اليكم باجمعنا حتى نقتل مقاتلتكم ونستبيح نساء كم"(۱)

"تم نے ہمارے آدمی کو ٹھکانہ دے دیا ہے، ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تم اس سے لڑو یا نکال باہر کرو نہیں تو ہم سب مل کر تم پر حملہ کر دیں گے اور تمہارے لڑنے والے لوگوں کو قتل اور عورتوں کو مباح کر دیں گے"

قریش کا مکتوب جب عبداللہ بن ابی اور مشرکین کو پہنچا تو وہ نبی اکرم ﷺ سے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ نبی اکرم ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان سے یہ بات کی۔

((لقد بلغ وعيد قريش منكم المبالغ ما كانت تكيدكم باكثر مما تريدون ان تكيدوا به انفسكم تريدون ان تقاتلوا ابناء كم و اخوانكم))(۲)

"قریش نے تم کو حد درجہ دھمکایا ہے، قریش تم کو اتنا ضرر نہیں پہنچا سکتے جتنا تم خود اپنے آپ کو ضرر پہنچا رہے ہو، وہ اس طرح کہ تم چاہتے ہو کہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو"

اس پر حکمت نفسیاتی گفتگو سے جہاں بزدلی اور خوف کا طعنہ دیا گیا' وہاں ان کے وطنی اور عشائری جذبات پیدا کئے گئے کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا نتیجہ تمہارے ہی بھائی بندوں کو تہہ تیغ کرنے کی صورت میں سامنے آئے گا۔ نتیجہ یہ

---

(۱) ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفی والامارة، باب فی خبر النضیر، (حدیث نمبر ۳۰۰۴، ۳۰۰۶، ۱۴۴۹)

(۲) ابوداؤد، (م ن)

ہوا کہ ان کی جمعیت ٹوٹ گئی اور انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔(۱) اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین جس گروپ کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنا چاہتے تھے' وہ مشرکین مدینہ تھے۔ رہے یہود تو وہ معاہدہ کی دفعہ ۴۳ کے عموم میں پہلے ہی سے داخل تھے جس کے مطابق قریش اور ان کے مددگاروں کو نہ صرف یہود بلکہ کوئی قبیلہ بھی امان نہیں دے سکتا تھا۔

کفار قریش کی یہ تدبیر ناکام ہوئی تو انہوں نے واقعہ بدر کے بعد یہود پر ڈورے ڈالنے شروع کیے، انہیں لکھا گیا:

"انکم اهل الحلقة والحصون، وانكم لتقاتلن صاحبنا او لنفعلن كذا كذا ولا يحول بيننا وبين خدم نسائكم شيء وهي الخلاخيل"(۲)

"تم ہتھیار اور قلعوں کے مالک ہو، تم ہمارے بھاگے ہوئے آدمی سے ضرور لڑو وگرنہ ہم ایسی کی تیسی کر دیں گے یعنی تم کو قتل کریں گے اور تمہاری عورتوں تک پہنچنے سے ہمیں کوئی نہیں روک سکے گا۔"

غرض اس دفعہ کے تحت اہل اتحاد اس بات کے پابند تھے کہ قیادت اعلیٰ کے ماسوا کوئی شخص حربی دشمنوں کے جان و مال کو پناہ دے سکتا ہے نہ اس کے ساتھ حلیفی، امان یا تجارت کا کوئی معاملہ ہی کر سکتا ہے۔

۵۔ اہل حرب/قریش سے معاہدہ جوار کی ممانعت:

عقد جوار جو حلیفی کی ایک شکل ہے، زمانہ جاہلیت میں عرب میں ایک مقدس عقد کے طور پر سمجھا جاتا تھا جوار اور مجیر عربی زبان میں پناہ دینے والے کو کہتے ہیں۔(۳) قرآن کریم میں ہے۔ ﴿ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ ﴾(۴) یعنی اللہ تعالیٰ پناہ دینے والا ہے اور اس کی پناہ کو کوئی توڑ نہیں سکتا۔

عرب معاشرہ میں اس کے مقدس ہونے کا سبب یہ تھا کہ یہ دراصل باہمی امداد کا ایک ایسا عقد تھا جو کمزور اور طاقتور قبائل کے مابین قرار پاتا تھا اور اس میں غیرت وحمیّت کے جذبات پائے جاتے تھے۔ اس عقد کے تحت کوئی قبیلہ کسی جرم کے بعد کسی بڑے قبیلہ کے ساتھ عقد جوار کر لیتا تھا۔

---

(۱) ملاحظہ ہو، الغضبان، منير محمد، المنهج الحركي، للسيرة النبوية، ص: ۲۲۳، ۲۲۴

(۲) ابوداؤد، السنن، كتاب الخراج والفئ والامارة، باب فی خبر النضير، (حدیث نمبر ۳۰۰۴، ۳۰۰۶، ۱۴۴۹)

(۳) ملاحظہ ہو، لسان العرب: ۱/۵۳۱، مادہ (جور)

(۴) المومنون: ۸۸

مدنی ریاست کو اہل مکہ سے جو خطرات درپیش تھے ان کے پیش نظر یہ بات ممکن تھی کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا کر مدینہ کے مختلف قبائل کی پناہ میں آ جائیں گے اور خارجی دشمن کے ساتھ داخلی دشمنوں میں بھی اضافہ ہوتا جائے گا۔ اس خطرہ کے پیش نظر میثاق نے امکان عرف کو ختم کر دیا۔ دفعہ کی شق نمبر ۴۳ اور دفعہ ۲۰ کے مطابق کوئی قبیلہ قریش سے جوار کا معاہدہ نہیں کر سکے گا۔

۶۔ ریاست کا دفاع...... مسلم وغیر مسلم رعایا کا اجتماعی فریضہ:

یثرب ایک زرخیز زرعی علاقہ تھا جس کے گرد بدوی قبائل اس تاک میں رہتے تھے کہ اس میں اندرونی انتشار یا جنگ یا دیگر مناسب مواقع کی بناء پر اس کے غلہ و مویشی اور دیگر اشیاء پر غارت گری کریں اگرچہ ایک طرف مدینہ میں داخلی انتشار کی بناء پر ان بدوی قبائل کی طرف سے ڈالی گئی غارتوں کا سلسلہ موقع بہ موقعہ جاری رہتا تھا تاہم دوسری جانب اہلیان مدینہ ان غارتگروں کا مقابلہ اپنے مضبوط قلعوں اور ہتھیاروں سے کرتے تھے، اور اپنی خیرات (غلہ و اناج) کی حفاظت کے لئے خاص مخازن بناتے تھے۔ (۱)

نبی اکرم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ داخلی انتشار اور خارجی فتنوں کی لپیٹ میں تھا۔ میثاق مدینہ کی وساطت سے اس صورتحال پر کسی قدر قابو پایا جا سکا اور مدینہ مختلف عقائد اور ادیان کے پیروؤں کے لئے ایک ''پرامن وطن'' کا کام دینے لگا۔

میثاق نے ان تمام قبائل کو اس بات کا پابند کیا کہ ملک کے مرافق سے لطف اندوز ہونے والے تمام اہل وطن کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی بھی خارجی غارت کے خلاف اپنے وطن کے دفاع میں شامل ہوں گے۔

میثاق کی دفعات ۲۴، ۳۷، ۳۸، ۴۴، ۴۵ اور ۴۵ ب تمام اہل میثاق پر اس ذمہ داری کا تفصیلاً تعین کرتی ہیں۔

---

(۱) الواقدی، المغازی، ۱/۲۰۹-۲۱۰، ابن ہشام: ۳/۶۷

۷۔ مالی مساہمت:

یثاق کی دفعہ ۳۷ ب اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ اگر اجتماعی فوج کے دو گروہ مسلمان اور یہودی جمع ہوں تو ہر گروہ اپنے اخراجات کا تکفل خود کرے گا، چنانچہ ہر گروہ اپنا اسلحہ خریدے گا، اور فوج کی دیگر ضروریات (راشن وغیرہ) کا تکفل کرے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہود کی حب مال اور حرص کے پیش نظر دفعہ نمبر ۲۴ اور ۳۸ میں بھی اس کی بطور خاص وضاحت فرمائی کہ یہ دفاع ایک اجتماعی فریضہ ہے چنانچہ دونوں فوجوں کو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے ہوں گے اور یہودی فوجیوں کے خرچ کا بار مسلمان نہیں اٹھائیں گے، دفعہ ۳۷ کے الفاظ یہ ہیں۔

''اور یہودیوں پر ان کے خرچے کا بار ہوگا اور مسلمانوں پر ان کے خرچے کا''

دفعہ ۳۸ میں ہے:

''اور یہودی اس وقت تک مومنین کے ساتھ اخراجات برداشت کرتے رہیں گے جب تک کہ جنگ جاری رہے گی''

یثاق نے یہود پر، جو مدینہ کی اقتصاد پر پوری طرح قابض تھے اور ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ اشیاء کی قیمتیں وصول کرتے تھے۔ نیز سودی معاملات کے ذریعے دیگر طبقات کا معاشی استحصال کیا کرتے تھے، اسلامی عدل و مساوات کے تقاضوں کے پیش نظر کوئی اضافی بوجھ نہیں ڈالا بلکہ انہیں مسلمانوں کی طرح صرف اپنے دفاعی اخراجات کا زیر بار کیا۔

۸...... جانی مساہمت

یثاق کی مذکورہ دفعات کے تحت یہود اور دیگر اتحادی اپنی اپنی افرادی قوت کے ساتھ مدینہ کے دفاع میں شریک ہونے کے پابند تھے۔ دفعہ ۳۷ الف اور دفعہ نمبر ۴۴ کے مطابق معاہدہ کے فریق یثرب پر حملہ ہونے کی صورت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے پابند ہوں گے'' دفعہ ۴۵ ب کے مطابق: ہر گروہ کے حصے میں اس رخ کی مدافعت آئے گی جو اس کے بالمقابل ہو۔

یثاق کی مذکورہ دفعات کے مطابق یہود دفاعی جنگ کے پابند تھے۔ یہ دفعات اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ یہود پر یثاق کے تحت صرف دفاع وطن کو لازم کیا گیا۔ یہ بات واضح رہے کہ یہود اور اہل شرک کے ساتھ یہ اتحاد ایک سیاسی اور دفاعی نوعیت کا تھا اور اس میں یہود اور مشرکین کے شریک ہونے کی اہمیت ان کے لیے ان کی جان و مال اور تجارت و اقتصاد کے تحفظ کی ضمانت کے طور پر ظاہر ہوتی تھی۔ تاہم اس بحث کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ کیا یہود اور اہل شرک سے دفاع کے لیے جنگی اتحاد جائز ہے؟

اس مسئلہ کی ایک جزئی کتب فقہ میں استمداد بالکفار کے ضمن میں بیان کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ کی روایات بظاہر متعارض ہیں۔ جنگوں میں نبی اکرم ﷺ کا اہل کفر سے مدد لینے اور ان کی مدد لینے سے انکار کرنے، ہر دو طرح کے طرز عمل کا ثبوت موجود ہے۔ (۱)

فقہاء کی آراء بھی اس سلسلہ میں مختلف ہیں تاہم بعض فقہاء نے ان متعارض مستدلات میں یوں تطبیق دی ہے کہ اہل کفر سے مدد لینے میں اسلام یا اہل اسلام کو کوئی ضرر نہ ہو تب ان سے جنگی مہارات کا تبادلہ ہو سکتا ہے، بصورت دیگر نہیں۔ بعض فقہاء نے اہل کفر کی جنگی مہارات لینے کو اس زمانہ کے ساتھ خاص کیا ہے جس وقت اہل اسلام کمزور ہوں اور انہیں اس کی ضرورت ہو، السیر الکبیر میں جنگ میں اہل کفر کی مدد لینے کو جائز نقل کیا گیا ہے۔ (۲)

تاہم اس بحث کے مرکزی نکتہ (کہ اہل کفر کی بعض ریاستوں کے ساتھ بعض دوسری ریاستوں کے خلاف جنگی معاہدات کئے جا سکتے ہیں جس کے تحت باہمی مساہمت عمل میں آئے) کے بارے میں ابو عبید کی رائے یہ ہے کہ یہود اور دیگر حلیف اقوام کے ساتھ یثاق کی دفعہ ۲۴ سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ دفعہ کے الفاظ ہیں: ''مومنین جب تک جنگ میں مصروف رہیں گے جنگی اخراجات میں یہودی ان کے شریک رہیں گے'' (۳) تائید میں انہوں نے زہری کی ایک مرسل روایت کا ذکر کیا ہے کہ یہودی نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے تو آپ ﷺ غنیمت میں انہیں شریک

---

(۱) حوالاجات کے لئے ملاحظہ ہو، مسلم ، کتاب الجهاد، باب كراهة الاستعانة فى الغزوالكافر، حدیث نمبر (۱۸۱۷) نیز ملاحظہ ہو، الشوکانی، نیل الاوطار: ۸/۴۳، ۴۵ نیز ابن هشام : ۴/۶۸ ،مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر

(۲) شرح السیر :۳/۱۸۶، الجصاص: ۲/۴۴۷، الکاسانی ، بدائع الصنائع :۳/۱۰۸، ۹/۳۹۶

(۳) ملاحظہ ہو، ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر ۵۱۸

کرتے تھے۔(۱)

اس نقطہ نظر کی تائید اور میثاق میں اس اختیار کا وجود اس کی پہلی دفعہ سے واضح ہوتا ہے جس کے مطابق یہ دستاویز مسلمانوں اور ان لوگوں کے مابین قرار پائی تھی جو ان کے ساتھ جنگ میں حصہ لیں۔

یہاں جنگی مساہمت عام ہے اور دفاعی جنگ کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ علاوہ ازیں دفعہ ۳۷ کے الفاظ'' اور جو کوئی اس دستور کے سامنے والوں سے جنگ کرے تو ان (شرکاء معاہدہ) میں باہم امداد عمل میں آئے گی'' سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ کسی غیر مسلم ریاست سے دوسری غیر مسلم ریاستوں کے مقابلہ میں دفاعی اور جنگی دونوں طرح کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے تاہم اسلامی اصول عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب حریف (غیر مسلم ریاست) مظلوم ہو تو اس وقت ظالم حلیف کے ساتھ جنگی مساہمت جائز نہیں ہو گی۔

---

(۱) الترمذی، کتاب السیر، باب ماء جاء فی اھل الذمۃ یغزون مع المسلمین ھل یسھم لھم، حدیث نمبر (۱۵۵۸، ۱۵۵۹)، ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۵۳۲، ابن قدامۃ، المغنی: ۸/۴۱۴، ابو عبید، (م ن)

''شہریت'' (Citizenship)......، میثاق مدینہ کی روشنی میں

اسلامی ریاست کی رعایا میں مختلف ادیان کے پیروکار شامل تھے۔ ان میں مہاجرین و انصار بھی تھے۔ اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی تھے اور مشرکین مدینہ بھی۔ ریاست کا دستور اپنی رعیت کے تمام افراد کی حمایت کا راعی (نگہدار) تھا۔

اردو لفظ ''رعایا'' جو کہ حدیث میں تلفظ ''رعیت'' کے ساتھ وارد ہے (۱) اپنے مفہوم و منطوق کے اعتبار سے انتہائی شامل و جامع لفظ ہے۔ عصری اصطلاح کے مطابق ''شہری'' یا ''مواطن'' کا لفظ ان مفاہیم میں اس کا مترادف ہے۔

شہریت ...... جدید مفہوم:

شہریت ایک ایسا قانونی نظام ہے جس کو ریاست وضع کرتی ہے تا کہ اس کے ذریعہ سے قوم کی حیثیت کا تعین ہو اور افراد کے ریاست کے ساتھ تعلق کی نوعیت واضح ہو۔ (۲)

دائرہ معارف برطانیہ کے مطابق ''مواطنۃ'' ریاست اور شہری کے مابین اس تعلق کا نام ہے جسے اس ملک کا قانون متعین کرتا ہے اور جس کی بناء پر فرد و ریاست کے مابین حقوق و فرائض کا تعین ہوتا ہے۔ (۳)

''شہریت'' اگرچہ مواطنت ہی کے مفہوم میں استعمال کیا جاتا ہے تاہم اس میں بایں طور وسعت ہے کہ اس کے تحت بیرون ملک بسنے والے شہری کی نگہداشت و حمایت ریاست کے فرائض میں شامل ہوتے ہیں۔

شہریت ......شرعی نقطہ نظر:

فقہاء کے ہاں اسلامی ریاست پر دار الاسلام کا اطلاق ہوتا ہے اور ریاست کے شہریوں پر اہل دار الاسلام کا۔ ریاست اور فرد کے درمیان تعلق ایک سیاسی اور قانونی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہی تعلق فرد و ریاست کے درمیان حقوق و فرائض کا تعین کرتا ہے اور یہی تعلق جدید زبان میں شہریت، جنسیت، (Citizenship) کہلاتا ہے۔ (۳)

(۱) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاحکام، باب قول اللہ تعالیٰ '' اَطِيْعُوااللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُم'' (النساء:۵۹) حدیث نمبر (۷۱۳۸)

(۲) دائرہ معارف برطانیہ: ۳۳۲/۳

(۳) حسین، محمد بکر، النظم السیاسیة، الدولة وللحکومة: ۴۲، (۱۹۸۱ء)

دستور مدینہ کی روشنی میں شہریت:

دستور مدینہ کی روشنی میں شہریوں اور ریاست کے مابین تعلق کے جو اصول سامنے آتے ہیں وہ افراد ریاست کے سیاسی اور قانونی تعلق کے علاوہ جذباتی اور نفسیاتی پہلو بھی بہم رکھتے ہیں۔

اسلامی ریاست میں رواداری اور باہمی تعاون کا نفسیاتی شعور اور باہمی مودت ومحبت اور اجتماعیت کے لطیف احساسات اس کے نظام شہریت کے امتیازات ہیں۔ میثاق کے تحت مختلف العقائد اور مختلف الأدیان اقوام، ایک امت تسلیم کئے جاتے ہیں، یہودیوں کا اپنا دین ہے اور مسلمانوں کا اپنا دین، ان کے آزاد کردہ لوگ ہوں یا اصل۔ ہاں جو ظلم اور عہد شکنی کا ارتکاب کرے تو اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مصیبت میں نہیں پڑے گا۔(۱)

میثاق مدینہ کے تحت اسلامی ریاست کا شہری ہونے کے لیے ''اسلام'' شرط نہیں۔ غیر مسلم بھی اسلامی ریاست کا شہری ہوسکتا ہے جب کہ وہ ریاست کے حقوق کی پاسداری کرے۔ اسی طرح امت کے عمومی تصور کے برخلاف دو امتیں یہود اور مسلمان ایک سیاسی امت بن سکتے ہیں۔(۲) میثاق مدینہ کی یہ دفعات انہیں ان تمام مرافقات کا اہل بناتی ہیں جن سے مسلم شہری استفادہ کرتے ہیں۔

ذیل میں ہم دستور مدینہ کی روشنی میں مسلم اور غیر مسلم افراد کے شہریوں کے امتیازات کا ذکر کرتے ہیں۔

مسلم شہری:

نومولود اسلامی ریاست میں مسلمانوں کے لئے شہریوں کی شرط، ہجرت ٹھہرائی گئی تھی۔ مدنی ریاست کے شہری کے لئے اس کی طرف مہاجر ہونا ضروری تھا تاکہ ان کے اسلامی ریاست کی شہریت کے ارکان، ایمان (۳) اور نظم اجتماعی کے

---

(۱) فرد اور حاکم کے درمیان حقوق و ذمہ داریوں کا تعلق حدیث میں نہایت وضاحت سے میں آیا ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے ((الا کلکم راع، وکلکم مسئول "عن رعیته،فالامام الاعظم الذی علی الناس راع و هو مسئول عن رعیته)) البخاری، الجامع الصحیح، (م ن) حدیث نمبر (۷۱۳۸ نیز حدیث نمبر ۷۱۳۷) نیز میثاق مدینہ، دفعہ نمبر ۲۵۔

(۲) عصر حاضر کی بعض اسلامی مملکتیں غیر مسلم تو درکنار، دوسرے ممالک کے ان مسلمان افراد کو بھی شہریت نہیں دیتیں جو ان کے ہاں بستے ہیں وہاں شادی کرتے اور بیسیوں سال گذار دیتے ہیں۔ یہ طرز عمل دستور مدینہ سے اتفاق نہیں کرتا۔

(۳) ابتداء میں ایمان کے لئے ہجرت شرط تھی اس کا ذکر حدیث رسول ((لاهجرة بعد الفتح)) میں آیا ہے۔ البخاری، الجامع الصحیح ،کتاب الجهاد، باب وجوب النفیر ......حدیث نمبر (۲۸۲۵)

لئے کئے جانے والے اسلامی نظام میں شریک ہوں۔ چنانچہ جن مسلمانوں نے اسلامی مملکت کی حدود سے باہر رہنا پسند کیا تو عہد ولایت نہ ہونے کی بناء پر انہیں ہم وطن شمار نہیں کیا گیا اگرچہ دینی معاملہ میں ان پر ظلم واستبداد کی صورت میں ان کی مدد ضروری قرار دی گئی۔ اس سلسلہ میں بنیاد سورہ الانفال کی مندرجہ ذیل آیت تھی۔

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا أُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ج وَإِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾(۱)

''جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی، وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور جو ایمان تو لائے ہیں لیکن ہجرت نہیں کی تمہارے لیے ان کی کچھ بھی رفاقت نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے، سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے، تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ خوب دیکھتا ہے''

آیت کریمہ میثاق مدینہ کی ان دفعات سے موافقت کرتی ہے جسے اللہ کے رسول نے ''قریش اور یثرب کے مومنین و مسلمین اور ان کے تابع ہونے والے لوگوں کے مابین'' طے کروایا ہے۔ (۲) جس کے تحت مدینہ کی حدود سے باہر بسنے والے افراد سیاسی ولایت سے خارج تھے۔ البتہ آیت کریمہ کے دوسرے جزء سے اسلامی شریعت پر اخوت دینیۃ کی بناء پر اپنے دینی معاملہ میں ظلم واستبداد کی صورت میں ان کی مدد لازمی قرار دیتا ہے۔ (۳)

ابو عبید کے نزدیک مہاجرین یا اسلامی ریاست کے شہری باشندوں کو حقوق میں ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ

---

(۱) الانفال: ۷۲

(۲) دیکھئے میثاق مدینہ کی دفعہ نمبر ۱

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابو عبید، کتاب الاموال فقرہ نمبر، ۵۶۰، ولایت کی حدود کے لئے دیکھئے المودودی، ابو الاعلیٰ، الحکومۃ الاسلامیۃ: ۱۲۴

مسلمانوں کے معاملات میں شریک رہتے ہیں، اپنی جانوں اور مالوں سے دین کی مدد کرتے ہیں

غیر مہاجرین پر مہاجرین کی ترجیح کے بارے میں ابوعبید کی رائے یہ ہے کہ چونکہ شہری (مہاجرین) لوگ مسلمانوں کے معاملات میں براہ راست شریک رہتے ہیں، اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں اوراپنے مالوں سے اسلامی ریاست کی مدد کرتے ہیں، اسلامی قوانین کے نفاذ میں مددگار ہوتے ہیں، اسلامی شعائر کی بجا آوری کرتے ہیں، لہٰذا ایسے لوگوں کو حقوق کی فراہمی میں ترجیح دی جائے گی۔(۱)

اسلامی ریاست میں مسلم شہریوں کی شہریت کی بنیاد قبائلی، لونی اور عرقی نہ تھی بلکہ عقیدۂ توحید کی بنیاد پر تھی۔ چنانچہ اس عقیدہ کو تسلیم کرنے والے تمام غیر مسلموں سے الگ ایک امت تھے جیسا کہ وثیقہ کی دوسری دفعہ سے واضح ہے۔ میثاق مدینہ نے تمام عرقی، لونی اور قبائلی تعلقات وتعصّبات کو ختم کر کے عقیدہ توحید کی بنا پر اسلامی ریاست کے شہریوں کو باہم مربوط کردیا۔(۲)

غیر مسلم شہری:

غیر مسلم افراد کے لئے شہریت کی بنیاد اسلامی سلطنت کے ساتھ ''ولاء'' اور تبعیت'' کے معاہدہ کے تحت تھی۔ شہریت کی یہ اساس عقیدہ کی اساس کے علاوہ تھی جو اختلاف عقیدہ کے باوجود انہیں اسلامی ریاست کا فرد شمار کرتی تھی۔ اس اساس پر ملنے والی شہریت کے حقوق وفرائض کے تعین کے لئے نبی اکرم ﷺ کا یہ مقولہ فقہی قاعدہ کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے۔

((لهم ما للمسلمين و عليهم ما عليهم))(۳)

یہ حدیث میثاق کی پچیسویں دفعہ کے ابتدائی فقروں کی ترجمانی کرتی ہے: جس کے تحت یہود اور مسلمانوں کو معاہدہ ولاء کے تحت یکساں حیثیت کی شہریت حاصل تھی۔ شہریت کے ضمن میں میثاق کی یہ دفعہ دو اہم نکات کی نشاندہی کرتی ہے۔

(i) مدنی ریاست ''عقیدہ کی آزادی'' کے اصول پر قائم ہوئی تھی۔

(ii) اس ریاست کا دستور دیگر سماوی ادیان کے ساتھ برداشت، رواداری کے اصولوں پر مبنی تھا۔

---

(۱) ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر ۵۵۹

(۲) الدرینی، محمد فتحی، خصائص التشريع الاسلامی فی السياسة والحكم، :۳۵۱

(۳) ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد، الصحیح، ۱۳۰/۲۱۵، حدیث نمبر، ۵۸۹۵)

عقد ذمہ کی بنیاد پر شہریت:

عقد ذمہ سے بھی غیر مسلموں کو شہریت کے حقوق ملتے ہیں۔ یثاق کی شق نمبر ۱۵ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ دفعہ کے الفاظ ہیں۔

''اور اللہ کا ذمہ ایک ہی ہے ان (مسلمانوں میں) کا ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دے کے سب پر پابندی عائد کرسکتا ہے۔

ذمہ اور اہل ذمہ سے متعلق احکام میں غلط فہمی کی بنا پر اسلام کو معرض تنقید بنایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ بھی شہریت کے حقوق پانے کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے جو اسلام سے پہلے موجود تھا اور اسلام نے اسے عادلانہ اصولوں میں منضبط کر کے برقرار رکھا ہے اور اس معاہدہ کے تحت غیر مسلموں کو مستقل شہریت عطاء کی ہے۔(۱)

اس کے تحت شہریت حاصل کرنے والا فرد تمام عمرانی، دینی اور انسانی حقوق سے بہرہ مند ہوتا ہے۔تاہم عصر حاضر میں مستقل شہریت کے رائج طریق کار کے مطابق صرف حکومت ان معاملات میں مجاز (Competent Authority) ہوتی ہے، عام افراد کا ذمہ حالتِ جنگ میں بھی معتبر نہیں سمجھا جاتا۔

عقد ذمہ کے تحت اسلامی ریاست کے شہری بننے والے افراد کے حقوق کا تحفظ اور ان کی شہریت کا احترام احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

((ألا من ظلم معاهدا او انتقصه او كلّفه فوق طاقته او أخذ منه شيئا بغير طيب نفس فأنا حجيجه يوم القيامة)) (۲)

''جو شخص کسی ذمی پر ظلم کرے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا یا طاقت سے زائد اسے تکلیف دے گا یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لے گا تو میں (محمد ﷺ) روز قیامت اس (ظالم پر) قصور ثابت کروں گا''۔

((من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة))(۳)

''جو معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا''

(۱) ابوزہرہ، محمد، العلاقات الدولیۃ فی الاسلام، ص:۶۱

(۲) ابوداوٗد، السنن، كتاب الخراج والإمارة، باب فی تعشير أهل الذمه إذا اختلفوا، حديث نمبر (۳۰۵۲)

(۳) البخاری، كتاب الجزية والموادعة باب إثم من قتل معاهداً بغير جرم، حدیث نمبر(۳۱۶۶) نیز حدیث نمبر(۶۹۱۴)

غیر مسلموں کے عدالتی معاملات:

مدینہ کے غیر مسلم، خصوصاً یہود اپنے تمام خصومات میں عدالت نبوی سے رجوع نہیں کرتے تھے، ان کے جو نزاعات، نبوی عدالت میں آتے تھے وہ بالعموم ان کے اور مسلمانوں کے مابین پیش آنے والے واقعات ہوتے تھے۔ الاحوال الشخصیۃ (Personal Law) میں ان کے معاملات تورات کے احکام کے مطابق ان کے ''احبار'' کے ہاں طے پاتے تھے۔(۱)

دستور مدینہ نے جہاں فریق آخر (یہود) کے پرسنل لاء میں عدم مداخلت کی پالیسی اختیار کر کے عدل و انصاف کا بول بالا کیا تھا۔ (۲) وہاں دستور مدینہ نے انہیں اس بات کا اختیار بھی دیا تھا کہ وہ اپنے معاملات اسلامی عدالت میں لا کر اسلامی نظام عدل سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کے بعض افراد نے اسلامی عدالت کی طرف میں بھی رجوع کیا، بالخصوص دیت کے معاملے میں یہود کے کمزور طبقات کے لئے اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار ہی نہ تھا کیونکہ ان کے سابقہ نظام دیت میں بنونضیر کے مقتولین کو بنو قریظہ کے مقتولین پر برتری حاصل تھی بنو قریظہ کا کوئی شخص اگر بنونضیر کے کسی شخص کو قتل کر دیتا تو اس کی پوری دیت ادا کی جاتی جبکہ بنونضیر کا کوئی فرد بنو قریظہ کے کسی فرد کو قتل کرتا تو مقتول کی دیت نصف ہوتی تھی۔(۳)

---

(۱) العمری، اکرم، المجتمع المدنی فی عهد النبوة، خصائصه و تنظیمائة الاول، ص: ۱۲۸

(۲) دیکھئے دفعہ نمبر ۲۵

(۳) ابو داؤد، السنن کتاب القضاء ،باب الحكم بين اهل الذمة، حدیث نمبر (۳۵۹۱) نیز کتاب الحدود، باب فی رجم اليهوديين، حدیث نمبر (۴۴۴۶)

نبی اکرم ﷺ کو وحی کے حکم کے مطابق اختیار تھا کہ آپ ان کے مابین فیصلہ فرمائیں یا اجتناب فرمائیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿فَإِنْ جَآءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوكَ شَيْئًا ۗ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾(۱)

''اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کرو خواہ ان کو ٹال دو، اگر تم ان سے منہ بھی پھیرو گے تو بھی یہ تم کو ہر گز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ اور اگر تم فیصلہ کرو تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً عدل والوں کے ساتھ اللہ محبت رکھتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ان کے مابین عادلانہ تحکیم فرمائی اور فریقین میں دیت کو یکساں کر دیا۔(۲)

اسلامی عدالت کے شفاف اور غیر جانبدارانہ فیصلوں کی بناء پر یہود مدینہ نے خصومات کے علاوہ اپنے ایسے شخصی معاملات میں بھی اس مؤقر عدالت کی طرف رجوع کیا جن کا ذکر دستور میں نہیں تھا اور جن میں یہود کی مصلحت پوشیدہ ہوتی تھی۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق یہود کا ایک بدکار جوڑے کا مقدمہ عدالت نبوی میں آیا، آپ ﷺ نے ان سے سوال کیا

((ماتجدون فی التوراة فی شأن الرجم))

''تورات میں (محصن زانی کی) سزائے رجم سے متعلق کیا احکام ہیں'' تو انہوں نے کہا ان کو رسوا کر کے کوڑے مارے جاتے ہیں۔ معروف صحابی عبداللہ بن سلام جو تورات کے عالم تھے، نے ان کی بات کی تردید کی اور بتایا کہ تورات میں رجم کا حکم یہ نہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تورات کے مطابق رجم کا حکم سنایا اور انہیں رجم کیا گیا۔(۳)

غیر مسلموں کے وہ مقدمات جن کا تعلق ان کے پرسنل لاء سے ہوگا یا وہ امور جو ان کے نزدیک جائز اور اسلام میں ناجائز ہوں تو ایسے معاملات کو ان کی مرضی کے بغیر اسلامی عدالت میں نہیں لایا جائے گا تاکہ ان کی مذہبی آزادی متاثر نہ ہو۔(۴)

---

(۱) المائدہ:۴۲

(۲) الجصاص، احکام القرآن:۲/۴۳۵

(۳) ابو دائود، السنن کتاب الحدود، باب فی رجم الیهودیین، حدیث نمبر۴۴۴۶)

(۴) الطرابلسی، علاء الدین، معین الحکام ، ص: ۳۶،نیز، ابن فرحون، محمد ، تبصرة الحکام فی اصول الاقضية ومناهج الاحکام:۱/۸۵

میثاق مدینہ اور حقوق انسانی

میثاق مدینہ پہلی اسلامی ریاست کے طور پر اس طرح سامنے آیا کہ اس نے ریاست سے انسانی حقوق کے خلاف تمام جرائم مثلاً کمزور کی حق تلفی، اس پر ظلم وستم، بدمعاملگی، حسب ونسب پر فخر اور طبقاتی تقسیم کا قلع قمع کر دیا۔ اس وثیقہ کے ذریعے انسانوں کو ان کے بنیادی حقوق سے روشناس کیا گیا۔(۱) میثاق مدینہ کی روشنی حقوق انسانی کا جائزہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ آزادی کا حق:

اسلام کی نظر میں انسان کی آزادی اس کے مقدس حقوق میں سے ایک ہے۔ شریعت کی نصوص میں معاہدین، جو چاہے امان کے طور پر ہوں/جوار کے طریق پر ہوں یا غیر جانبدار مسالمین ہوں، اسلامی ریاست کے آزاد شہری بن جاتے ہیں۔ شریعت کی عمومی نصوص جو غیر مسلموں کے حق آزادی کے خلاف ظلم وتعدی سے منع کرتی ہیں کے علاوہ ایسی خاص نصوص ملتی ہیں جو معاہدین کے لئے آزادی کے حق کو ثابت کرتی ہیں۔

---

(۱) عمومی طور پر سیاسیات، علم قانون اور معاشرتی علوم یہ بتاتے ہیں کہ حقوق انسانی کے قانون کا باقاعدہ وثیقہ ۱۷۸۹ کو حقوق انسان کے اعلان کے ساتھ سامنے آیا۔ اہلِ مغرب کے مطابق ان کا یہ وثیقہ فرانسیسی انقلاب کے مبادی میں سے تھا، جسے 26 اگست 1789ء کو تاریخی اعلان کے طور پر سامنے لایا گیا اور یہ کہ یہ عصر تنویر (اٹھارویں صدی) کے فرانسیسی علماء وفلاسفہ کے افکار سے مشتق ہے۔ یہ وثیقہ تمام انسانوں کو ان کے حقوق مثلاً آزادی، امن اور مساوات میں برابر قرار دیتا ہے۔ یہ وثیقہ ۱۹۲۰ء میں مجلس اقوام (League of Nations) کے میثاق کے مضامین میں شامل ہوا اور پھر ۱۹۴۵ء میں انجمن اقوام متحدہ کے میثاق میں، بعد ازاں ۱۹۴۸ء میں یہ وثیقہ ''انسانی حقوق کے عالمی اعلان'' کے نام سے ایک مستقل وثیقہ کے طور پر سامنے آیا۔
حقوق انسانی کے اس میثاق پر مغربی دنیا کے تمام تر فخر کے باوجود اس دستور کی تطبیقی شکل کہیں موجود نہیں، بنا بریں یہ وثیقہ حقوق انسانی میں عالمی خواہش تو کہلایا جا سکتا ہے واقعی اور تطبیقی حل نہیں۔ ملاحظہ ہو، هانی سليمان، حقوق الانسان وحربائه الاسلامية، عمان، دارالشرق ۲۰۰۱، حاشيه نمبر ۲، ص: ۳۷، المودودی، الحكومة الاسلامية، ص: ۱۹۸

حدیث میں ہے ''جو شخص ذمی پر ظلم کرے گا یا اس کے حق میں کمی کرے گا یا طاقت سے زائد اسے تکلیف میں مبتلا کرے گا یا اس کی رضا کے بغیر اس سے کوئی چیز لے گا تو میں قیامت کے روز اس کے حق میں جھگڑا کروں گا'' (۱)

میثاق مدینہ نے انسانی شرف وکرامت کے ضامن اس حق کو بنیادی اہمیت دی ہے۔

میثاق مدینہ میں ۳ سے ۱۲ تک کی دفعات اس بنیادی حق کا دفاع کرتی ہیں ان میں سے ہر شق میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

''کل طائفة تفدی عانیها بالمعروف''

ان الفاظ کا مقتضی یہ تھا کہ قبائل اپنے اپنے قیدیوں کو چھڑانے کا بندوبست کریں تا کہ ان لوگوں کی خرید وفروخت شروع نہ ہو اور وہ ہمیشہ کے لیے غلامی کی ذلت کا شکار نہ ہو جائیں۔

۲۔ حق زندگی:

اس بنیادی انسانی حق کی حمایت کے لیے میثاق مدینہ نے جو اقدامات کیے ہیں انہیں میثاق کی دفعات ۱۴، ۱۶، ۲۱، ۲۵، ۴۰ بالواسطہ یا بلاواسطہ ذکر کرتی ہیں۔ مثلاً

میثاق کی دفعہ ۲۱ ظالمانہ قتل کے بدلہ میں قتل کی سزا تجویز کرتی ہے۔ دفعہ کے الفاظ یہ ہیں۔

''اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کرے اور جرم ثابت ہو جائے تو اس سے قصاص لیا جائے گا، بجز اس کے کہ مقتول کا ولی خونبہا پر راضی ہو جائے۔ اور تمام ایمان والے اس کی تعمیل کے لئے اٹھیں گے، اور اس کے سوا انہیں کوئی اور چیز جائز نہ ہو گی'' وثیقہ کی یہ شق قرآنی حکم قصاص کی ترجمانی کرتی ہے، قرآن کریم میں ہے:

﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ﴾(۲)

''اور ہم نے یہودیوں کے ذمہ تورات میں یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان ہے''

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والامارة، باب فی تعشیر أهل الذمة...... حدیث نمبر (۳۰۵۲)، یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج، ص: ۵۷، فقہاء کرام نے بالخصوص اہل ذمہ سے متعلق جو ضوابط مقرر کیے ہیں وہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی آزادی کے حق کے لیے ہیں۔

(۲) المائدہ: ۴۵

قصاص کے معاملے میں اسلام نے اس جاہلی تصور کا بھی یکسر خاتمہ کر دیا جس میں ایک کے بدلے میں دوسرا یا ایک کے بدلہ میں کئی افراد کو قتل کرنا روا سمجھا جاتا تھا۔ میثاق کی دفعہ ۱۶، ۲۱ اور ۴۰ میں بار بار مساوات کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ قصاص میں مساوات کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّبِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی﴾(۱)

''اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا گیا ہے' آزاد کے بدلے آزاد' غلام کے بدلے غلام' عورت کے بدلے عورت''

اس حکم کے مطابق قتل ناحق کی سزا تو قتل ہے ہی، ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اس میں عقیدہ' نسل اور جنس کی کوئی تخصیص نہیں چنانچہ فقہاء احناف نے اس سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ غیر مسلم (ذمی) کے قصاص میں مسلمان کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ فقہا احناف کے علاوہ امام زفر' ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک بھی اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کر ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔ امام مالک کے نزدیک بھی اگر کوئی مسلمان دھوکے سے ذمی کو مار ڈالے تو قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔ مفسر جصاص نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ سے بھی اس کی تائید میں آثار نقل کئے ہیں۔(۲)

بعض دیگر فقہاء حضرت علیؓ کی روایت ''لا یقتل المسلم بالکافر'' (۳) ''کافر کے بدلے میں مومن کو قتل نہیں

---

(۱) البقرۃ: ۱۷۸۔ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۳۲ سے بھی اس حکم کی تائید ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًام بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ ''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو' قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا''۔ جصاص لکھتے ہیں کہ ''اس پر سب کا اتفاق ہے کہ آیت میں مذکورہ لفظ سلطان سے مراد قصاص ہے اور چونکہ اس میں مسلمان کی کافر سے تخصیص نہیں ہے اس لیے اس کا اطلاق (مومن و کافر) دونوں پر ہوگا'' احکام القرآن ۱/۱۴۱

(۲) الجصاص، احکام القرآن، ۱/۱۴۰۔۱۴۱

(۳) بخاری کتاب الدیات، باب لا یقتل المسلم بالکافر، حدیث نمبر (۶۹۱۵)، نیز الشافعی، کتاب الام: ۴/۳۲۰

کیا جائے گا'' سے استدلال کرتے ہیں کہ مسلمان کو کافر کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

جصاص لکھتے ہیں کہ یہ (مذکورہ حدیث) حدیث نبوی ''زمانہ جاہلیت کا ہر خون اب میرے ان دونوں قدموں تلے رکھ دیا گیا ہے'' کی تفسیر میں ہے۔(۱)

۳۔ مذہبی آزادی:

میثاق مدینہ کی دفعات ۲۵ تا ۳۵ میں فرد کے لئے حریت عقیدہ کے حق کا تحفظ کیا گیا ہے۔ اس حق کی حمایت دو طرح سے کی گئی ہے۔

۱۔ مذہب وعقیدہ اختیار کرنے کی آزادی اور عقیدۂ اسلام قبول کرنے پر عدم اکراہ۔

۲۔ غیر مسلم فرد کے ساتھ مجادلہ بطریق احسن۔

حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ بالا دونوں حقوق کے لئے اہل ایمان خود دس برس سے زائد عرصہ تک مکہ مکرمہ میں ترس رہے تھے اور اس کی راہ میں بھاری مصائب اٹھا رہے تھے جونہی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا سب سے پہلے تمام اہل ادیان کو عقیدہ کی حریت کا حق پہنچایا گیا۔ میثاق مدینہ کی ۲۵۔۳۵ تک کی دفعات میں تمام قبائل کو اپنے اپنے دینی معتقدات میں حریت کا حق دیا گیا حتی کہ یہود کے لئے بھی جن کے عقائد و عادات اسلامی سلطنت کی اساسیات کے منافی تھیں۔ یہ ضابطہ مقرر کیا گیا کہ ''للیهود دینهم وللمسلمین دینهم''(۲)

اسلام نے ﴿لَآ اِكۡرَاهَ فِی الدِّیۡنِ﴾ اور ﴿ وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَكۡفُرۡ﴾(۳) کی صورت میں اس کی مزید وضاحت کر دی ہے۔

---

(۱) مزید تفصیل اور دلائل کے لیے ملاحظہ ہو، الجصاص احکام القرآن، ۱/۱۴۲

(۲) میثاق مدینہ، شق نمبر ۲۵

(۳) ''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں'' (البقرۃ: ۲۵۶) ''اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے'' (الکہف: ۲۹)۔ غیر مسلموں کے لئے حریت فکر وعقیدہ پر مفصل بحث ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر ۲۵۵۔۔۔۔۔

حق مساوات وعدل:

مساوات وہ فاروق اعظم ہے جو حقیقی عدالت اور وہمی عدالت کے مابین تمیز کرتا ہے۔(۱)

عدل و مساوات انسانی معاشرہ کے بنیادی حقوق میں سے ہیں۔حقوق انسان کے عالمی چارٹر کی دوسری شق ہے۔

لكل انسان حق التمتع بكافة الحقوق والحريات الواردة فى هذالاعلان، دون أمى تميز كالتميز بسبب العنصر أواللون أو الجنس أواللغة أوالدين......(۲)

یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ دفعہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث سے ماخوذ ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((يا ايهاالناس ألا إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربى على أعجمي ولا لعجمي على عربى ولا لأحمر على أسود ولا أسود على أحمر الا بالتقوى))(۳)

"اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے تم سب ایک باپ آدم کی اولاد ہو۔کسی عربی نژاد کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر، سرخ کو کالے اور کالے پر سرخ کو کوئی فوقیت حاصل نہیں۔فوقیت کا معیار تقویٰ ہے"

میثاق مدینہ کی بہت سی دفعات یہود اور دیگر اقوام میں حقوق کی مساوی تقسیم کرتی ہیں چنانچہ یہود اور مشرکین مدینہ تمام حقوق عامہ میں مسلمانوں کے مساوی تھے۔

اسلامی ریاست کی بنیاد جس میثاق دستور پر رکھی گئی اور بعد کے عالی صفات خلفاء نے اس نہج پر اسلامی ریاست کو چلایا، وہ مساوات کے تمام تقاضوں کی بہترین نظیر ہے۔حضرت عمرؓ کا تاریخی جملہ جو انہوں نے اپنے گورنر عمرو بن العاص سے فرمایا تھا،حقوق انسان کے عالمی چارٹر کی دفعہ (۱) کی بنیاد و مأخذ معلوم ہوتا ہے(۴) آپؓ نے فرمایا:

"متى استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارا "(۵)

"تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا حالانکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا"

---

(۱) وجدی،محمد فرید، المدینۃ والاسلام،ص:۶۲

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الغزالی،محمد حقوق الانسان بين تعاليه الاسلام و اعلان الامم المتحدة : ۲۵

(۳) مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ، حدیث نمبر (۲۹۵۰)

(۴) الغزالی (م ن)

(۵) کنز العمال:۱۲/۶۶۱

حقوق انسان کے عالمی منشور کی دفعہ نمبر ۱ کے الفاظ یہ ہیں:

"یولد جمیع الناس احراراً متساوین فی الکرامة الحقوق وقد وھبوا عقلاً و ضمیراً، وعلیهم أن یعامل بعضهم بعضاً بروح الإخاء" (۱)

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک غسانی حکمران نے ایک دیہاتی کو دوران طواف اس بات پر تھپڑ مارا کہ دیہاتی کا پاؤں غلطی سے اس کے کپڑے پر آ گیا تھا۔ بدو نے معاملہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دیا۔ آپ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ جبلہ کو اپنی جاہ وحشمت کی بناء پر جب ارض مساوات میں کہیں پناہ نہ ملی تو اس نے مرتد ہو کر ارض طبقات (روم) میں پناہ لی۔ (۱۳۱۱)

میثاق مدینہ میں انسانوں کے حق مساوات کی حمایت کا ایک اہم اقدام یہ کیا گیا کہ بلاتفریق مرد وزن اور آزاد و غلام، سب کی امان کو یکساں ٹھہرایا گیا۔ یہ اقدام وہاں پہلے سے موجود حالت کے یکسر متضاد تھا۔ اس وقت عرب معاشرہ میں بالعموم انسانوں کے تین طبقات تھے۔ (۱) آزاد (۲) غلام (۳) موالی

ان طبقات میں غلام تو بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم تھے۔ موالی (یعنی عقد موالات) جس میں جوار کی بناء پر کیا جانے والا عقد بھی شامل ہے، کے تحت آنے والے) بھی آزاد کی طرح تمام حقوق سے مستفید نہ ہو سکتے تھے۔ اگرچہ وہ معاشرتی اعتبار سے کتنے ہی عز وجاہ والے کیوں نہ ہوں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ جب اہل طائف کے ہاں سے ان کے انکار حق اور ظلم کے بعد واپس مکہ کی طرف واپس تشریف لائے تو پہلے اخنس بن شریق (بنو زہرہ کے حلیف) کو پیغام پناہ بھیجا، اس نے کہا "أنا حلیف والحلیف لا یجیر" میں حلیف ہوں اور حلیف پناہ دینے کا حق نہیں رکھتا۔ پھر آپ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو پیغام ارسال کیا اس نے جواب دیا "إن بنی عامر لا تجیر علی بنی کعب" بنو عامر، بنو کعب کے حریف کو پناہ نہیں دے سکتا۔ پھر آپ ﷺ نے مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا تو انہوں نے آپ کو پناہ دی۔ (۲)

---

(۱) الغزالی (م ن) ص:۲۵، نیز العشماوی، فوزی، حقوق الانسان فی الاسلام مقارنة بالاعلان العالمی لحقوق الانسان، مجلہ قضایا اسلامیہ، وزارت اوقاف، مصر، عدد:۸۷، جمادی الاولی ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء، ص:۲۰۰

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ:۲/۲۰

۸ میثاق نے اس طبقاتی نظام کو یکسر ختم کر دیا، میثاق کی دفعہ ۱۵ کے الفاظ ہیں: ''أن ذمة الله واحدة، يجير عليهم أناهم'' اور کسی عام آدمی کی طرف سے دی گئی امان بھی ایک عقد شرعی ہے جسے بمقتضائے حکم قرآنی ﴿ اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ﴾(۱) ''پیمان پورے کرو'' پورا کرنا فرض ہے۔

قانون کے سامنے سب طبقات کی برابری میں انسانی حقوق کا عالمی منشور کی دفعہ ۷ کو بنیاد کہا جاتا ہے۔ جس میں ہے۔

''كل الناس سواسية أمام القانون ولهم الحق فى التمتع بحماية متكافئة منه دون أية تفرقة'' (۲)

مساوات کے اس تصور کی بنیادیں میثاق کی دفعہ ۲۴، ۲۵ تا ۳۵، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۱ ز ۴۳ ز ۴۵ ز ۴۵ ب اور ۴۷ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

قانونی مساوات پر مبنی ان دفعات کی قرآن حکیم نے یوں تائید کی ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ‌ۚ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا‌ ؕ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى‌ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾(۳)

اے ایمان والوتم اللہ کی خاطر حق پر قائم ہو جاؤ، راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو، جو پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے، اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے''

عرب معاشرہ میں السادۃ (شرفاء) کے علاوہ ایک مستقل طبقہ تھا جو ان کی خاص اصطلاح میں سوقۃ (بازاری لوگ) کہلاتے تھے۔ عرب دستور کے مطابق ''خون کے وزن کی برابری'' بایں طور ہوتی تھی کہ طبقہ سادۃ کے ایک فرد کا خون سوقۃ کے دو، پانچ یا دس افراد کے برابر ہوتا تھا۔ (۴) اسی طرح بنونضیر کا کوئی فرد اگر کسی قرظی کو قتل کر دیتا تو نصف دیت دیتا اور قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر دیتا تو اس کی پوری دیت ادا کرتا تھا۔ اسلام نے ان کی دیتوں کو مساوی کر دیا۔ (۵)

---

(۱) المائدہ:۱

(۲) الغزالی (م ن): ۲۵ نیز العشماوی (م ن) ص:۲۰۰

(۳) المائدہ:۸

(۴) ملاحظہ ہو، ابن عاشور، محمد الطاهر، أصول النظام الاجتماعى فى الاسلام، ص:۱۴۹

(۵) ابوداؤد، السنن كتاب القضاء، باب الحكم بين اهل الذمة، حدیث نمبر (۳۵۹۱)

آزادی رائے:

کسی بھی متمدن معاشرے میں آزادی رائے کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ آزادیٔ رائے سے جہاں انسانی فکر ونظر پروان چڑھتی ہے وہاں یہ کسی بھی معاشرہ کی تعمیر وترقی کے لئے انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے۔

یثاق مدینہ نے بلاتفریق عقیدہ و مذہب اس اہم انسانی حق کی حمایت کی ہے۔ چنانچہ یثاق کی دفعہ ۳۷ (الف) کے تحت تمام مسلم وغیر مسلم اپنی رائے پیش کرنے میں آزاد ہیں نص کے الفاظ ہیں۔

''وأن بينهم النصح والنصيحة'' ''انہیں باہم مشاورت سے کام لینا ہوگا''

نبی اکرم ﷺ نے کاروبار مملکت ''شوریٰ'' سے چلایا آپ ﷺ صحابہ کرام سے عام اور خاص نوعیت کے مسائل میں رائے طلب فرماتے تھے اور کبھی ان کی رائے پر اپنی ذاتی رائے کو ترک فرما دیتے۔ (۱)

رہائش اور امن وامان کا حق:

''امن وامان اور حرمت مسکن انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہیں بلکہ یہ ایسے ہی ضروری سمجھے جاتے ہیں جیسے پانی اور ہوا انسانی بقا کے لئے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ﴾ (۲) کی صورت میں ان بنیادی ضرورتوں کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

یثاق مدینہ کی دفعات ۳۹ اور ۴۷ کے مطابق مدنی ریاست کے تمام افراد کو پوری آزادی کے ساتھ ریاست میں نقل و حرکت اور رہائش کا حق حاصل تھا نیز ملک کے کسی حصہ میں بھی جان و مال اور عزت کے حوالہ سے تمام باشندوں کے لیے امن ہے چنانچہ شق ۳۹ کے تحت مدینہ کو حرم قرار دیا گیا جس میں کسی شخص سے کسی قسم کا تعرض کرنا روا نہ تھا اور دفعہ ۴۷ کے مطابق:

''جو شخص مدینہ سے باہر چلا جائے یا مدینہ میں رہے مامون ہوگا لیکن جو ظلم و گناہ کا مرتکب ہوگا وہ مامون نہیں رہے گا''

---

(۱) ابن ہشام: ۲/۲۲۴، ۳/۶۷، الواقدی، کتاب المغازی: ۱/۲۱۰، زاد المعاد: ۲/۴۸۰

(۲) ''یہاں تو تجھے یہ آرام ہے کہ نہ تو بھوکا ہوتا ہے نہ ننگا اور نہ تو یہاں پیاسا ہوتا ہے نہ دھوپ سے تکلیف اٹھاتا ہے'' طٰہٰ: ۱۱۸۔۱۱۹

فقہی نکات

- ☆ اقتدار اعلیٰ کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔
- ☆ امیر کی اطاعت عوام/رعیب پر واجب ہے۔
- ☆ رعیت پر اس وقت امیر کی اطاعت واجب نہیں جب وہ غیر شرعی امور کا حکم کرے۔
- ☆ تمام مسلمان ایک امت ہیں جس کی اساس زبان، رنگ و نسل کی بجائے صرف اسلام ہے۔
- ☆ غیر مسلم باشندے اسلامی ریاست کے شہری بن سکتے ہیں۔
- ☆ اسلامی ریاست کے شہری خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، حقوق و فرائض میں مساوی ہیں۔
- ☆ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کی جان، مال اور عزت کی حفاظت حکومت کی ذمہ داری ہے۔
- ☆ غیر مسلموں کے ساتھ بہتر سیاسی و سماجی تعلقات قائم کیے جا سکتے ہیں۔
- ☆ ظلم و نا انصافی پر مبنی کوئی معاہدہ کرنا جائز نہیں۔
- ☆ کوئی بھی ایسا عمل جو ریاست میں داخلی و خارجی انتشار کا باعث ہو قابل مواخذہ ہے۔
- ☆ ریاست کا دفاع مسلم و غیر مسلم رعایا کا اجتماعی فریضہ ہے۔
- ☆ ریاست کے دار الحکومت میں امن و امان کے خصوصی قوانین کا نفاذ کیا جا سکتا ہے۔
- ☆ بے گناہ اور جنگ سے لاتعلق رہنے والے شہریوں کو جنگی نقصان سے بچانے کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ پر امن علاقہ (No war zone) کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔
- ☆ قانون اور انصاف کی عمل داری میں عوام و خواص مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔
- ☆ تعاونی بیمہ کا نظام جس میں ربا، غرر، غبن فاحش، اکراہ و ضرر کا عنصر شامل نہ ہو، جائز ہے۔

باب ثالث

مدینہ کے جنوب مغرب میں آباد قبائل سے معاہداتِ نبوی کا فقہی مطالعہ

فصل اول:

مدینہ کے جنوب مغرب میں آباد (غیر مسلم) قبائل سے معاہدات نبوی کا فقہی مطالعہ

اسلامی ریاست مدینہ کے داخلی معاملات وامور کو منظّم کرنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ سے باہر آس پاس کے علاقوں میں بسنے والے عرب قبائل سے بھی تعلقات قائم فرمائے، ان قبائل میں مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں مصر وشام کے تجارتی راستے پر بسنے والے قبائل اور ان کے بطون کو بھرپور اہمیت دی گئی۔ ان قبائل میں بنوضمرہ، بنوغفار، بنومدلج (۱)، بنواشجع (۲) بنوجہینہ ومزینہ سے آپ ﷺ نے معاہدات فرمائے۔ معاہدات کا یہ سلسلہ ۲ ہجری سے شروع ہوا اور بعد تک جاری رہا۔ ان قبائل میں بعض ایسے خاندان بھی تھے جو اسلام لائے۔

---

(۱) بنومدلج: یہ قبیلہ مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں ابوا کے مقام پر بنوضمرہ کے پڑوس میں آباد تھا اور بنوضمرہ کا حلیف تھا، الطبری، تاریخ الامم والملوک :۲/۲۶۰، (۱۲۶۹) البدایۃ والنہایۃ، ۲/۲۴۶، ۲۴۷۔ ۲ ھ میں غزوہ عشیرہ کے دوران اس قبیلہ کے ساتھ حلیفی کا معاہدہ فرمایا۔ اس معاہدہ کی تفصیل نہیں ملتی لیکن ماخذ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی بنوضمرہ کی طرح کا معاہدہ تھا۔ ابن کثیر اس معاہدے کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''فصالح بها بنی مدلج وحلفاء هم من بنی ضمرة فوادعهم'' (البدایۃ والنہایۃ ۲۴۶، ۲۴۷) سیرۃ الحلبیہ کے مطابق بھی اس معاہدہ کی تحریر، معاہدہ بنی ضمرہ کی تحریر کے ساتھ ملتی جلتی ہے، (السیرۃ الحلبیہ ۲/۳۵۰)

(۲) قبیلہ بنواشجع قبیلہ غطفان کی ایک شاخ تھی۔ یہ شام کے تجارتی راستے پر آباد تھے۔ (ابن سعد، الطبقات الکبری ۲۸۸، ۱/۲۷۴، ۱/۳۰۶) اسی قبیلہ کی ایک اور شاخ بنوعامر بن عکرمہ نے بھی پڑاو کا کاروبار چلانے کے لیے خصوصی پروانہ نبی ﷺ سے حاصل کیا۔ اس قبیلہ کے ایک سردار کو غزوہ خندق سے قبل جاگیر بھی دی گئی۔ (ابن سعد: ۱/۲۴، ۱/۲۷۳، نیز دیکھیں نبی ﷺ کی سیاسی زندگی ۲۸۹)

بنوضمرہ سے معاہدہ

۱۲صفر۲ھ میں غزوہ ابواء کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے بنوضمرہ(۱) کے سردار مخشی بن عمر ضمری سے یہ معاہدہ(۲) فرمایا:

۱- بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲- یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے بنوضمرہ کے لیے عہد نامہ ہے۔

۳- اس بات پر کہ انہیں مال اور جان پر امن حاصل ہے۔

۴- اور یہ کہ انہیں ہر (دشمن) کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر اچانک چڑھائی کردے۔

۵- اور ان پر نبی ﷺ کی مدد اس وقت تک واجب وضروری ہے جب تک سمندر میں رطوبت باقی رہے، بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں وہ (محمد ﷺ اور ان کے ساتھی) جنگ کریں (یا ان سے جنگ کی جائے)(۳)

---

(۱) مدینہ کے جنوب مغرب میں بسنے والے قبائل میں بنوضمرہ ایک بڑا اور بااثر قبیلہ تھا۔ یہ مدینہ منورہ سے مکہ کی جانب تقریباً اسی میل پر "ابواء" نامی جگہ کے اطراف میں آباد تھا۔ "ابواء" ایک اہم کاروانی اسٹیشن تھا اور مصر وشام کی تجارتی گزرگاہ تھا، ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب: ۴۶۵، معجم البلدان: (ابواء) ۱/۷۹)۔ بنو جہینہ کے علاوہ اس قبیلہ کے قریش مکہ کے ساتھ بھی بہت مضبوط تعلقات تھے۔ یہ اہل مکہ کے تجارتی قافلوں کو اپنے علاقوں سے بحفاظت گزارنے کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۲/۵۹۵ ابن حبیب کتاب المحبر: ۲۶۴۔ جواد علی، العرب قبل الاسلام، ۷/۳۰۵، ۳۰۶)

(۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر: ۱۵۹ مع ضمیمہ، سہیلی، الروض الانف، ۵۸، ۵۹، نیز محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ۲۸۱)

(۳) "الا ان یحاربوا فی الدین" پر مارگولیتھ کے اعتراض کا جواب: متن میں یہ الفاظ ذکر ہیں "الا ان یحاربوا فی الدین" ابن سعد کی روایت میں یُحاربوا (بصیغہ معروف) ہے جب کہ سہیلی کی روایت میں یحاربوا (بصیغہ مجہول) ہے۔ اول الذکر روایت کے مطابق اس کے یہ معنی نکلتے ہیں کہ مدینے کی دفاعی جنگ میں مدد دینے کی بنوضمرہ پر پابندی عائد کی گئی تھی۔ البتہ نبی کریم ﷺ اگر مذہبی ضروریات سے پیش قدمی کر کے کہیں جائیں تو یہ قبیلہ غیر جانبدار اور ناطرفدار رہے گا اس پر شریک جنگ ہونے کی پابندی نہ ہوگی۔ ثانی الذکر یعنی سہیلی کی روایت "یحاربوا" (بصیغۃ المجہول) پڑھیں تو یہ معنی نکلتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ ان کو مدد دیں گے بجز اس کے کہ یہ قبیلہ خود شرارت کرے اور اسلام کے خلاف حرکتیں کرے تو یہ معاہدہ دوستی ختم ہو جائے ....

۶- ان پر اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے.

۷- انہیں اس شرط پر مدد دی جائے گی کہ وہ وعدہ وفائی کرتے رہیں اور بری باتوں، عہد شکنی وغیرہ سے بچتے رہیں۔

بنوضمرہ سے دوسرا معاہدہ:

ماخذ میں بنوضمرہ سے ایک اور معاہدہ کا ذکر بھی ہے ,(۱) وہ یہ کہ:

نہ آپ ﷺ بنی ضمرہ سے جنگ کریں اور نہ یہ (بنوضمرہ) آپ ﷺ سے، اور یہ (بنوضمرہ) آپ ﷺ کے خلاف کسی گروپ بندی میں شریک نہ ہوں گے اور کسی دشمن کو آپ ﷺ کے خلاف مدد نہیں دیں گے .(۲)

.... گا۔ مارگولیوتھ نے اسی پر اعتراض کیا ہے اور دلیل یہ پیش کی ہے کہ یحارب ہوا تو مجہول ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب بھی محمد ﷺ تم پر حملہ کریں گے تو یہ معاہدہ ختم ہو جائے گا۔ (مجہول و معروف قرأت کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔ ص ۲۸۲۔ حوالہ جات کی تفصیل ہے ملاحظہ ہو، مجموعۃ الوثائق، وثیقہ نمبر ۱۵۹، مارگولیتھ کے اعتراض کے لیے دیکھیں Margoliouth (Life of Mohammad) p.241

مارگولیتھ کے مذکورہ بالا اعتراض کے بارے میں عون الشریف لکھتے ہیں کہ ''نحوی قاعدہ کے اعتبار سے معلوم قرأت ہی سلیم و عادی ہے اور قاری کا ذہن پہلے اسی کی طرف جاتا ہے۔ (نشأة الدولة الاسلامية، ص: ۴۵، ۴۶)

مارقولیث کا اعتراض اس لیے بھی درست نہیں ہو سکتا کہ غیر جانبدار غیر مسلموں سے جنگ نہ کرنے کے واضح احکام قرآن میں موجود ہیں، کہ ایسے ناطرفدار غیر مسلم جو تم سے جنگ نہ کریں ان سے جنگ نہ کی جائے، ان سے اچھے وخوشگوار تعلقات رکھنے کی ممانعت نہیں بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَO اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O﴾ (الممتحنہ ۸-۹) غیر جانبدار اور ناطرفدار غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کے ضمن میں مزید حوالہ جات کے لئے ملاحظہ ہوں، تفسیر الطبری، ۲۹/۴۱، ابن العربی، احکام القرآن، ص: ۲۴۹).

(۱) (۱) ابن سعد: ۱/۲۷۴، ۲۷۵، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر: ۱۶۰ تفصیل کے ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ۲۸۳

(۲) معاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنوضمرہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ معاہدہ میں دینی جنگ کی صورت میں مدد کرنے سے استثناء کی بات کی گئی ہے ملاحظہ ہو، (رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی: ۲۸۰-۲۸۳)

بنوغفار سے معاہدہ

ہجرت کے دوسرے سال آپ ﷺ نے بنوغفار(۱) سے حلیفی کا معاہدہ فرمایا کہ:

۱- یہ تحریر بنوغفار کے لیے ہے۔

۲- وہ (بنوغفار) مسلمانوں میں سے (سمجھے جائیں گے) ہیں(۲) انہیں وہی حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں اوران کے ذمہ وہی واجبات ہوں گے جومسلمانوں کے ذمہ ہیں۔

---

(۱) (i) بنوغفار بن ملیل بن ضمرۃ بن بکر بن عبد مناف۔ یہ شام وفلسطین کے کاروانی راستے پر آباد ایک مشہور قبیلہ تھا، یہ بنوضمرہ کے رشتہ دار تھے۔قبول اسلام سے قبل ان کا پیشہ راہزنی تھا، اس قبیلہ میں قبل از ہجرت ہی بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے۔مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر۱۶۱، مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں۔السہیلی، الروض الانف ۵۸/۲، معجم القبائل ۸۸۹، عون شریف، النشاۃ الدولۃ الاسلامیۃ ص: ۵۵، ۵۶۔ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی،ص:۲۸۶) سہیلی کے بقول نبی کریم ﷺ نے ابتدائی دور میں ان سے معاہدہ حلیفی فرمایا تھا(الروض الانف ۵۸/۲) نیز ابن سعد:۲۷۴/۱

(ii) بنوغفار کا ایک ذیلی قبیلہ بنوعبد بن عدی تھا۔جن کا قیام قریش کے قریب حدودحرم میں تھا۔انہوں نے ایک وفد بھیج کر آنحضرت ﷺ سے یہ پیش کش کی کہ وہ قریش کے ساتھ مصالحانہ تعلقات رکھتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف رہنا چاہتے ہیں۔آنحضرت ﷺ نے ان کی اس پیش کش کوقبول فرمایا۔چنانچہ انہوں نے اس پر حلیفی کی کہ وہ قریش مسلم جنگ میں یہ غیر جانبدار رہتے ہوئے مسلمانوں کے حلیف رہیں گے اوران کا ساتھ دیں گے۔ ان کے وفد کی گفتگو نقل کرتے ہوئے ابن سعد لکھتے ہیں "فقالوا یا محمد نحن اهل الحرم وساكنه واعزمن به ونحن لانريد قتالك، ولو قاتلت غير قريش قاتلنامعك ولكنا لا نقاتل قريشا" ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ۳۰۶/۱، مزید ملاحظہ ہو، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی،ص: ۲۸۵)

(۲) بنوغفار کے ساتھ معاہدے کی شق نمبر۱ "انهم من المسلمين، لهم ما للمسلمين وعليهم ما على المسلمين" سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا۔اگر چہ شروع اسلام سے ہی اس قبیلہ میں اسلامی اثرات کا ثبوت ملتا ہے اور قبیلہ میں ایک بڑی تعداد میں مسلمانوں کا ہونا بھی ناممکن نہیں لیکن مذکورہ بالا معاہدہ میں اس بات کا ذکر کہ "وہ دینی جنگ سے مستثنی رہیں گے" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قبیلہ کی اکثریت معاہدہ کے وقت تک مسلمان نہیں ہوئی تھی۔(مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر۱۶۱۔تفصیل ملاحظہ ہو۔السہیلی، الروض الانف: ۵۸/۲، محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ۲۸۵، عون شریف، النشاۃ الدولۃ الاسلامیہ،ص:۵۵،۵۶) معاہدے کی دوسری شق "انهم من المسلمين" میں ...

۳- اور یہ کہ نبی ﷺ نے ان کے مال وجان کے متعلق اللہ اور اس کے رسول کی ذمہ داری کا معاہدہ کیا ہے۔

۴- اور ان کو اس دشمن کے خلاف امداد دی جائے گی جو ان پر ظلم سے پیش قدمی کرے۔(۱)

۵- اور یہ کہ نبی ﷺ جب ان کو اپنی مدد کے لیے بلائیں تو یہ حاضر ہوں اور ان پر آپ کی مدد واجب ہوگی (۲) بجز دینی جنگ کے (۳) اس وقت تک جب تک سمندر میں تری باقی رہے

... "من المسلمین" سے مراد مسلمان نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے دوستوں اور حلیفوں میں سے ہیں۔ معاہدات نبوی ﷺ کے دیگر نظائر سے بھی اس مفہوم کی تصدیق ہوتی ہے۔مثلاً یہود مدینہ سے کیے گئے معاہدہ (دستور مدینہ) میں یہود کے لیے بھی "امة من المسلمین" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔علاوہ ازیں جس طرح بنوغفار کو دینی جنگ میں سے مستثنی قرار دیا گیا ہے۔اسی طرح یہود مدینہ کو بھی دینی جنگ میں مدد سے مستثنی قرار دیا گیا ہے۔ (الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر: ا نیز تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص: ۲۸۶)

(۱) "ولهم النصر على من بدأهم بالظلم" سے معلوم ہوا کہ معاہد اگرچہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو اگر وہ مظلوم ہے تو اس کی مدد کرنے کا جواز ہے اور پہلے سے اس کے ساتھ ایسی مدد کرنے کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲۱۱......)۔یہاں یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ وہ مظلوم نہ ہوں گے تو ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔اس کے متعلق ارشاد باری تعالی ہے۔" وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"(المائدہ:۲) "نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو"۔

(۲) اس شق سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت یا حالتِ جنگ میں غیر مسلموں سے امداد لی جاسکتی ہے۔اس کی مزید کئی مثالیں سیرت کے ذخیرے میں ملتی ہیں۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ...... ۱۵۳)

(۳) اس شق میں "الا من حارب فی الدین" (یعنی مسلمان دینی جنگ کریں تو بنوغفار کو مسلمانوں کی مدد واجب نہ ہوگی) سے پتہ چلتا ہے کہ بنوغفار کی اکثریت ابھی تک مسلمان نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ اس معاہدے میں ان کے لیے عبادات نماز زکواۃ وغیرہ کے متعلق باتوں کا ذکر بھی نہیں (عون شریف، النشاۃ الدولۃ الاسلامیۃ، ص: ۵۶)۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ "اس قبیلے کے کچھ لوگ نور ایمانی سے فوراً متنور ہوں گے۔ ماقی اگر نصرانی یا بت پرست ہی رہتے ہوئے مسلمانوں سے حلیفی کرتے ہوں تو کوئی مانع نہیں"۔(رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص: ۲۸۷)

گی۔(۱)

۶۔ اور یہ تحریر (معاہدہ) کسی گناہ کے (مواخذے) میں آڑے نہ آئے گی (۲)

---

(۱) (i) "مابل بحر صوفة" یہ الفاظ گزشتہ بنوضمرہ کے ساتھ معاہدے میں بھی گزر چکے ہیں۔ اس سے مدت معاہدہ کی طرف اشارہ ہے کہ یہ معاہدہ بہت طویل مدت تک کے لیے ہوگا۔ اگر فریق ثانی اس کو ازخود نہ ختم کرے تو مسلمانوں کی طرف سے یہ ختم نہ ہوگا۔

(ii) غیر مسلموں کے ساتھ طویل صلحی معاہدے : معاہدے کی اس دفعہ سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ طویل صلحی معاہدے بھی جائز ہیں۔ اس طرح کی دفعات دیگر قبائل مثلاً بنوضمرہ، بنو اشجع، بنوخزاعہ کے ساتھ میں بھی ملتی ہیں۔ (ملاحظہ ہوں معاہدات۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر: ۹۴، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۷۱، ۱۸۶ وغیرہ)

فقہائے کرام میں امام شافعی، امام احمد اور بعض دیگر فقہا کی رائے یہ ہے کہ کفار کے ساتھ غیر معینہ مدت تک کے صلحی معاہدے کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ جہاد کو ختم کرنے کے مترادف ہے لیکن اس پر اکثر فقہاء کا (امام شافعی اور احمد سمیت) اجماع ہے کہ مسلمانوں کے مفاد میں اگر یہ بات ہو کہ کفار کے ساتھ طویل صلحی معاہدہ کیا جائے (جس کی مدت دس برس سے بھی زیادہ ہو) تو ایسا کرنا بھی جائز ہے۔ ملاحظہ ہو (الشافعی، کتاب الام: ۴/۲۰۰، ابن قدامۃ، المغنی: ۸/۴۶۰، زادالمعاد: ۵۸۵، العینی، عمدۃ القاری: ۱۵/۱۰۵) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر ۱۹۶...

(۲) "ان هذا الكتاب لا يحول دون اثم" "یہ تحریر (معاہدہ) کسی گناہ کے (مواخذے) میں آڑے نہ آئے گی سے مراد یہ ہے کہ یہ معاہدہ ان کے جرم کے سزا میں آڑ نہیں بنے گا۔ یعنی اگر وہ ظلم یا بغاوت کریں گے تو نبی ﷺ ان کا مواخذہ کریں گے اور ان کی مدد نہیں کریں گے۔ علاوہ ازیں اگر فریق ثانی (مسلمان) بھی اگر کوئی ایسی جنایت کے مرتکب ہوں جو کہ بغاوت یا حدود کو واجب کرتی ہو تو اس معاہدہ کی بنا پر ان سے بھی حدود شرعیہ ساقط نہ ہوں گی۔

بنو اشجع سے معاہدہ

بنو اشجع کے ساتھ کیا گیا یہ معاہدہ بھی کافی ابتدائی کے زمانے کا ہے۔(۱) اس کا متن درج ذیل ہے۔

۱۔ مہربان رحم والے اللہ کے نام سے

۲۔ نعیم بن مسعود بن رخیلہ اشجعی (۲) نے اس بات پر حلیفی کی

۳۔ اس نے مدد اور بہی خواہی کے لیے، (آپ ﷺ سے) حلیفی کی جب تک کہ (جبل) احد اپنی جگہ رہے اور جب تک سمندر میں رطوبت باقی رہے۔(۳) اور اس کو علی نے لکھا:

---

(۱) اشجع، قبیلہ غطفان کی ایک شاخ تھی۔ یہ بھی قریش کے کاروانی راستے پر مدینہ کے شمال میں آباد تھے۔ جب مسلمان مدینہ کے تجارتی راستے پر مؤثر نگرانی میں کامیاب ہو گئے تو بعض دیگر قبائل کی طرح یہ بھی معاشی کساد بازاری کا شکار ہوئے۔ اسی وجہ سے انہوں نے (غزوہ خندق کے سال) اپنا وفد مدینہ بھیجا اور اسلامی ریاست سے دوستی کا معاہدہ کیا۔(ابن سعد الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۷۴، ۲۸۸، ۳۰۶، ابن اثیر، اسد الغابۃ، ۵/۳۳، محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ۲۸۸، عون شریف، نشاۃ الدولۃ الاسلامیۃ، ۶۳، ۶۴، ۲۹۵)

(۲) نعیم بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ الغطفانی الاشجعی غزوہ احزاب کے موقع پر مسلمان ہوئے انہوں نے غزوہ میں قریش، غطفان اور یہود کے اتحاد کو ختم کر کے مسلمانوں کے لیے قابل ستائش خدمات انجام دیں۔(ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۶۸۰، ۶۸۱، ابن الاثیر، اسد الغابۃ، ۵/۳۳، ابن حجر، الاصابہ نمبر: ۸۷۸۱)

(۳) "ماکان اُحُد مکانہ مابل بحر صوفۃ" (جب تک جبل احد اپنی جگہ قائم رہے اور سمندر میں رطوبت باقی رہے) یہ الفاظ، معاہدہ حلیفی کے دوام اور طویل عرصہ کے لیے کنایہ ہیں۔

بنو جہینہ سے معاہدہ

بنوجہینہ (۱) کے ساتھ ہونے والے معاہدات دو طرح کے ہیں۔

وہ معاہدات جو، ان کے اسلام لانے سے قبل کے ہیں یا بنوجہینہ کے ان قبائل سے ہیں جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے مثلاً بنی ربعہ اور بنی زرعہ وغیرہ۔ (۲) دوسرے وہ معاہدے ہیں جن میں بنوجہینہ کے اسلام کا ذکر ہے یا یہ معاہدے بنوجہینہ کے ان قبائل وبطون کے ساتھ ہیں جو مسلمان ہو چکے تھے۔ مثلاً بنی جرمز، بنی حرقہ وغیرہ (۳) مذکورہ بالا دو قسموں میں ہم دوسری قسم کے معاہدات کو آخری فصل میں الگ سے بیان کریں گے البتہ وہ معاہدہ جو بحیثیت غیر مسلم قبیلہ کے ہے وہ درج ذیل ہے۔

---

(۱) (i) بنوجہینہ بن زید بن لیث عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ یہ مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں شام ومصر کے تجارتی راستے پر، بحراحمر کے نزدیک ینبوع کے آس پاس پھیلے ہوئے تھے۔ (معجم البلدان:۴/ ۱۲۷) قبل از اسلام یہ قبیلہ، خزرج کا حلیف تھا چنانچہ ابن اثیر کے بقول جنگ بعاث میں انہوں نے اوس کے خلاف خزرج کا ساتھ دیا تھا۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ:۱/ ۶۸۰)

(ii) اس قبیلہ کے ایک بطن بنوشخ اور ایک اہم آدمی عوسجہ کو آپ ﷺ نے جاگیر بھی عنایت کی: (مجموعۃ الوثائق، وثیقہ نمبر۱۵۴، ۱۵۵)

(iii) وثائق نبوی ﷺ اور دیگر ذرائع سے پتہ چلتا ہے کہ قبیلہ جہینہ میں اسلامی اثرات جلد ہی پھیلتے چلے گئے۔ اس قبیلہ کی ایک شاخ بنی جرمز کے ساتھ مکتوب نبوی ﷺ میں ان کے اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر چہ دیگر ذرائع سے اس کی تصدیق نہیں ہوسکتی لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول یہ مکتوب بھی بدر کے بعد کا ہوسکتا ہے۔ (مجموعۃ الوثائق السیاسیہ: وثیقہ نمبر۱۵۳) رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۔۲۸۴) ان کی ایک اور شاخ جرمز اور بنی حرقہ وغیرہ کی طرف ایک مکتوب نبوی کا ذکر موجود ہے اس سے بھی ان کے اسلام کا پتہ چلتا ہے۔ البتہ مکتوب کے متن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری زمانہ کا ہے۔ (مجموعہ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر۱۵۲۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی:۲۸۴)

(۲) مثلاً ملاحظہ ہو، ابن سعد:۱/ ۲۷۰، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ، معاہدہ نمبر۱۵۱

(۳) ملاحظہ ہو، ابن سعد:۱/ ۲۷۱، مجموعۃ الوثائق السیاسیہ: نمبر۱۵۲

بنوزرعہ و بنی ربعہ (۱) سے معاہدہ:

بنو جہینہ کے ساتھ معاہدات میں یہ اولین معاہدہ ہے۔ ۲ھ میں ہونے والے اس معاہدے کا شمار اسلام کے اولین معاہدات میں ہوتا ہے۔ (۲) اس معاہدے میں یہ طے پایا کہ۔

۱۔ انہیں جان و مال پر امان ہے

۲۔ ان کو ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے بجز دین اور اہل و عیال کے۔ (۳)

۳۔ ان کے خانہ بدوشوں کو بھی جو معاہدے کی تکمیل کریں (عہد شکنی سے اجتناب کریں) وہی حقوق ہوں گے جو ان کی بستیوں میں رہنے والوں کے ہیں۔

۴۔ اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔

---

(۱) بنوزرعہ اور بنو ربعہ بن راشد جہینہ کا ایک خاندان ہے (تاج العروس، ۵/۳۴۸) یہ معاہدہ بھی گزشتہ بنوضمرہ اور بنو جہینہ کے معاہدات سے ملتا جلتا ہے۔ اس میں بنوزرعہ اور ربعہ کے لیے واجبات الدینی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا علاوہ ازیں "او حاربھم الا فی الدین" کی عبارت سے بھی معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ (عون الشریف، نشأۃ الدولۃ الاسلامیۃ، ص: ۵۸)

(۲) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۷۰، ۱/۳۳۷، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳/۲۴۸

(۳) "او حاربھم الا فی الدین والاھل" ڈاکٹر حمید اللہ نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ "ان کو ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائے گی جو، ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے بجز دین اور اہل و عیال کے" وہ مزید لکھتے ہیں کہ "والاھل (جن کا ترجمہ ہم نے "اہل و عیال" کیا ہے) کچھ واضح نہیں۔ بھرتی کے معلوم ہوتے ہیں۔ یا تو اس سے مراد خود قبیلے کی خانہ جنگی ہے یا یہ کہ اس کے بعد ہی کا لفظ "والاھل" کو کاتب نے سہوا مکرر لکھ دیا ہے اور ناشر نے اس کو نباہا" (رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: ۲۸۴) اگر مذکورہ بالا معنی مراد لیں تو گویا ان سے دینی جنگ کے ساتھ ساتھ داخلی خانہ جنگی وغیرہ میں بھی ان کی مدد کرنے سے استثناء ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں ان کی خاندانی جنگ میں مسلمان فریق نہیں بنیں گے۔

"الاِلّ" بمعنی عداوت و کینہ کے بھی ہیں۔ (لسان العرب، ال) اس صورت میں یہ حرف استثناء نہ ہوگا اور معنی یہ ہوگا کہ نبی ﷺ اور مسلمانوں کی طرف سے ان کو حملہ آور کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان سے دین اور خاندان اہل و عیال کے معاملہ میں ضد و عداوت کی بنا پر جنگ کرے۔ ان میں سے اول الذکر معنی ہی قرین قیاس اور مفہوم کے قریب تر معلوم ہوتے ہیں۔

فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ

مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں بسنے والے ان مذکورہ قبائل سے معاہدات نبوی تقریباً ایک ہی نوعیت کے ہیں۔ ان معاہدات کے ضمن میں مختصر فقہی توضیحات وابحاث تو گزر چکیں البتہ بعض تفصیل طلب مسائل ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں

۱۔ غیر مسلموں کو امان دینا۔

۲۔ غیر مسلم معاہدین کی جنگی امداد کرنا اور ان سے تعلقات رکھنا۔

۳۔ غیر مسلم معاہدین سے جنگی امداد لینا۔

۴۔ غیر مسلموں سے غیر جانبداری کے تعلقات۔

۱: امان

بنوضمرہ، بنوغفار، بنوجہینہ اور دیگر کئی قبائل کے ساتھ معاہدات میں معاہد قبیلہ اور اس کے حلیفوں کو قومی سطح پر امان دی گئی۔ یہ امان دراصل سلامتی، تحفظ وامن کی یقین دہانی ہے۔ چنانچہ امان کے بعد ان غیر مسلموں کو قتل کرنا، قیدی بنانا یا ان کا مال، مال غنیمت بنانا جائز نہیں۔

فقہاء نے امان کی دو قسموں کا ذکر کیا ہے۔(۱)

(الف) امان خاص (ب) امان عام

(الف) امان خاص:

یہ وہ امان ہے جو کہ غیر مسلموں، کو جو تعداد میں کم ہوں، کو دی جاتی ہے۔ یہ دراصل انفرادی امان ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت سفیانؓ کو امان عنایت فرمائی۔ حکیم بنت الحارث نے عکرمہ بن ابی جہل کو امان دی، عثمان بن عفان نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو امان دی (۲)

---

(۱) الشربینی، مغنی المحتاج ۴/۲۳۶، الکاسانی، البدائع والصنائع: ۷/۱۰۶۔ القرافی، الفروق) ۳/۲۴

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۴/۳۱، ۵۲، ابن اثیر، الکامل، ۲/۱۲۰، ۱۲۳، ۱۲۴، ابن القیم، زاد المعاد ۳/۱۲۱، ۱۲۲، ۴۱۰، ۴۱۳۔ فقہی مسئلے کی تفصیل ملاحظہ ہو، ابویوسف، کتاب الخراج، ۲۰۴، ۲۰۵ نیز ابن قدامۃ، المغنی: ۸/۳۹۶

جمہور فقہاء کرام کے نزدیک ہر مسلمان مرد و عورت انفرادی طور پر یہ امان دے سکتے ہیں۔(۱) بعض فقہاء مالکیہ وحنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ امام کے علاوہ دوسرے افراد امان دینے کے اس وقت تک اہل نہیں جب تک وہ امام سے اجازت نہ حاصل کرلیں نیز امام کو ان کی امان کو نافذ کرنے یا رد کرنے کا اختیار حاصل ہے۔(۲)

(ب) امان عام:

یہ وہ امان ہے جو کہ ایسے غیر مسلموں کے ایک بڑے گروہ کو دی جاتی ہے۔ جو مسلمانوں کی قید میں نہیں ہوتے بلکہ آزاد حیثیت سے زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

امان عام ملکی وقومی سطح کا مسئلہ ہے۔ امان کا یہ معاہدہ صرف مسلمانوں کے امیر کا حق ہے یا اس کے مقرر کردہ نمائندہ یا نائب امیر ہی اس طرح کی امان دے سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے معاہدات میں اسی قسم کی امان کا ذکر ہے۔(۳) فقہا کے نزدیک ایک سربراہ مملکت کو مکمل اختیار ہے کہ وہ مسلمانوں کے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے کافروں کے چھوٹے بڑے گروہ یا علاقہ کے تمام غیر مسلموں کے ساتھ امان کا معاہدہ کرے۔(۴)

---

(۱) حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے غلام کی امان کو بھی درست قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ''عبدالمسلمين من المسلمين وذمته ذمتهم) مصنف عبدالرزاق ۲۲۲/۵، ۲۲۳، سنن البیھقی ۳۳۶/۹ نیل الاوطار ۲۸/۸ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الشیبانی، السیر: ۳۰۶، الام ۱۴۵۴/۴، ۱۹۶، ۱۹۷، الام ۲۸۴/۴۔ المدونة الکبری ۴۱/۲، ۴۲، ۴۱/۳، المغنی ۳۹۸/۸، نصب الرایۃ ۳۹۵/۳، ۲۲۹/۹، ۲۳۳، ۲۸۲، ۲۸۴۔ البدائع والصنائع: ۱۰۶/۷

(۲) شرح السیر الکبیر ۳۵۶/۱، المنتقی علی الموطا ۱۷۳/۳۔ الدسوقی ۴۹۴/۲، الخرشی ۱۲۲/۳۔ بدایة المجتهد ۲۷۰/۱، شرح المجموع ۲۷۲/۱۔ کشاف القناع ۸۳/۳، ۸۵۔ نیل الاوطار (کتاب الامان) ابن قدامہ ۵۷۲/۱۰۔ نیز ملاحظہ ہو ۔عبدالکریم زیدان ۴۹، ۵۰۔

(۳) ملاحظہ ہوں ''معاہدات نبوی ﷺ میں امان کا ذکر'' مجموعة الوثائق السیاسیة۔ معاہدہ نمبر ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۹۰

(۴) الدسوقی، حاشیہ الدسوقی: ۴۹۴/۲، الشربینی، مغنی المحتاج: ۲۳۶/۴، ابن قدامہ، المغنی، ۳۹۸/۸ نیز ملاحظہ ہو الزحیلی،، العلاقات الدولیة فی الاسلام: ۱۳۷

۲۔غیر مسلم معاہدین کی جنگی امداد

رسول اللہ ﷺ نے بنوضمرہ، بنوغفار، بنوجہینہ کے ساتھ یہ معاہدہ فرمایا کہ انہیں ہر ایسے دشمن کے خلاف مدد دی جائے گی جو ظلم سے ان پر حملہ آور ہو جائے۔(۱)

معاہدہ کی اس شق سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دو غیر مسلم قوتوں کی باہمی جنگ ہو تو جس قوت سے مسلمانوں کا جنگی تعاون کا معاہدہ ہو چکا ہو اس کا ساتھ دینا اور اس کی جنگی امداد کرنا جائز ہے، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ معاہد فریق مظلوم ہو۔ اس شرط و تخصیص کی وضاحت مذکورہ بالا معاہدات نبوی میں بھی موجود ہے اور اس کا عملی ثبوت بنوخزاعہ اور بنوبکر کی باہمی لڑائی اور واقعہ حلف الفضول سے ملتا ہے۔ جب بنوبکر نے بنوخزاعہ (جو کہ مسلمانوں کے حلیف تھے)(۲) پر ظالمانہ حملہ کیا آپ ﷺ نے ان کی مدد کرنے کا اعلان فرمایا۔

چنانچہ اس کے نتیجہ میں قریش سے معاہدہ صلح ٹوٹ گیا اور غزوہ فتح مکہ ہوا۔ اسی طرح حلف الفضول کے تحت جب کہ دونوں طرف کفار ہی تھے آپ ﷺ نے ظالم کفار کے خلاف مظلوم کفار کا ساتھ دینے کا معاہدہ کیا۔(۳)

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت کا معاہد مظلوم نہیں بلکہ ظالم ہے۔ ایسی صورت میں اس کا ساتھ

---

(۱) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: وثیقہ نمبر ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۵۱

(۲) (ا) الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۱۷۱، نیز مظلوم غیر مسلم معاہدین کی جنگی امداد کرنے سے متعلق دیگر معاہدات میں تذکرے ملاحظہ ہوں۔ الوثائق: وثیقہ نمبر: ۴۸، ۱۸۱۔ اہل مقنہ سے معاہدہ۔

(ب) قرآنی آیات میں بھی غیر محارب غیر مسلموں کے ساتھ عدل وانصاف اور مالی امداد کرنے کے واضح احکام موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں النساء: ۹۰۔ الممتحنہ: ۸، ۹۔ ابن العربی، احکام القرآن: ۲/ ۲۴۹۔ تفسیر طبری ۲۸/ ۴۱۔ تفسیر کبیر ۸/۱۳۴۔

(۳) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس معاہدے کے عوض سرخ اونٹ بھی دیئے جاتے تو مجھے اتنا پسند نہیں کہ جتنا معاہدہ اور اگر مجھے اسلام کے بعد بھی اس طرح کی دعوت دی جاتی تو میں قبول کر لیتا۔ (مسند احمد ۱/ ۱۹۰، ۱۹۳) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۱/ ۱۴۱، ۱۴۲۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ: ۱/ ۲۵۷، ۲۵۹۔ بعض روایات میں ذکر ہے کہ جب اہل حبشہ کی لڑائی ہوئی تو مہاجرین حبشہ نے نجاشی کا ساتھ دیا۔ (الشیبانی، شرح کتاب السیر الکبیر، باب نمبر ۱۴۱/ ۴، ۱۴۲۲/ ۱۴۲۴)

دینا یا اس کی طرفداری کرنا جائز نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اثم وعدوان میں کسی کی مدد کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (۱)

''نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو اور گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو''۔

غیر مسلموں سے جنگی تعاون/معاہدہ کی اہم صورت جنگ میں بڑی طاقتوں کے ساتھ اسلامی ریاستوں کی معاونت کی صورت میں سامنے آئی ہے۔ یہ تعاون لاجسٹک سپورٹ، جس میں فوجی اڈوں، جنگی طیاروں، ہوائی اڈوں کی حوالگی وغیرہ شامل ہیں، کی صورت میں ہوتا ہے۔ شریعت میں ایسا معاہدہ اور تعاون جائز نہیں کیونکہ اس سے خود متعاون اسلامی ریاست کی حرمت اور سیادت کو ضرر لاحق ہوتا ہے کیونکہ ایسے معاہدات میں ایک اسلامی ریاست غیر مسلم قوت کی حاشیہ بردار بن کر اس کی عمیل بنتی ہے۔ ایسا معاہدہ جس میں ناجائز طور پر کسی ریاست کے خلاف (چاہے وہ ریاست غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو) کارروائی میں معاونت ہو، شرعاً اسلامی ریاست کے لئے ناجائز ہے چہ جائیکہ اسلامی ریاست ایک دوسری اسلامی ریاست کے خلاف اہل کفر کی معاونت کرے۔ قرآن وسنت کی واضح نصوص

---

(۱) المائدۃ: ۲، نیز ارشاد ربانی ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ﴾ (النحل/ ۹۰) ''اللہ تعالیٰ عدل کا، بھلائی کا اور قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی کے کاموں ناشائستہ حرکتوں اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے، وہ خود تمہیں نصیحتیں کر رہا ہے کہ تم نصیحت حاصل کرو''۔

اس تعاون کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں۔(۱) علاوہ ازیں اسلامی ریاستیں اپنے تعدد اور تکاثر کے باوجود شرعی اصولوں کی بالادستی کی وجہ سے ایک وحدت کا درجہ رکھتی ہیں۔ چنانچہ کسی ایک ریاست کے خلاف کارروائی کو اصولی طور پر تمام اسلامی ریاستوں کے خلاف کارروائی سمجھا جاسکتا ہے۔ جدید قانون بین الاقوام بھی بعض ریاستوں کے ایسے معاہدوں کو جائز تسلیم کرتا ہے۔ جس کے تحت اتحاد میں شامل کسی ایک ریاست کا حریف تمام ریاستوں کا حریف تصور کیا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) المائدہ: ۵۱، ۵۷، النساء: ۱۴۳، الجصاص، احکام القرآن: ۲/۴۴۴ نیز البخاری، کتاب الجہاد، باب الجاسوس، حدیث نمبر (۳۰۰۷)، المبسوط: ۱۰/۲۲۴

(۲) مثلاً دوسری عالمگیر جنگ کے خاتمہ پر ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۵ء میں بہت سے مغربی ممالک کے درمیان قرار پانے والا اٹلانٹک پیکٹ اور وارسا پیکٹ، اس کی مثالیں ہیں۔ ملاحظہ ہو تفصیل کے لئے، العففی (م ن) نیز العشماوی (م ن)، ص: ۲۰۰

۳۔ غیر مسلم معاہدین سے جنگی امداد لینا

رسول اللہ ﷺ نے کئی غیر مسلم قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ ضرورت پڑنے پر وہ مسلمانوں کی مدد کریں گے، چنانچہ بنوغفار کے ساتھ معاہدے میں بھی آپ ﷺ نے یہ شرط بھی رکھی کہ نبی ﷺ جب ان کو اپنی مدد کے لیے بلائیں تو یہ حاضر ہوں گے۔(۱) یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حالت جنگ میں مسلمان غیر مسلم معاہدین سے امداد لے سکتے ہیں؟

جمہور فقہاء کرام اس کے قائل نہیں۔ لیکن ان کے اس نقطہ نظر کی بنیادی علت یہ ہے کہ اس طرح کفر کے غالب ہونے کا خدشہ ہے اور کفار کو مسلمانوں کے اندر داخل ہونے کی راہ ملتی ہے جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (۲)

علامہ کاسانی مسلک احناف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے جائز نہیں کہ وہ کافروں سے قتال کرنے کے لیے دوسرے کافروں سے مدد طلب کریں، کیونکہ اس امر کی کوئی ممانعت نہیں کہ وہ غداری یا بدعہدی نہیں کریں گے، ماسوا اس کے کہ وہ (مسلمان) ان سے مدد لینے پر بالکل مجبور ہو جائیں۔ (۳)

---

(۱) ملاحظہ ہو۔ اس قسم کی شق بنوضمرہ کے معاہدے میں معاہدہ نمبر ۱۵۹، دستور مدینہ۔ معاہدہ نمبر ۲۱ شق نمبر ۳۸، ۴۴۔ بنوغفار سے معاہدہ ۱۶۱ وغیرہ

(۲) النساء: ۱۴۱، الجصاص، احکام القرآن: ۴/ ۱۰۵۔ نیل الاوطار: ۸/ ۴۴۔ ابن الھمام، فتح القدیر ۴/ ۳۲۷۔ الزیلعی، نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ: ۳/ ۴۲۴

(۳) احناف کا مسلک ذکر کرتے ہوئے جصاص اور علامہ کاسانی نے کفار سے قتال کے لیے کافروں سے مدد لینے کو جائز قرار دیا (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۴۴۷، بدائع الصنائع: ۷/ ۱۰۱۔ شرح السیر ۳/ ۱۸۶ میں احناف کے مسلک کی تفصیل یوں ملتی ہے "ولا باس بان يستعين المسلمون بأهل الشرك على اهل الشرك اذا كان حكم الاسلام هو الظاهر عليهم. لان رسول الله استعان بيهود قينقاع على بنى قريظة، وخرج صفوان مع النبى حتى شهد حنينا. الطائف وهو مشرك. فعرفنا انه لا باس بالاستعانة بهم وماذلك الا نظير الاستعانة بالكلاب على المشركين والى ذلك أشار رسول الله بقوله(ان الله تعالى ليؤيد هذا الدين بأقوام لا خلاق لهم فى الاخرة) اخرجه الطبرانى عن ابن عمروبن العاص.

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس میں فقہاء کرام کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ غیر مسلموں کی مدد لینے سے ان کے غالب ومعتبر ہونے وغیرہ کا اندیشہ ہے۔ اگر یہ اندیشہ ختم ہو جائے اور مسلمانوں کے سربراہ کو مکمل یقین ہو کہ یہ غیر مسلم پوری طرح مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے اصول وضوابط کی مکمل پابندی کریں گے تو ان سے جنگی استعانت لینا جائز ہے۔(۱)

اس سلسلہ میں اگر نظائر نبوی ﷺ کا مطالعہ کیا جائے تو جواب اثبات کی شکل میں ملتا ہے۔ اگر چہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے موقع پر ایک کافر سے مدد لینے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا تھا کہ میں کسی مشرک سے ہرگز مدد نہ لوں گا۔(۲) لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی مواقع پر کفار سے جنگ میں مدد لی گئی۔ مثلاً جنگ حنین میں رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے مدد حاصل کی حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے(۳) نیز بدر سے چار سال بعد جنگ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے بنو قینقاع کے یہود سے مدد لی(۴) قبیلہ بنو خزاعہ نے فتح مکہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا(۵) ہجرت مدینہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے راستے کی راہنمائی کے لیے بنو الدیل کے ایک غیر مسلم شخص

---

(۱) المختصر ۱/۱۴۶، نووی، شرح صحیح مسلم ۲/ ۱۱۸، نیز ملاحظہ ہوں، الشوکانی، نیل الاوطار: ۸/۴۴، اعلاء السنن: ۲/ ۵۱۔ ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/۴۵۶، الجصاص، احکام القرآن ۲/ ۴۴۷

(۲) الشوکانی، نیل الاوطار: ۸/۴۳۔ الشافعی، کتاب الام ۴/ ۲۶۱۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو اس آدمی پر اعتماد نہ ہو یا کوئی اور حکمت پیش نظر ہو جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے اسے مسلمانوں کے ساتھ شامل نہیں کیا۔ رد المختار میں ہے کہ غزوہ بدر کے بعد آپ ﷺ کو کفار سے استعانت ورخصت دے دی گئی (رد المختار ۴/ ۲۶۱)

(۳) واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن ہشام ۴/ ۸۳۔ نیز شرح صحیح مسلم از نووی ۲/ ۱۱۸

(۴) بعض روایات کے مطابق خیبر میں بعض غیر مسلموں سے جنگ میں مدد لی گئی اور انہیں حصہ بھی دیا گیا (الترمذی، کتاب السیر، باب ماجآ فی اھل الذمۃ یغزون مع المسلمین ھل یسھم لھم، حدیث نمبر (۱۵۵۸، ۱۵۵۹) نیز، الشوکانی، نیل الاوطار ۸/۴۳۔ الشافعی، کتاب الام: ۴/ ۲۶۱، ابن قدامۃ، المغنی: ۸/۴۱۴

(۵) ابن قیم لکھتے ہیں کہ پرامن مشرک سے ضرورت کے وقت جہاد میں مدد حاصل کرنا جائز ہے، زاد المعاد میں ہے: ان الاستعانۃ بالمشرک المامون فی الجھاد جائزۃ عندالحاجۃ لأن عیینۃ الخزاعی کان کافراً اذ ذاک'' (زاد المعاد: ۲/ ۵۳۲ نیز الشوکانی، نیل الاوطار: ۸/ ۴۵)

کی خدمات اجرت پر حاصل کیں۔(۱)

اثبات کی ان تمام روایات کے علاوہ کئی معاہدات نبوی ﷺ میں کفار سے جنگی امداد لینے کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً یہود مدینہ، بنوضمرہ، بنوجہینہ، بنوخزاعہ وغیرہ کئی غیر مسلم قبائل کے ساتھ کئے گئے معاہدات میں ایسی شقیں موجود ہیں جن سے غیر مسلم معاہدین سے جنگی امداد لینے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔(۲) علاوہ ازیں نصاری نجران کے ساتھ ہونے والے معاہدے میں نہایت وضاحت سے اس کے اثبات کی نشاندہی ہوتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس معاہدہ میں لکھا کہ:

''جب یمن میں کوئی بغاوت ہو تو اس وقت انہیں ہم کو تیس گھوڑے اور تیس زرہیں عاریتاً دینی ہوں گی۔''(۳)

مذکورہ بالا تمام روایات اور واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں سے امداد لیتے وقت نہ تو انہیں بنیادی و مرکزی حیثیت دی گئی اور نہ ہی ان کا غلبہ و برتری کے امکانات میں ان سے امداد حاصل کی گئی۔ ان روایات سے فقہاء کرام کے مسلک کی تردید نہیں ہوتی۔ کیونکہ جمہور فقہاء کے انکار کی علت اصل میں یہی ہے کہ اس طرح کفار کو عزت و برتری حاصل ہوتی ہے اور مسلمانوں پر ان کے غلبہ کے امکان ہوتے ہیں۔ چنانچہ اگر غیر مسلموں سے جنگی امداد لینے کی صورت میں ان کے غلبہ اور بدعہدی وغیرہ کا امکان نہ ہو تو ان سے مدد لینا جائز ہے۔(۴)

---

(۱) اس غیر مسلم نے جاہلیت کے طریقہ پر پختہ قسم کھائی کہ وہ اس سفر کو راز میں رکھے گا۔ اور درست راہنمائی کرے گا۔(البخاری، كتاب المناقب الانصار، باب هجرة النبى ﷺ واصحابه الى المدينة ، حديث نمبر(۳۹۰۵) نیز ملاحظہ ہوں فتح الباری ۷/۲۳۲، ۲۳۸۔ اس واقعہ کا تعلق اگرچہ جنگ سے نہیں لیکن اس سے جنگی تعاون کے سلسلہ میں استدلال کیا جاسکتا ہے چنانچہ عینی اس واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین سے اگر وفاداری اور اعلیٰ اخلاقی جذبات کا مظاہرہ ہو تو ان پر رازداری کے معاملات اور مال کے حوالہ سے اعتماد کیا جاسکتا ہے۔(عمدۃ القاری ۱۰/۷۳)

(۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱، مزید ملاحظہ ہوں، وثائق نمبر: ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۷۱

(۳) ملاحظہ ہو نصاری نجران سے معاہدہ میں شق نمبر ۷، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ: نمبر ۹۴۔

(۴) شرح السیر ۳/ ۱۸۶، ۱۸۷۔ الشافعی، کتاب الام ۴/ ۲۶۱۔ الکاسانی، بدائع الصنائع: ۹/ ۳۹۶۔

۴۔ غیر مسلموں کے ساتھ غیر جانبداری کے تعلقات

رسول اللہ ﷺ نے بنی ضمرہ کے ساتھ ایک معاہدہ فرمایا جس میں فریقین کا ایک دوسرے سے جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا ذکر ہے۔اس معاہدے کے مطابق یہ طے ہوا کہ:

((لا یغزو ا بنی ضمرة ولا یغزونه ولا یکثروا علیه جمعا ولا یعینوا علیه عدوا))(۱)

نہ آپ ﷺ بنی ضمرہ سے جنگ کریں گے اور نہ ہی بنی ضمرہ آپ ﷺ سے، اور یہ آپ ﷺ کے خلاف کسی گروپ بندی میں شریک نہ ہوں گے اور کسی دشمن کو آپ ﷺ کے خلاف مدد نہیں دیں گے"۔

بنوضمرہ کے ایک اور رشتہ دار خاندان بنوعبد بن عدی کے ساتھ بھی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ ہوا۔بنوعبد بن عدی نے واضح الفاظ میں یہ کہا کہ!

"یامحمد نحن اهل الحرم وساکنه واعز من به ونحن لا نرید قتالک ولو قاتلت غیر قریش قاتلنا معک ولکنا لا نقاتل قریشا"(۲)

یعنی ہم آپ سے حلیفی کرنا چاہتے ہیں لیکن قریش سے جنگ کے معاملے میں ہم غیر جانبدار رہیں گے۔
مذہبی جنگوں میں غیر جانبدار رہنے کی شرط بھی کئی قبائل کے ساتھ معاہدوں میں رکھی گئی (۳)

---

(۱) مجموعة الوثائق السیاسیة، وثیقہ نمبر:۱۶۰

(۲) ابن سعد:۱/۳۰۶۔ ماوردی نے غالباً اسی قبیلہ بنوضمرہ اور بنوعبد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔ ﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ م بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ﴾ (النساء:۹۰) "سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے" کے ذیل میں لکھا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا قریش اور حضور ﷺ دونوں سے معاہدہ تھا۔ النکت والعیون:۱/۴۱۳

(۳) الوثائق السیاسیة۔ وثیقہ نمبر ۱۵۹، ۱۵۱، ۱۶۱ وغیرہ

اسی طرح حبشہ اور ترکوں سے غیر جانبدار رہنے کا رسول اللہ ﷺ نے نہایت واضح حکم فرمایا، ارشاد گرامی ہے۔

((دعوا الحبشة ماودعوكم واتركوا الترك ماتركوكم))(۱)

''حبشہ کو چھوڑ دو جب تک وہ تم سے تعرض نہ کریں اور ترک کو چھوڑ دو جب تک انہوں نے تم کو چھوڑ رکھا ہے''۔

ان معاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست اپنے پر امن اور صلح جو غیر مسلم پڑوسیوں سے غیر جانبداری کا معاہدہ امن طے کر سکتی ہے۔(۲)

غیر مسلموں سے غیر جانبداری کے تعلقات رکھنے کے جواز کے بارے میں ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ م بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾(۳)

''سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حالت میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں اور اگر اللہ تعالی

---

(۱) ابوداود، كتاب الملاحم، باب في النهي عن تهييج الترك والحبشة، حديث نمبر(۴۳۰۲)۔سنن النسائی حدیث نمبر(۳۱۷۸)،سنن البیقھی ۹/۱۷۶

(۲) غیر جانبداری کی تعریف قانون بین الاقوام میں یہ کی گئی ہے کہ اس سے مراد کسی سلطنت یا قوم کا ایسا موقف اختیار کرنا کہ وہ حالت جنگ میں دوسرے فریقوں کے معاملے میں الگ وغیر جانبدار رہے گی اور دونوں سے اس کے امن کے تعلقات بدستور برقرار رہیں گے(ابوھیف ، القانون الدولی: ۷۹۳) بایں صورت یہ (غیر جانبدار سلطنت) فریقین میں سے کسی کی جنگ میں بطور مساعد شریک نہیں ہو سکتی اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کے لئے اپنی سرزمین بحر یا فضا استعمال کرنے کی اجازت دے سکتی ہے۔(ابوھیف ،م ن: ۸۰۳)

(۳) النساء۹۰

چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے پس اگر یہ لوگ تم سے غیر جانبدار (کنارہ کش) رہیں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام دیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں رکھی'۔

آیت مذکورہ میں "اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ" کی شرح میں مفسرین لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ غیر مسلم ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ میل ملاپ رکھتے ہوں یا ان لوگوں کے گروپ میں شامل ہوجائیں جن کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ امن و حلیفی ہو(۱)

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ وہ کون لوگ تھے جو مسلمانوں کے حلیف وغیر جانبدار تھے، تو مختلف مفسرین نے مختلف قبائل کو اس ضمن میں شامل کیا ہے۔ ان قبائل میں بنو مدلج، بنوضمرہ، بنوخزاعہ، بنی بکر بن زید بن مناۃ وغیرہ ہیں(۲) بعض مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں بعض افراد کے نام بھی بیان کیے ہیں اور کہا ہے کہ یہ آیت ہلال بن عویمر، سراقہ بن جعشم اور خزیمہ بن عامر بن عبد مناف کے بارے میں نازل ہوئی۔ جن کا حضور ﷺ کے ساتھ قول و قرار تھا۔(۳)

---

(۱) طبری ۵/۱۲۴، ابن کثیر ۱/ ۵۲۶۔ تفسیر کبیر ۱۰/۲۲۲۔ ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ یہ محکم آیت ہے اور اس کی تنسیخ کی کوئی دلیل نہیں۔ (العلاقات الدولیہ فی الاسلام: ۱۱۱) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ (البقرۃ: ۱۹۰) "اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا" محمد علی الصابونی۔ تفسیر آیات الاحکام میں مذکور آیت کے ذیل میں حضور ﷺ کا مستقل عمل ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وکان رسول الله ﷺ يقاتل من قاتل ويكف عمن كف عنه" روائع البیان ۱/۲۳۰۔

(۲) روح المعانی: ۴/ ۱۰۹، ابو عبید، کتاب الاموال: فقرہ نمبر ۴۴۸، الماوردی، النکت والعیون: ۱/ ۴۱۳۔ معالم التنزیل: ۱/۴۶۰۔

(۳) تفسیر الطبری: ۵/ ۱۱۶، ۵/۱۲۴۔

اس آیت کے حکم کے بارے میں مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت کسی ایک قبیلہ یا چند افراد کے لیے نہیں اتری اور نہ ہی اس میں کوئی اور تخصیص ہے بلکہ یہ آیت عموم پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ جہاں بھی اس قسم کے حالات پیدا ہوں گے اس آیت کے احکام وہاں لاگو ہوں گے۔ تمام صحابہ ودیگر اہل لغت کی اس بارے میں یہی رائے ہے۔(۱)

غیر محارب غیر مسلموں سے جنگ نہ کرنے اور الگ رہنے نیز ان کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾(۲)

''جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلا وطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک و احسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں روکتا، بلکہ اللہ تعالیٰ تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس سے نکال دیا اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی۔ جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں گے وہ (قطعاً) ظالم ہیں''

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام اور مسلمانوں کے معاملہ میں غیر مسلم دو طرح کے ہیں:

۱- وہ غیر مسلم جن کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ عداوت ومخاصمت کا ہے یعنی ''محاربین''۔

۲- وہ غیر مسلم جن کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ سے کوئی سروکار نہیں یعنی ''غیر محاربین''۔

---

(۱) دیکھیے، محمد الخضری، اصول الفقہ ۱۸۴ تا ۱۸۷ مزید ملاحظہ ہوں تفاسیر۔ مثلاً تفسیر الطبری ۵/۱۱۶، الکشاف ۱/۴۱۵، تفسیر المنار ۵/۳۲۵، محاسن التاویل (تفسیر قاسمی): ۵/۱۴۳۹۔ نیز ملاحظہ ہو: اسباب النزول للنیسا پوری ۱۲۵۰

(۲) الممتحنہ ۸، ۹

بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت سے مراد غیر مسلم خواتین اور بچے ہیں جو جنگ میں کنارہ کش رہتے ہیں عندالبعض اس سے مراد بنو ہاشم کے افراد حضرت عباسؓ وغیرہ ہیں۔(۱)

مفسرین کے مندرجہ بالا تمام اقوال سے غیر جانبدار قوتوں کی وضاحت یوں ہوتی ہے کہ:

ا۔ کوئی ریاست، قبیلہ یا قوم ایسا ہوسکتا ہے جو غیر مسلم ہو اور مسلمانوں کے حق میں غیر محارب یا غیر جانبدار ہو۔

ب۔ کسی محارب ملک یا قوم وقبیلہ میں کوئی کمزور افراد ایسے ہوں جو جنگ میں غیر جانبدار رہیں۔ مثلاً بچے، عورتیں، معذور وغیرہ (۲)

ج۔ کسی محارب ملک وقوم میں کوئی گروہ ایسا ہو جو مسلمانوں کے حق میں محارب نہ ہو اور غیر جانبدار رہے۔

مندرجہ بالا میں سے جو فریق بھی مسلمانوں کے ساتھ غیر جانبداری کے تعلقات رکھنا چاہے تو اس سے غیر جانبداری کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے یہ معاہدات کتنی مدت کے ہوں گے اس میں کوئی واضح نص موجود نہیں تاہم سیرت کے نظائر اور فقہاء کی آراء سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا مؤقت یا مؤبد ہونا مصالح مسلمین کے ساتھ تعلق رکھتا ہے جس کا فیصلہ ریاست کے اہل حل وعقد کی رائے پر ہوسکتا ہے (۳)

---

(۱) تفسیر کبیر ۸/۱۳۴، روح المعانی ۲۸/۷۵

(۲) جیسا کہ بنو کنانہ نے قریش مکہ اور بنو بکر کے ساتھ مل کر مسلمانوں اور ان کے حلیفوں کے ساتھ لڑائی نہیں کی یا مکہ میں بنو ہاشم اور بنو عباس کے افراد جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف لڑائی نہیں کی بلکہ الگ رہے۔ تفسیر کبیر ۸/۱۳۴۔ روح المعانی ۲۸/۷۵

(۳) زادالمعاد: ۲/۴۶۹، ۵۸۵، (مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر: 156، 196 ۔

فصل دوم:

بنوجہینہ کے مسلمان ہونے والے بطون سے معاہدات نبوی ﷺ

بنوجہینہ کے مسلمان قبائل سے معاہدات نبوی:

(۱) بنی جرمز:

بنوجہینہ کی ایک شاخ جرمز کو رسول اللہ ﷺ نے لکھا کہ:

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۲) یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا بنی جرمز بن ربیعہ جو کہ بنوجہینہ میں سے ہیں کے لیے عہد نامہ ہے۔

(۳) انہیں اپنی بستیوں میں امان ہے

(۴) اور یہ کہ اسلام لاتے وقت جن (منقولہ وغیر منقولہ) اشیاء پر ان کا قبضہ ہے وہ انہیں کے پاس رہیں گی۔(۱)

(۲) عمرو بن معبد الجہنی، بنی الحرقۃ اور بنی الجرمز کی طرف مکتوب نبوی (۲)

رسول اللہ ﷺ نے تحریر فرمایا کہ:

۞ مذکورہ لوگوں میں جو اسلام لائیں اور نماز وزکوۃ کے پابند ہوں۔

---

(۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بقول یہ مکتوب غزوہ بدر کے بعد کا ہوسکتا ہے۔(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: نمبر۱۵۳، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی۲۸۴) البتہ ماخذ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فتح مکہ تک بنوجہینہ کی آبادی کا ایک بڑا حصہ دائرہ اسلام میں داخل ہوچکا تھا۔ ملاحظہ ہو، ابن ہشام،السیرۃ النبویۃ: ۲/۴۰۰، ۴/۴۲، الواقدی، کتاب المغازی: ۲/۸۰۸۔الطبری ۳/۱۲۲۔ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۳/۲۴۸۔

(۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر۱۵۲، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی: ۲۸۴

۞ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں (۱)

۞ غنیمت میں خمس ادا کریں۔ (۲)

---

(۱) اس طرح کی بات مسلمان ہونے والے بیشتر قبائل کو لکھی جاتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے بالعموم تمام معاملات میں اسلام کی پیروی مراد ہے۔ لیکن بالخصوص اس سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ مشرکین ومنافقین کے دباؤ میں آکر کسی معاملے اور کسی حال میں بھی ان کی پیروی نہ کرو۔ اس طرح کی صورت حال مدینہ کے اہل اسلام کو بھی در پیش تھی کہ جب انہیں کہیں سے شکست ہوجاتی تو منافقین انہیں یہ کہتے کہ اپنے دین پر لوٹ آؤ اس پر اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ○﴾ (آل عمران: ۱۴۹، ۱۵۰) ''اے ایمان والو اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہاری ایڑیوں کے بل پلٹا دیں گے پھر تم نامراد ہو جاؤ گے۔ بلکہ اللہ ہی تمہارا مولا ہے اور وہی بہترین مدد گار ہے'' ملاحظہ ہو القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: آل عمران: ۱۴۹، ۱۵۰

(۲) (۱) غنیمت وخمس:

عہد نبوی ﷺ میں اسلامی ریاست جن اموال کو اپنے تصرف میں لاتی تھی ان میں خمس اور فے وغیرہ دو اہم آمدنیاں تھیں جن کا وجود فی زمانہ مفقود ہے۔ غنیمت سے مراد وہ اموال ہیں جو غیر مسلموں سے جنگ کے دوران فوجی قوت سے حاصل کیے جائیں۔ (قلیل فرق کے ساتھ اکثر فقہاء نے غنیمت کی یہی تعریف کی ہے۔ ملاحظہ ہوں: الشافعی، کتاب الام: ۴/۱۴۔۴/۶۴، یحییٰ ابن آدم، الخراج: ۱۵، ۱۸۔ الکاسانی، البدائع الصنائع: ۹/۴۸۴، الماوردی، ابی الحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی، احکام السلطانیہ: ۲۲۶، ۲۳۲)

مفتوحہ علاقوں سے حاصل ہونے والی زمینوں کے مسئلہ میں فقہاء کی آراء میں اختلاف ہے۔ امام شافعی کے نزدیک یہ زمینیں بھی غنیمت میں شامل ہیں اور ان کی تقسیم بھی غنیمت کی طرح ہی کی جائے گی۔ (الکاسانی، بدائع الصنائع: ۹/۴۶۸) فقہاء احناف، امام ابوعبید، امام یحیی بن آدم وغیرہ کے نزدیک ایسی زمینوں کا معاملہ امام کی صوابدید پر ہوگا کہ وہ مفاد عامۃ المسلمین دیکھتے ہوئے انہیں غنیمت میں شمار کرے یا فے میں۔ (تفصیل ودلائل کے لیے ملاحظہ ہوں۔ الاموال: ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۹۰۔ الجصاص۔ احکام القرآن: ۳/۴۳۰، ۴۳۱، یحیی ابن آدم کتاب الخراج: ۱۶، ۱۸، الماوردی (م ن) ۲۲۶، بدائع الصنائع: ۹/۴۶۸)

مال غنیمت کی تقسیم پانچ حصوں میں ہوتی ہے اور پانچواں حصہ خمس کہلاتا ہے۔ ۴/۵ حصہ فاتحین میں تقسیم کیا جاتا ہے ....اور پانچواں حصہ خمس ہے۔ (ابوعبیدہ فقرہ نمبر: ۳۷ کتاب الخراج، یحییٰ ابن آدم: ۱۸، بدائع الصنائع: ۴/۳۰۶) جس کے مصارف قرآن مجید نے یہ بیان کیے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا غَنِمۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَاَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہٗ وَ لِلرَّسُوۡلِ وَلِذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ﴾ (الانفال: ۴۱) ''جان لو کہ تم جس قسم کی جو کچھ غنیمت حاصل کرو اس میں پانچواں حصہ تو اللہ کا ہے اور رسول کا اور قرابت داروں کا اور یتیموں اور مسکینوں کا اور مسافروں کا''

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خمس کو چار حصوں میں تقسیم کر کے خرچ کیا جاتا تھا۔ (ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر ۳۷، مزید روایات کے لیے ملاحظہ ہوں، فقرہ نمبر ۳۴ تا ۴۰)

رسول اللہ ﷺ کو ملنے والا حصہ خواہ خمس کی شکل میں ہوتا یا دیگر کسی شکل میں آپ ﷺ اپنی ضروریات سالانہ کے بعد اس کو عامۃ المسلمین کے مفاد میں خرچ فرمادیتے تھے۔ (الاموال، فقرہ نمبر ۱۶، ۲۶، نیز ملاحظہ ہو، الجصاص احکام القرآن: ۳/۴۲۹)

(۱) صفی سے مراد وہ شے ہے جو مال غنیمت میں سے امام/ رئیس اپنے لیے منتخب کرے۔ امام ابوعبید فرماتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کے جمع کردہ مال غنیمت کا وہ حصہ ہے جسے تقسیم غنیمت سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ اپنے لیے علیحدہ کر لیتے تھے، چونکہ اس مال میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اختیار دیا تھا کہ آپ جس طرح چاہیں خرچ کریں اس اختیار کی بناء پر اس کو نبی ﷺ کا خالصہ (صفاء) کہا جاتا تھا۔ یہ اختیار کوئی نئی شی نہیں تھی بلکہ عرب میں پہلے سے اس کا تصور موجود تھا کسی بھی جنگ یا لوٹ مار میں مہم کے قائد کو یہ اختیار ہوتا تھا کہ وہ اپنے لیے کوئی شی، مثلاً تلوار وغیرہ اپنے لیے چن لیتے تھے۔ (مرزوقی: الازمنۃ والامکنۃ ۲/۲۳)۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے لیے ہر مال غنیمت میں سے ''صفی'' ہوتا تھا وہ غلام ہوتا یا لونڈی یا گھوڑا۔ (الشوکانی، نیل الاوطار: ۸/۱۱۲، نیز ملاحظہ ہو صفی کی تفصیل کے لیے، ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۱۶، ۲۹ تا ۲۷۔ نیز، الجصاص، احکام القرآن: ۳/ ۴۳۰۔ الشافعی، احکام القرآن: ۶: ۳۷۶) علماء احناف کے نزدیک سہم رسول بعد از وفات ختم ہو گیا ہے۔ بعض کے نزدیک ساقط نہیں ہوا بلکہ خلفاء المسلمین کی طرف منتقل ہو گیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ اپنی کفایت کے بعد اسے مصالح المسلمین میں صرف کر دیتے تھے۔ امام مالک کے نزدیک یہ امام کا اختیار ہے کہ وہ اسے صرف کے بعد مصالح مسلمین میں خرچ کرے۔ (البدائع الصنائع: ۹/ ۴۹۷ تا ۵۰۰) الشافعی، احکام القرآن: ۳۷۷، نیز ملاحظہ ہو، البیہقی، السنن الکبری: ۶/ ۳۰۳، ۳۰۵، ۷/ ۵۸

۞ اپنے اسلام کا اعلان کریں اور مشرکین سے ترک موالاۃ کریں تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان میں ہیں۔(۱)

۞ قرضوں پر مسلمانوں کے لیے راس المال لینا ہی جائز ہے(۲) اور رہن کا سود باطل قرار دیا جاتا

---

(۱) ترک موالاۃ سے کیا مراد ہے اور اس حکم کا کیا پس منظر ہے؟ ملاحظہ ہوں آگے صفحہ ۱۷۲۔

(۲) قرض میں صرف راس المال کی وصولی:

قرض: فقہاء کے نزدیک قرض کی تعریف یہ ہے کہ کوئی شخص ایسی شے جو مالیت رکھتی ہو دوسرے شخص کو محض نیکی کے خیال سے دے اور اسی کے مثل واپسی کی شرط رکھے۔ (الجصاص، احکام القرآن: ۱/۴۶۵، ۴۶۹، القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/ ۳۴۸، ۳۶۳، الفقہ علی مذاہب الاربعۃ: ۲/ ۶۷۷)

عہد جاہلیت میں ایک دوسرے کو قرض دینے کا یہ طریقہ عام تھا کہ لوگ قرض دے کر اس کا نفع وصول کرتے تھے۔ اہل عرب کے ہاں ربوا کا یہی مفہوم رائج اور معروف تھا کہ ایک مدت تک کے لیے قرض لیا جاتا اور مدت گزرنے پر قرض کی رقم کچھ اضافے کے ساتھ واپس کر دی جاتی اور اس اضافے کا فیصلہ باہمی رضامندی سے ہوتا تھا۔ جصاص لکھتے ہیں کہ ان (اہل عرب) کے ہاں بیع بالنقد یعنی سونا چاندی کے بدلہ میں سونا چاندی اور ایک ہی جنس میں تفاضل یعنی کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت کا عام رواج نہیں تھا بلکہ مذکورہ بالا قرض کی شکل میں ربوا کی صورت معروف و مروج تھی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (الروم:۳۹) ''تم جو سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نہیں بڑھتا'' نیز ارشاد باری تعالی ہے کہ ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۰) اے ایمان والو! بڑھا چڑھا کر سود نہ کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تا کہ تمہیں نجات ملے۔

اللہ تعالی نے ان صورتوں کو باطل قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ﴾ (البقرۃ:۲۷۹) ہاں اگر توبہ کرو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہے''

رسول اللہ ﷺ نے ہر قسم کے سود کو باطل قرار دیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ اگر وہ قرض دے چکے ہیں تو اب صرف راس المال

ہے۔(۱)

۞ ان کے پھلوں میں ۱۰/۱عشر صدقہ ہوگا۔(۲)

ہی وصول کر سکتے ہیں اضافہ نہیں۔ آپ ﷺ نے ہر قسم کے قرض پر نفع کے حصول کو ناجائز قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "کل قرض جر منفعة فهو ربا" (نیل الاوطار:۲/۱۸۸) یعنی ایسا قرض جو نفع کو کھینچے وہ ربا ہے اور ناجائز ہے۔ فقہاء اربعہ کے نزدیک اگر قرض دیتے ہوئے دینے والے نے کچھ نفع حاصل کرنے کی شرط لگا کر قرض دیا تو یہ معاملہ فاسد ہو جائے گا اور ربا کے زمرہ میں آئے گا (الجصاص: ۱/۴۶۵، القرطبی الجامع لاحکام القرآن: ۱/۳۶۳، الهدایۃ: ۳/۷۷، نیل الاوطار:۲/۱۸۸)

(۱) ربا فی الرھن:

رہن کے لغوی معنی ثابت یا قائم رہنے یا پابند ہو جانے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں رہن یہ ہے کہ ایسی شے کو جو شرعاً مالیت رکھتی ہو، حصول قرض کے لیے ضمانت بنایا جائے کہ اس شے کے اعتماد پر قرض کا حاصل ہونا ممکن ہو جائے۔ (الجصاص، احکام القرآن: البقرۃ ۵۲۳۔ المرغینانی، الهدایة، کتاب الرهن، ج ۲۔ الکاسانی، بدائع الصنائع: ۸/۱۷۳) رہن کا معاملہ کرنا چند صورتوں کے استثناء کے ساتھ کتاب وسنت سے ثابت ہے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ (البقرۃ:۲۸۳) "اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو" علاوہ ازیں صحیحین کی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں اپنی زرہ بکتر ایک یہودی کے پاس گروی رکھ کر اپنے گھر والوں کے لیے جو لئے تھے (البخاری، کتاب فی الرهن فی الحضر، باب الرهن عند الیهود، حدیث نمبر (۲۵۱۳)

رہن میں رکھی جانے والی شے کی حیثیت محض ایک ضمانت کی ہوتی ہے اور رہن رکھے جانے کے بعد بھی وہ شے اس کے اصل مالک کی ملک ہوتی ہے۔ چنانچہ اس شے میں جو کچھ اضافہ یا نفع ہو تو وہ اصل مالک کی ملک ہوتا ہے۔ (الهدایة کتاب الرهن، فصل فی المتفرقات۔ بدائع الصنائع ۸/۱۷۳، الام ۳/۱۵۵، ۱۶۳، فتح القدیر: ۵)

(۲) بنو جہینہ کے ساتھ معاہدے میں پھلوں کی زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا کہ "ان کے پھلوں میں ۱۰/۱ عشر صدقہ ہوگا" (مجموعة الوثائق:۱۵۲)

پھلوں میں زکوٰۃ کا ذکر کئی احادیث میں مذکور ہے، مثلاً ارشاد نبوی ہے۔ "جن زمینوں کو بارش یا نہریں سیراب کریں تو ان میں عشر (۱/۱۰) اور جو زمینیں رہٹ کے ذریعہ سیراب کی جائیں ان میں نصف عشر (۱/۲۰) واجب ہے (صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب ما فیہ العشر اونصف العشر، حدیث نمبر (۲۲۷۲)..................

.... دوسری روایت جس میں چند پھلوں کی تخصیص کے ساتھ زکوٰۃ کا حکم ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا تھا کہ وہ ''گندم، جو، کھجوروں اور انگوروں پر زکوٰۃ لیں (نیل الاوطار ۴/۱۴۳، نیز ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ ۱۳۷۴، ۱۳۷۵)

فقہاء کرام میں امام شعبی، ابن ابی لیلیٰ ابوعبید وغیرہ کا مسلک ثانی الذکر حدیث کی بنا پر یہ ہے کہ اشیاء خوردنی میں صرف چار اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہے یعنی گندم، جو، کھجور، انگور، (نیل الاوطار ۴/۱۴۳، ابوعبید، فقرہ ۱۳۷۴، ۱۴۰۶، ۱۴۰۹ المحلی لابن حزم ۵/۲۰۹)

امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف ان اشیاء پر عائد ہوتی ہے جو ذخیرہ کیے جانے کے قابل ہوں اور اشیاء خوردنی میں سے ہوں چنانچہ بادام، پستہ، اخروٹ پر زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ ان کا شمار اشیاء خوردنی میں نہیں ہوتا۔ (الموطاء کتاب الزکوٰۃ، باب مالا زکاۃ فیہ من الفواکہ والقضب والبقول، ص: ۱۸۱۔ القرطبی، الجامع احکام القرآن، ۷/۱۰۳، المہذب مع المجموع، ۵/۴۹۳)۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر اس پیدوار پر جس سے لوگ بالعموم فائدہ حاصل کرتے ہوں، زکوٰۃ ہے چنانچہ تمام پھلوں اور سبزیوں پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ آپ قرآن مجید کی درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿یآیہاالذین امنوا انفقوا من طیبت ماکسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض﴾ (البقرۃ، ۲۶۷) ''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمہارے لیے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو''۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وھوالذی انشا جنت معروشت وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفاً اکلہ والزیتون والرمان متشابھاً وغیر متشابہ ط کلومن ثمرہ اذا اثمر واتوا حقہ یوم حصادہ......الخ﴾ (الانعام: ۱۴۱) ''اور وہی ہے جس نے باغات پیدا کیے وہ بھی جو بیلدار ہیں اور وہ بھی جو بیلدار نہیں اور کھجور کے درخت اور کھیتی جن میں کھانے کی چیزیں مختلف طور کی ہوتی ہیں اور زیتون اور انار جو باہم ایک دوسرے کے متشابہ بھی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے مشابہ نہیں بھی ہوتے ان سب کے پھلوں میں سے کھاؤ جب وہ نکل آئے اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو''۔ علاوہ ازیں وہ (احناف) حدیث مذکورہ ((فیما سقت الانہار والغیم العشور و فی ما سقی بالسانیہ نصف العشر)) (مسلم، کتاب الزکوٰۃ، حدیث نمبر (۲۲۷۲) ابو داؤد، کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الزرع، حدیث نمبر (۱۵۹۶) سے بایں طور پر استدلال کرتے ہیں کہ اس میں مکیلی وموزونی کی کوئی قید ہے نہ غذائی اور ذخیرہ ہونے والی کی (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، الکاسانی، بدائع الصنائع: ۲/۵۹، نیز مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن العربی احکام القرآن: ۲/۷۴۹، ۷۵۲، فتح القدیر للھمام: ۲/۳)

۞ ان شرائط میں ان کے حلیف بھی شامل ہیں (۱)

فقہی مباحث کا تفصیلی مطالعہ:

بنوجہینہ کے مسلمان ہونے والے بطون سے معاہدات نبوی ﷺ کے ضمن میں مختصر فقہی توضیحات کے بعد تفصیل طلب مسائل درج ذیل ہیں۔

۱۔ غیر مسلموں میں سے اسلام لانے والی اقوام وافراد کے اموال (منقولہ وغیر منقولہ) کا حکم

۲۔ مسلمان ہونے والے قبائل کے لیے نماز وزکوۃ کا قیام

۳۔ غیر مسلموں کے ساتھ ترک موالات

۴۔ غیر مسلموں سے تعلقات کے حدود وضوابط

نومسلم معاہدین کے اموال:

رسول اللہ ﷺ نے بنی جرمز کو لکھا کہ ''اسلام لاتے وقت جن (منقولہ وغیر منقولہ) اشیاء پر ان کا قبضہ ہے وہ ان ہی کے پاس رہیں گی''

اس شق سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم حلیف اگر مسلمان ہو جائیں تو وہ اپنے اموال وجائیدادوں کے مالک رہیں گے۔ اور ان کے اموال اسلامی ریاست کے مقبوضہ تصور نہیں ہوں گے۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ سے کئی احادیث مروی ہیں جن میں اس مسئلہ کی نہایت وضاحت ہے۔ مثلا ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

(۱) اس شق سے بنوجہینہ کے آس پاس میں بسنے والے کمزور اور اجنبی افراد کو حلیفی میں شامل کرنے کا موقع فراہم کرنا بھی مقصود تھا چنانچہ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں کہ اس صراحت ''کہ جو اجنبی اس قبیلے سے بھائی چارہ کر کے اس میں ضم ہو جائیں ان کو بھی یہی حق یعنی امان حاصل رہے گا''۔ سے اس قبیلے کی غیر مسلم شاخوں کے سمجھدار افراد کو امن حاصل کرنے کا ایک آسان ذریعہ حاصل ہوگیا ہوگا۔ (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۲۸۵)

((من اسلم علی شیء فھو لہ))(۱)

نیز ارشاد گرامی ہے:

((امرت ان اقاتل الناس حتی یقولو ا لا الہ الا اللہ، فاذا قالوھا عصموامنی دمائھم واموالھم الا بحقھا))(۲)

اس حدیث کی شرح میں شوکانی کہتے ہیں کہ اموال سے مراد تمام منقول وغیر منقول اموال ہیں اور مسلم ہی اپنے ان اموال کا سب سے زیادہ حق دار ہے(۳)

رسول اکرم ﷺ کے معاہدات میں خواہ وہ غیر مسلموں سے ہوں یا نو مسلموں سے'واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ معاہدین کے تمام اموال پر انہیں کی ملکیت تسلیم کی گئی بلکہ انہیں اپنے اموال پر مکمل تصرف دیا گیا۔ نجران کے ساتھ معاہدہ میں لکھا گیا کہ ان کے تمام اموال قلیل و کثیر کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ہے۔

"والنجران وحاشیتھا جوار اللہ وذمۃ محمد النبیﷺ علی اموالھم وانفسھم......وکل ماتحت أیدیھم من قلیل أو کثیر (۴)

بعض دیگر قبائل کی طرف بھی آپ ﷺ نے تحریر فرمایا کہ تمہاری مزروعہ وغیر مزروعہ زمینیں، پہاڑ، پانی کے

---

(۱) امام بخاری اور بعض دیگر محدثین نے اس موضوع پر باب کا عنوان قائم کیا ہے کہ جب کوئی قوم دارالحرب میں اسلام لے آئے تو ان کے اموال اور زمینیں ان ہی کی ملکیت میں رہیں گی، البخاری ، کتاب الجھاد، باب اذااسلم قوم فی دارالحرب ولھم مال و ارضون فھی لھم، حدیث نمبر(۳۰۵۸) البیھقی کتا ب السیر، باب من اسلم علی شی ء فھو لہ: ۹/۱۱۳، ۱۱۴، نیز ملاحظہ ہوں، سنن ابوداود: ۳/۲۳۸، نیل الاوطار ۸/۱۱ نیز ملاحظہ ہو، السمر قندی، ابوالقاسم محمد بن یوسف، الفقہ النافع: ۲۰۰

(۲) مسلم، کتاب الایمان، باب الامربقتال الناس حتی یقولوا لاالہ الااللہ......حدیث نمبر(۱۲۸)

(۳) الشوکانی، نیل الاوطار: ۸/۱۲ نیز ملاحظہ ہو، العینی ،(م ن): ۱۴/۳۰۳

(۴) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۹۴

چشمے، کنویں وغیرہ تمام وسائل تمہارے اختیار میں ہی رہیں گے اوراس ملکیت کو برقرار رکھنے میں ریاست ان کی مدد بھی کرے گی۔(۱)

اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر دار الحرب میں کوئی آدمی مسلمان ہو جائے اور بعد ازاں مسلمان اس علاقے کو عنوۃ فتح کرلیں تو وہ (مسلمان) اپنی منقولہ جائیداد کا مالک رہے گا البتہ اس کی زمین وغیرہ اسلامی ریاست کے لئے فے بن جائے گی۔ جمہور فقہاء اور احناف میں سے امام ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ وہ تمام منقولہ وغیر منقولہ اموال اسی مسلمان کے پاس رہیں گے جو پہلے سے اس کے قبضے میں تھے۔ من جملہ دیگر دلائل کے، ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی سلیم کے مسلمان ہونے والے افراد کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی مسلمان ہو جائے وہی اپنی زمین اور مال کا زیادہ حقدار ہے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے ''اذا اسلم الرجل فهو أحق بارضه وماله'' معاہدات یمن کے علاوہ اکثر قبائل کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے معاہدات میں یہ اصول نہایت واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ نومسلموں کے تمام منقولہ وغیر منقولہ اموال پر ان ہی کی ملکیت برقرار رہے گی۔ (۲)

نومسلم قبائل کے لیے صلوۃ وزکوۃ کی ادائیگی کا حکم:

رسول اللہ ﷺ مسلمان ہونے والے قبائل سے معاہدے میں عام طور پر یہ شرط مقرر فرماتے تھے کہ ''وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی امان میں ہیں اگر ایمان لائیں اور نماز وزکوۃ کے پابند ہوں۔(۳)

ایمان کے ساتھ نماز وزکوۃ کی شرط دراصل ایمان کا عملی مظاہرہ ہے جو کہ ضروری ہے۔ زکوۃ کی فرضیت واہمیت

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں مختلف قبائل سے معاہدات نبوی ، (مجموعة الوثائق السياسية، وثائق نمبر ۸۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۳۱، ۱۵۲، ۱۵۷، ۱۵۹، ۱۶۱، ۱۸۱)

(۲) الاموال فقرہ نمبر ۱۳۵، ۱۳۶ ۔ الام : ۴/۲۶۶ ۔ المبسوط : ۱۰/۶۶ ۔ مغنی المحتاج ۴/ ۲۲۸ ۔ ابن قدامة، المغنی : ۸/ ۴۲۸، ۴۲۹ ۔ بدائع الصنائع: ۹/ ۴۰۹ ۔ العینی شرح بخاری، ۱۴/۳۰۴ بدایة المجتهد: ۱/۴۰۱

(۳) ملاحظہ ہوں مسلمان ہونے والے قبائل سے معاہدات نبوی ﷺ ۔ معاہدہ نمبر: ۱۵۲

کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

قرآن مجید نے بھی مشرکین کی توبہ کے لیے ایمان کے ساتھ ساتھ نماز وزکوۃ کی شرط عائد کی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ﴾ (۱)

''اگر وہ شرک سے توبہ کریں (ایمان لے آئیں) اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو''

چنانچہ اگر ایمان کا اظہار کرنے والے لوگ احکام شریعت، خصوصا نماز وزکوۃ کی ادائیگی کا انکار کر دیں تو ان کا شمار مومنین میں سے نہیں کیا جائے گا، البتہ اگر ایمان لانے والے لوگ احکام شریعت کا اقرار کرنے کے باوجود عملا ان فرائض کو ترک کر دیں تو امام المسلمین ان کے خلاف کارروائی کا حق رکھتا ہے۔ (۲)

قرآن مجید میں اسلامی حکومت کے فرائض کے ضمن میں وضاحت سے یہ حکم موجود ہے کہ اقامت الصلوۃ اور ایتاء الزکوۃ اجتماعی امور میں سے ہیں اور اسلامی ریاست کے ذمہ ان کا قیام ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (۳)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوۃ دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں''

---

(۱) (التوبہ: ۵)

(۲) جصاص لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو مانعین زکوۃ نے یہ کہا کہ ہم زکوۃ نکالیں گے لیکن آپ کے حوالے نہیں کریں گے اس پر آپؓ نے ان کے خلاف کاروائی کا حکم فرمادیا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، الجصاص، احکام القرآن :۳/۸۲،۸۳)

(۳) (الحج: ۴۱)

علاوہ ازیں قرآنی آیات ﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً﴾ (۱) اور حدیث نبوی ﷺ ((توخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم)) (۲) سے بھی یہی ثبوت ملتا ہے کہ اسلامی ریاست کے زیر اثر علاقوں سے زکوۃ کی وصولی وخرچ کا اختیار ریاست کو ہی ہے۔(۳)

عہد نبوی ﷺ سے لے کر عہد عثمانی تک زکوۃ مرکزی حکومت کے پاس ہی پیش کی جاتی تھی بعد میں حضرت عثمانؓ نے بعض مواقع پر اس کو انفرادی طور پر ادا کرنے کی اجازت بھی فرمائی۔ البتہ شہادت عثمانؓ کے بعد یہ نظام کچھ غیر مرتب وغیر منضبط ہوگیا۔(۴)

---

(۱) ''آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے'' (التوبۃ:۱۰۳)

(۲) فتح الباری:۳/۲۳۱

(۳) بعض صحابہ وتابعین مثلاً حضرت عائشہ، حضرت عمر اور ابن سیرین وغیرہ اس کے قائل تھے کہ زکوۃ حاکم وقت کو ہی دی جائے۔ (الاموال: ۱۷۸۸ تا ۱۷۹۹) البتہ بعض دیگر حضرات، ابو ہریرہ، عطاء، عبید بن عمیر وغیرہ اس بات کے قائل تھے کہ انفرادی طور پر بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ ابو عبید نے حضرت ابن عمر کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا تھا اور انفرادی طور پر زکوۃ ادا کرنے کے قائل ہو گئے تھے۔ (ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۱۸۰۷ تا ۱۸۱۶)

(۴) ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر ۱۷۸۶، نیز ملاحظہ ہو، الجصاص، احکام القرآن: ۳/۸۳

۳۔ غیر مسلموں سے ترک موالاۃ

صلح حدیبیہ کے بعد جب قبائل عرب میں اسلامی اثرات مضبوط ہوئے اور اسلام تیزی سے پھیل گیا تو آپ ﷺ نے کئی مسلمان ہونے والے قبائل کے ساتھ معاہدات میں یہ شرط رکھی کہ ''مشرکین سے ترک موالات کا اظہار کریں'' ان قبائل میں بنوجہینہ، بنولخم، بلحاث، بنواز د، بنوجذام، بنو باہلہ، بنو طے، بنومضر وغیرہ شامل ہیں۔(۱)

ان مسلمان ہونے والے قبائل کے غیر مسلم مشرکین کے ساتھ پرانے تہذیبی و معاشرتی روابط تھے۔ مسلمان ہونے والوں کے دوست احباب اور قریبی رشتہ دار مشرکین بھی تھے۔ (۲) ایسے ہی غیر مسلم دوست اور احباب اور رشتہ داروں کے بارے میں آپ ﷺ نے ترک موالاۃ کا حکم فرمایا۔ اس ترک موالاۃ کا اصل مقصد مسلمانوں اور اسلامی ریاست کو غیر مسلموں اور منافقین کے شر اور برے اثرات سے محفوظ کرنا تھا۔ اس سے یہ ہرگز مقصود نہیں تھا کہ مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک ترک دیں۔

قرآن مجید کی جن آیات میں غیر مسلموں کے ساتھ ترک موالاۃ کا حکم دیا گیا ہے ان میں چار بنیادی آیات یہ ہیں۔

(i) ﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ م بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾(۳)

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک ان ہی میں سے ہے۔ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا''

---

(۱) ملاحظہ ہو، الوثائق السیاسیۃ، وثائق نمبر: ۴۱، ۸۱، ۸۵، ۹۰، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۵۲، ۱۷۴، ۱۸۹، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۱۷

(۲) الطبری، جامع البیان، ۱۴۰/۷، ابن جوزی، زاد المسیر: ۴۴۶/۱

(۳) المائدۃ: ۵۱

(ii) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (۱)

''اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا کسی کو نہ بناؤ (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے''۔

(iii) ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ؕ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۗ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۗ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ﴾ (۲)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! میرے اور (خود) اپنے دشمنوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ تم تو دوستی سے ان کی طرف پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس حق کے ساتھ جو تمہارے پاس آ چکا ہے کفر کرتے ہیں، پیغمبر کو اور خود تمہیں بھی محض اس وجہ سے جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب پر ایمان رکھتے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کے لئے اور میری رضا مندی کی طلب میں نکلتے ہو (تو ان سے دوستیاں نہ کرو) تم ان کے پاس محبت کا پیغام پوشیدہ پوشیدہ بھیجتے ہو اور مجھے خوب معلوم ہے جو تم نے چھپایا اور وہ بھی جو تم نے ظاہر کیا، تم میں سے جو بھی اس کام کو کرے گا وہ یقیناً راہ راست سے بہک جائے گا''

---

(۱) آل عمران: ۱۱۸

(۲) الممتحنۃ: ۱

(iv)﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوْآ اٰبَآءَ كُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّواالْكُفْرَ

عَلَى الْاِيْمَانِ ط وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ﴾(۱)

اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں تم میں سے جو بھی ان سے محبت رکھے گا وہ پورا گنہگار ظالم ہے"

پہلی آیت ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ......الخ﴾(۲) کے متعلق قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ آیت، مشرکین کے ساتھ ترک موالات کی شرعی دلیل ہے اور یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا۔

مفسرین کے نزدیک یہ آیت بعض ایسے مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے یہود ونصاریٰ سے دوستی کر رکھی تھی یا دوستی کا ارادہ کیا تھا۔ چنانچہ اس آیت کے ذریعہ انہیں غیر مسلموں کے ساتھ رازدانہ تعلقات و گہری دوستی سے منع فرمایا گیا ہے البتہ اس آیت سے ان کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کی ممانعت نہیں کی گئی۔(۳)

---

(۱) التوبہ:۲۳

(۲) المائدہ:۵۱، القرطبی:۶/۲۱۶

(۳) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن:۴/۱۱۴۔ الطبری، جامع البیان،:۶/ ۱۷۸، ۱۷۹۔ الجصاص، احکام القرآن، ۲/۳۶۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم:۱/ ۳۹۸، ۳۹۹

دوسری آیت ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِکُمْ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ......الخ﴾ (۱) سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں سے راز داری کے تعلقات رکھنا جائز نہیں ہے۔ ''بطانة'' سے مراد مخلص دوست یا خاص الخاص آدمی ہے۔ امام طبری لکھتے ہیں۔ ''بطانة'' سے مراد وہ خاص دوست ہے جو ایسی باتوں سے بھی واقف ہوتا ہے جنھیں کوئی آدمی غیروں اور بہت سے عزیزوں سے بھی پوشیدہ رکھتا ہے۔ (۲) قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مومنین کے لیے اپنے معاملات میں کفار کو شامل کرنا جائز نہیں۔ (۳)

تیسری آیت ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ ......الخ﴾ (۴)
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے (اپنے خاندان کو بچانے کے خاطر) مشرکین کے خلاف مسلمانوں کی تیاریوں کی خبر مشرکین کو دینے کی کوشش کی۔ (۵)

---

(۱) آل عمران: ۱۱۸، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور مجاہد کا قول ہے کہ یہ آیت اہل ایمان میں سے بعض ایسے لوگوں کے سلسلہ میں نازل ہوئی جو منافقین سے خلوص و محبت اور یہود کے بعض افراد سے قریبی تعلقات اس وجہ سے رکھتے تھے کہ ان کے درمیان پہلے سے قرابت اور دوستی تھی، ہمسائیگی اور رضاعت تھی یا حلیفی تھی۔ چنانچہ اس آیت کے ذریعہ سے باطنی روابط رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہوں، ابن جوزی، زاد المسیر: ۱/۴۴۶ نیز ملاحظہ ہو، جامع البیان الطبری: ۷/۱۴۰)

(۲) مفردات القران، مادة 'بطن'، جامع البیان (م ن): ۷/۱۳۸

(۳) القرطبی: ۴/۱۷۸

(۴) الممتحنة: ۱

(۵) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۸/۵۰، نیز ملاحظہ ہوں، بخاری کتاب الجهاد، باب الجاسوس، کتاب المغازی، باب غزوہ الفتح: الاصابة ۲/۱۹۲

چوتھی آیت ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَ كُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ......الخ﴾(۱) میں اپنے انتہائی قریبی رشتہ داروں یعنی اپنے والدین اور بھائیوں سے بھی ترک موالاۃ کا حکم دیا گیا۔ اس آیت کے ذیل میں جصاص لکھتے ہیں کہ:

''اس آیت میں مسلمانوں کو کافروں سے دوستی کرنے، ان کی مدد کرنے ان سے مدد حاصل کرنے اور اپنے معاملات ان کے حوالے کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اور اس معاملہ میں باپ بھائی سب یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ کافر باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۲)

---

(۱) التوبہ:۲۳

(۲) (i) الجصاص، احکام القرآن:۳/۸۷

(ii) غیر مسلموں کو ولی بنانے کی ممانعت سے مراد: دیگر کئی آیات قرآنی میں بھی غیر مسلموں کو اولیا بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ مثلاً (المائدہ:۵۷، النساء:۸۸، ۸۹، ۱۳۹ وغیرہ) اولیاء ولی کی جمع ہے اس لفظ کے مختلف استعمالات ہیں۔ مثلاً رب، مالک محسن، سردار، مددکرنے والا، محبت کرنے والا، تابع فرمان، پڑوسی، قرابت دار، غلام اور جس پر احسان کیا جائے وغیرہ، ملاحظہ ہو، مفردات القرآن، مادہ ''ولی''، احادیث میں بھی اس لفظ کے مذکورہ بالا استعمالات موجود ہیں جن کا مفہوم سیاق وسباق سے متعین ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن اثیر، النهایة فی غریب الحدیث، المطبعة العثمانیہ۔مصر:۴/۲۳)

مذکورہ بالا تمام الفاظ میں نہایت قربت، نصرت، حمایت، حکمرانی وسرپرستی کا تصور پایا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے اعداء دین سے قلبی تعلق رکھنے اور انہیں اپنا سرپرست وہمدرد بنانے سے منع کیا ہے تا کہ یہ نہ ہو کہ مسلمان انہیں اپنا مونس ومددگار سمجھتے ہوئے رازداری کے معاملات وامور مملکت ان پر کھول دیں جس سے اسلامی ریاست اور مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔

۴۔ غیر مسلموں سے تعلقات وتعاون کی حدود:

غیر مسلموں کے ساتھ سیاسی اتحاد اور سماجی تعلقات رکھنے کے جواز کے ساتھ ساتھ چند قیود اور حدود بھی ہیں جن میں بنیادی اصول حسب ذیل ہیں۔

۱۔ غیر مسلموں سے ایسے تعلقات رکھنا جائز نہیں جس میں ان کے ساتھ دلی دوستی اور راز دارانہ تعلقات قائم ہو جائیں۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ م بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ط وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾(۱)

''اے ایمان والو! تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ بے شک انہی میں سے ہے ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا''۔

۲۔ مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کرنے والے کفار کے ساتھ دوستی کا تعلق جائز نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰٓی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ ج وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾(۲)

''اللہ تعالیٰ تمہیں صرف ان لوگوں کی محبت سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائیاں لڑیں اور تمہیں دیس نکالے دیئے، اور دیس نکالا دینے والوں کی مدد کی جو لوگ ایسے کفار سے محبت کریں وہ (قطعاً) ظالم ہیں''۔

---

(۱) المآئدہ: ۵۱، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الجصاص، احکام القرآن، ۲/۴۴۴

(۲) الممتحنۃ: ۹

۳۔ دین اسلام کی اہانت کرنے والے کفار کے ساتھ دوستی کا تعلق جائز نہیں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَکُمْ ھُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَالْکُفَّارَ اَوْلِیَآءَ ۚ وَاتَّقُوااللّٰہَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴾(۱)

''اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں (خواہ) وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے یا کفار ہوں اگر تم مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو''۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یُکْفَرُ بِھَا وَیُسْتَھْزَاُ بِھَا فَلَاتَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖٓ ۖ اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُم﴾(۲)

''اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو''۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِہٖ......الخ﴾ (۳)

''اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں''۔

---

(۱) المائدۃ:۵۷

(۲) النسآء:۱۴۰

(۳) الانعام:۶۸

۴۔ غیر مسلموں کے ساتھ ایسا تعاون کرنا جائز نہیں جس میں اسلامی حکومت اور مسلمانوں کے مفاد پر زد پڑتی ہو(۱)

۵۔ غیر مسلموں کے ساتھ ایسے تعلقات یا تعاون جائز نہیں جو ان کی رسوم و رواج کے پھیلانے اور ان کے شعائر کی تعظیم کا سبب بن جائے۔ اس سلسلہ میں ارشادات نبوی حسب ذیل ہیں۔

((من تشبه بقوم فهو منهم))(۲)

''جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ ان ہی میں سے ہے''

((من كثر سواد قوم فهو منهم و من رضى عمل قوم كان شريك من عمل به)) (۳)

((ان فرق ما بيننا و بين المشركين العمائم على القلانس))(۴)

''ہمارے اور مشرکین کے درمیان عماموں کے پہننے میں فرق ،ٹوپیوں پر عمامہ پہننے کا ہے''

((ان اليهود والنصارا لا يصبغون فخالفوهم))(۵)

''یہود ونصاریٰ خضاب نہیں لگاتے تم ان کے خلاف کرو''

تہذیبی اختلاط کی ممانعت کے لئے آپ ﷺ نے متنبہ فرمایا کہ تم مسلمان قرب قیامت میں یہود ونصاریٰ کے بالکل پیرو ہو جاؤ گے اگر وہ کسی سوراخ میں داخل ہوں گے تو تم بھی ان کی اتباع کرلو گے۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے

((لتتبعُن سنن من كان قبلكم شبراً شبراًو ذراعاً ذراعاً حتى لو دخلوا جحر ضب

---

(۱) ملاحظہ ہو حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ جس میں انہوں نے قریش کو فتح مکہ کی اطلاع دینے کی کوشش کی (البخاری، كتاب الجهاد، باب الجاسوس، حدیث نمبر (۳۰۰۷) شاطبی لکھتے ہیں کہ ایسا معاہدہ جو اسلامی ریاست کو نقصان پہنچنے کا سبب بنے یا اسلامی احکام سے حیلہ کے طور پر خروج کا باعث ہو، ناجائز ہوگا (الموافقات: ۲/۳۳۳)

(۲) ابوداؤد، السنن، کتاب اللباس، باب فی لبس الشهرة، حدیث نمبر (۴۰۳۱)

(۳) نصب الرایہ (م ن) ۴/۳۴۷

(۴) الترمذی، کتاب اللباس، باب العمائم على القلانس، حدیث نمبر (۱۷۸۴)(قال الترمذی ، هذا حديث حسن غريب و اسناده ليس بقائم)

(۵) بخاری، کتاب اللباس باب الخضاب، (حدیث: ۵۸۹۹)

تبعتموهم قلنا یا رسول اللہ، الیھود والنصاری؟ قال فمن))(۱)

غیر مسلموں کے تہذیبی وفکری اثرات سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

((لا تساکنوا المشرکین و لا تجامعوهم فمن ساکنهم او جامعهم فهو مثلهم)) (۲)

''مشرکین کے ساتھ سکونت نہ اختیار کرو اور ان کے ساتھ اکٹھے نہ رہو جو ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے یا ساتھ رہے تو وہ انہیں میں سے ہے''

نیز روایت ((انا بری من کل مسلم اقام مع المشرکین)) (۳)

''میں ایسے مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے ساتھ اقامت اختیار کرے''

---

(۱) البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ لتتبعن سنن من کان قبلکم، حدیث نمبر، ۷۳۱۹، مسلم، حدیث نمبر (۶۷۸۱)، شرح کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری: ۶/۳۶۰، نیز عمدۃ القاری: ۷/۴۵۶

(۲) (i) ابوعبید کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ سفر میں غیر مسلموں کی بستی میں قیام نہ کرے۔ ابوالھیثم اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ غیر مسلموں کے تہذیبی اثرات سے بچنے کے لیے یہ ممانعت کی گئی ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں۔ شرح الطیبی، (م ن) کتاب القصاص، باب قتل اھل الردج، ۷/۱۱۰، ۱۱۱، ملاعلی قاری، مرقاۃ، ۴/۵۵

(۳) ابن حجر، فتح الباری: ۶/۱۹۰، عمدۃ القاری: ۱/۳۵

فقہی نکات

☆ کوئی غیر مسلم ریاست یا قوم مسلمانوں کے ساتھ غیر جانبدار رہنا چاہے۔یعنی جنگ میں نہ تو وہ اسلامی ریاست کا ساتھ دے اور نہ ہی محارب قوم کا، تو اسلامی ریاست ایسی قوم، قبیلہ یا ملک سے تعرض نہیں کرے گی۔

☆ اسلامی ریاست غیر مسلم غیر محارب کے ساتھ خوشگوار تعلقات رکھے گی۔

☆ اسلامی ریاست کسی غیر مسلم معاہد اور مسلمانوں کے کسی خود مختار گروہ کی لڑائی میں غیر جانبدار کا مظاہرہ کرسکتی ہے۔

☆ کسی محارب قوت کے درمیان کوئی گروپ غیر جانبدار ہو تو ان کے ساتھ اسلامی ریاست اور مسلمانوں کا سلوک بہتر یعنی بر و احسان والا ہوگا۔

☆ کسی محارب قوت کے درمیان کچھ لوگ (بچے، خواتین، ومعذور) جنگ سے غیر جانبدار ہوں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔

☆ صلح اور غیر جانبداری کا معاہدہ کرنے کا حق امام المسلمین یا اس کے مقرر کردہ نمائندوں کو ہی حاصل ہوگا۔

☆ اگر منظم اسلامی حکومت قائم ہو اور ملک میں زکوۃ لینے اور تقسیم کرنے کا باقاعدہ و درست طریقہ کار ہو تو زکوۃ حکومت کے ذریعہ ادا کی جائے گی۔

☆ مذکورہ بالا صورت میں سربراہ کی اجازت سے انفرادی طور پر بھی زکوۃ ادا ہوسکتی ہے۔

☆ سرکاری طور پر زکوۃ لینے اور تقسیم کرنے کا طریقہ تسلی بخش نہ ہو اور زکوۃ ضائع ہونے کا خدشہ ہو تو انفرادی طور پر بھی ادا کی جاسکتی ہے۔

☆ زکوۃ جس قوم وعلاقہ سے وصول کی جائے اسی قوم وعلاقہ کے فقراء ومساکین پر خرچ کی جائے البتہ اگر وہاں فقرا ومساکین نہ رہیں تو مرکزی حکومت کے حوالے کردی جائے' وہ جہاں ضرورت محسوس کرے خرچ کرسکتی ہے۔

☆ غیر مسلموں سے ترک موالاۃ سے مراد یہ ہے کہ

(i) غیر مسلموں کے ساتھ گہری دوستی و قلبی تعلق نہ رکھا جائے۔

(ii) غیر مسلموں کو اپنا سر پرست ومونس نہ بنایا جائے اور اپنے معاملات ومشاورت میں انہیں شامل نہ کیا جائے۔

(iii) غیر مسلموں کے ساتھ رازداری کے تعلقات نہ رکھے جائیں اور مسلمانوں اور اسلامی ریاست کے خفیہ رکھے جانے والے معاملات ان تک نہ پہنچائے جائیں۔

☆ اسلام دشمنوں سے رازداری کے تعلقات ایمان کے منافی بھی ہیں اور بغاوت وغداری کے زمرے میں بھی آتے ہیں۔

☆ مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے والے اور دین کی اہانت کرنے والے کفار کے ساتھ دوستی کا تعلق رکھنا جائز نہیں۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ ایسا تعلق وتعاون جائز نہیں جس سے اسلامی حکومت یا مسلمانوں کے مفاد پر زد پڑتی ہو۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ ایسا تعاون جائز نہیں جو ان کی رسوم ورواج کے پھیلانے اور ان کے شعائر کی تعظیم کا سبب بنتا ہو۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ ایسا تعلق جائز نہیں جس کی بنا پر مسلمانوں کے لیے ان کے تہذیبی وفکری اثرات سے بچنا ممکن نہ ہو۔

باب رابع

معاہدۂ حدیبیہ وخزاعہ کا فقہی مطالعہ

فصل اول: ا۔ معاہدۂ حدیبیہ:

یکم ذوالقعدہ ۶ھ کو آپ ﷺ تقریباً چودہ سو صحابہ کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ غدیر اشطاط پہنچے تو پتہ چلا کہ قریش مکہ نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سن کر لشکر جمع کیا ہے اور مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ حدیبیہ پہنچے تو قریش کی طرف امن کی سفارت بھیجی اور واضح کیا کہ ہم محض زیارت کعبہ کے لئے آئے ہیں، جنگ کرنے نہیں۔ اس موقع پر طویل مذاکرات کے بعد فریقین کے درمیان ایک معاہدہ طے ہوا جسے معاہدہ حدیبیہ کہا جاتا ہے(۱) معاہدہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ اے اللہ تعالیٰ تیرے نام کے ساتھ (۲)

۲۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ (۳)

---

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۳/۳۲۵، ابن قیم، زادالمعاد: ۲/۵۲۶، ۵۲۹، معاہدہ کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر: ۳۶

(۲) صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب معاہدہ لکھوانا شروع کیا تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" تو سہیل نے کہا کہ "ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" نہیں جانتے، آپ "باسمک اللھم" لکھیں۔ حضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا "اچھا یہی لکھ دو۔ چنانچہ "باسمک اللھم" ہی لکھا گیا۔ (مسلم، الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیۃ، حدیث نمبر (۴۶۳۱)، تفسیر الطبری: ۲۶/۵۹

(۳) (i) رسول اللہ ﷺ نے جب "محمد رسول اللہ" لکھوانا چاہا تو سہیل نے دوبارہ مداخلت کی اور کہا خدا کی قسم! اگر ہم نے آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مان لیا ہوتا تو ہم آپ سے جنگ ہی نہ کرتے۔ آپ محمد بن عبداللہ لکھیں اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ کی قسم! میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں چاہے تم تسلیم کرو یا نہ کرو" پھر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے اس کو مٹانے سے معذرت کر دی چنانچہ رسول للہ ﷺ نے خود اسے مٹا دیا اور پھر "محمد بن عبداللہ" ہی لکھا گیا (مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب صلح حدیبیۃ، حدیث نمبر (۴۶۳۱)

(ii) اگر جنگ کرنا مسلمانوں کے مفاد میں نہ ہو تو امیر المسلمین غیر مسلم اہل حرب کی شرائط پر بھی صلح کر سکتا ہے۔

اور سہیل بن عمرو (۱) میں طے ہوا۔

۳۔ یہ صلح اس بات پر ہے کہ دس سال تک (فریقین کے مابین) جنگ روک دی جائے۔ (۲) جس دوران لوگ

......مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ اس موقع پر جنگ سے بچنا چاہتے تھے چنانچہ اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، کعبہ کے اس تقدس اور حرمت کے سلسلے میں جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہے آج قریش مجھ سے جو مطالبہ کریں گے میں اسے قبول کروں گا" (بخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد، والمصالحة مع اہل الحرب و کتابة الشروط، حدیث نمبر (۲۷۳۱، ۲۷۳۲)، نیز ملاحظہ ہو فتح الباری: ۳۲۹/۵)

(iii) حضرت علیؓ کا "رسول اللہ" کا لفظ نہ مٹانا:

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے معاہدے میں لکھے ہوئے "رسول اللہ" کے الفاظ کاٹنے کے لیے فرمایا تو انہوں نے عرض کی کہ "میں ان الفاظ کو کاٹنے والا نہیں ہوں" علامہ نووی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جو کچھ کیا یہ ادب مستحب ہے، کیونکہ ان کا گمان یہ تھا کہ نبی ﷺ نے ان الفاظ کو کاٹنے کا وجوبی حکم نہیں دیا اور اگر وجوبی حکم دیتے تو حضرت علیؓ سے حکم عدولی ممکن نہیں تھی۔ بعض علماء اس سے "الادب فوق الامر" کا ضابطہ بھی ثابت کرتے ہیں اور اس سلسلے میں حضرت ابو بکرؓ کا باوجود حکم نبوی کے نماز میں پیچھے ہٹنے کو بھی دلیل بناتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو، نووی، شرح مسلم: ۱۰۴/۲)

(۱) سہیل بن عمرو عرب کے نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے انہیں "خطیب قریش" کا خطاب دیا گیا تھا۔ جب یہ بطور سفیر بن کر مسلمانوں کے پاس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سہیل کا آنا تمہارے لیے خوش آئند ہے۔ اب تمام معاملات آسان ہو جائیں گے۔ یہ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے اور خلافت عمرؓ، ۱۸ ہجری میں انتقال ہوا اور اسلام کے لیے بہت سی خدمات سرانجام دیں۔ مسند احمد، ۳۲۴/۴، ابن اثیر، اسد الغابة فی معرفة الصحابة، نمبر ۲۳۲۵)

(۲) غیر مسلم محاربین سے صلح:

مسلمانوں کے محاربین میں قریش سرفہرست تھے، ان کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ غیر مسلم اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو ان سے صلح کی جا سکتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (الانفال: ۶۱) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو، تو بھی صلح کی طرف جھک جا اور اللہ پر بھروسہ رکھ، یقیناً وہ بہت سننے جاننے والا ہے"

امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں۔(۱)

۴۔ یہ کہ محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو حج یا عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے تو اسے جان و مال کا امان ہوگا اور قریش کا جو آدمی تجارت کے لیے مصر یا شام (بروایت ابو عبید، شام یا مشرق) جاتے ہوئے مدینہ سے گزرے تو اسے جان و مال کا امان حاصل ہوگا۔

۵۔ یہ کہ قریش کا جو فرد اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش) کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور محمد (ﷺ) کے ساتھیوں میں سے جو فرد قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے ان کے سپرد نہیں کریں گے۔(۲)

---

(۱) صلح میں باہم یہ طے ہوا کہ "یأمن: فیهن الناس ویکف بعضهم عن بعض" "لوگ آپس میں امن سے رہیں گے اور ایک دوسرے سے لڑائی نہیں کریں گے" معاہدے کی اس دفعہ سے معلوم ہوا کہ محاربین جب صلح کر لیں تو دوران صلح ان کا ایک دوسرے کو جانی و مالی نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

(۲) اس شق سے مسلمانوں کے جذبات بہت مجروح ہوئے اور انہیں اس کا شدت سے ملال ہوا کہ قریش کے مظالم سے تنگ آ کر جو مسلمان بھاگ کر ان کے پاس آ جائے گا اسے واپس قریش کی تحویل میں دے دیا جائے گا۔ اس پر انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا "یا رسول اللہ (ﷺ)! کیا آپ ﷺ معاہدے کی اس شق پر راضی ہیں"؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا" ہاں! کیونکہ جو شخص ہم سے بھاگ کر قریش کے پاس جائے گا اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں اور جو شخص قریش سے بھاگ کر ہمارے پاس آئے گا اس کے لئے اللہ ضرور کوئی راستہ نکالے گا، چنانچہ دیکھا گیا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والوں کو مدینہ کی بجائے اہل مکہ کے تجارتی راستے پر قبضہ مل گیا جس سے اہل مکہ خوب پریشان ہوئے اور خود ہی اس شق کو ختم کرنے کی بات کی۔(البیہقی السنن الکبریٰ، ۹/۲۲۷، نیز البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجہاد، والمصالحۃ مع اہل الحرب و کتابۃ الشروط، حدیث نمبر (۲۷۳۱، ۲۷۳۲) ص: ۲۱۷۔۲۱۸، دلائل النبوۃ: ۲/۲۴۳، ۲۴۵)

۶۔ اور یہ کہ ہم میں باہم سینہ بندی رہے گی۔ (۱) نہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ (۲) کی جائے گی نہ ہی خفیہ کارروائی۔ (۳)

۷۔ جو شخص محمد (ﷺ) کے ساتھ معاہدے اور ذمہ داری میں شامل ہونا چاہے وہ ان کے ساتھ شامل ہو جائے اور جو قریش کے ساتھ معاہدے اور ذمہ داری میں شریک بننا چاہے وہ ان کے ساتھ شریک بن سکتا ہے۔ (۴)

۸۔ اور اس سال تم کو ہمارے پاس سے واپس جانا پڑے گا اور (تم) ہمارے ہاں مکہ میں داخل نہ ہو گے۔ البتہ

---

(۱) ''عيبة مكفوفة'' سے مراد یہ ہے کہ ہمارے درمیان اس صلح کو توڑنے کے لیے باہر سے کوئی غداری داخل نہ ہو سکے گے۔ الروض الانف میں ہے۔''ای صدور منطوية على ما فيها لا تبدى عداوة'' (السہیلی ،الروض الانف، ۴۸۸/۶) شرح الطیبی میں ہے''ای صدراً نقيا عن الغل والخداع مطوياً على حسن العهد والوفاء،،(الطیبی : ۷۴/۸، ۲۳۵/۵) مراد یہ ہے کہ ہمارے درمیان محفوظ عہد و پیمان ہے یعنی ایسے سینے ہیں کہ ان میں جو کچھ ہے وہ ان میں محفوظ ہے، وہ کسی قسم کی دشمنی کو ظاہر نہ کریں گے۔ آپ ﷺ نے ایک موقع پر''عيبة'' کے لفظ کو راز کی جگہ اور قابل اعتماد ہونے کے لئے بطور ضرب المثل بھی ذکر کیا ہے۔ (الروض الانف :۴۸۸/۶)

(۲) ''الغلال واسلال'' اسل الشی سے مراد ہے چپکے سے کوئی شے چرا لینا۔''سل السيوف'' سے مراد ہے تلوار سونتنا یعنی لڑائی کرنا۔ ضرب المثل بھی ہے''الخُلّه تدعوا الى السَّلّة''''خصلت چوری کرنے کا سبب ہوتی ہے''(الروض الانف: ۴۸۹/۶، شرح الطیبی : (م ن) ۷۴/۸، المنجد، مادہ''سل'')

(۳) (i) ''اغلال'': غل غلا وغليلاً دھوکے فریب والا ہونا''غلول'' مال غنیمت سے چوری کو بھی کہتے ہیں۔ (تاج العروس، مادہ''غل'': سہیلی لکھتے ہیں''اغلال'' سے مراد خیانت ہے (الروض الانف، ۴۸۹/۶)

ابن حجر لکھتے ہیں''لا اسلال ولا اغلال'' ای لا سقة ولا خيانة'' اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی قسم کی جانی و مالی خیانت خفیہ یا علانیہ نہ ہو گی۔ (والمراد أن يا من بعضهم من بعض فى نفوسهم و اموالهم سراً و جهراً) (فتح الباری، ۲۵۲/۵)

(ii) اس شق سے واضح ہوا کہ معاہدہ کی پابندی کی جائے اور معاہدین کے معاملے میں کھلی اور خفیہ ہر دونوں طریقوں سے ایسے تمام امور سے احتراز کیا جائے جو کہ معاہدہ شکنی کا باعث بنیں۔

(۴) (i) اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ جو افراد یا قبائل رسول اللہ ﷺ کی اتباع کریں گے وہ قریش کے ظلم کا شکار نہ ہو سکیں گے چنانچہ یہ سن کر قبیلہ خزاعہ نے فوراً کہا کہ ہم محمد ﷺ کے ساتھ اس معاہدہ میں شریک ہیں'' (الروض الانف: ۴۶۳/۶، فتح الباری: ۲۴۶/۵)

(ii) اس معاہدہ سے قبل قریش نے مسلمانوں کو محض ایک بھگوڑا پارٹی کی حیثیت دی ہوئی تھی اسی بنیاد پر انہوں نے نجاشی سے مسلمانوں کو مکہ واپس کرنے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ علاوہ ازیں انہوں نے یہود مدینہ اور مشرکین مدینہ کو بھی یہ لکھا کہ

اگلے سال ہم باہر چلے جائیں گے اور تم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہاں (مکہ) داخل ہو کر تین راتیں ٹھہر سکو گے۔ (۱) تمہارے پاس سوار کا ہتھیار ہوگا (یعنی) تلوار نیام میں پڑی ہو، اس کے سوا کوئی اور ہتھیار لے کر تم وہاں (مکہ میں) داخل نہیں ہو سکو گے۔ (۲)

۹۔ اور یہ کہ قربانی کے جانور وہیں رہیں گے۔ جہاں ہم نے ان کو پایا (حدیبیہ) اور ان کو ہمارے پاس (مکہ میں) نہیں لایا جائے گا۔ (۳)

ہمارے آدمیوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفئ والامارۃ، باب فی خبر النضیر، حدیث نمبر (۳۰۰۴) معاہدہ کی بالخصوص اس شق سے قریش نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کو تسلیم کیا اور ان سے مساوی سطح پر معاملات طے کیے۔ جس کا فوری اظہار یہ ہوا کہ قبیلہ خزاعہ نے بلا خطر مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کر لیا اور مسلمانوں سے باقاعدہ حلیفی کا معاہدہ بھی کیا (اس معاہدہ کا مکمل ذکر آئندہ صفحات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے)۔ (ابن ہشام: ۳/۳۳۲، الروض الانف، ۶/۴۶۳، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۱۷۱)

(۱) کسی پابندی کی وجہ سے احرام کھولنے کی اجازت: معاہدے کی اس دفعہ کی رو سے رسول اللہ ﷺ نے احرام اتار دیا اور حلق کر دیا چنانچہ آپ کی دیکھا دیکھی تمام صحابہ بھی حالت احرام سے نکل گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی آدمی کو عمرہ کرنے سے روک دیا جائے تو وہ ادائیگی عمرہ کے بغیر بھی حالت احرام سے باہر آ سکتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے'' (آل عمران ۹۷، نیز ارشاد نبوی ہے: ((العمرۃ ھی الحج الاصغر (کنز العمال ۷/۶۰۱، حدیث نمبر (۲۰۴۵۳)))) نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْىِ﴾ (البقرۃ:۱۹۶)

''حج اور عمرے کو اللہ کے لئے پورا کرو، ہاں اگر تم روک لئے جاؤ تو جو قربانی میسر ہو اسے کر ڈالو''۔

کسائی، ابوعبیدہ اور اکثر اہل لغت کے نزدیک اس سے مرض یا نفقہ کا ختم ہو جانا یا دشمن کی وجہ سے پیدا ہونے والی رکاوٹ مراد ہے۔ جصاص اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء کے نزدیک دشمن کی رکاوٹ کی بنا پر احرام کھولنا جائز ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، الجصاص، احکام القرآن: ۱/۲۷۲، ۲۷۴)

عہد حاضر میں اس رکاوٹ کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اگر کسی نے غلط فہمی کی بنیاد پر احرام باندھ دیا اور اسے ویزا کی سہولت میسر نہ آئی یا اس پر حکومتی جانب سے پابندی لگا دی گئی تب بھی اس کے لئے احرام کھولنا جائز ہے۔

(۲) اس شق سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ملک میں جانے کے لئے وہاں کی شرائط کی پابندی کرنا لازمی ہے۔

(۳) یہ شق صرف طبری نے ذکر کی ہے ان کے علاوہ کسی دوسرے مصدر سے اس شق کی تصدیق نہیں ہو سکی۔

تفسیر طبری میں ہے ''وعلى ان هذا الهدى حيثما حبسناه محله لا يقدمه علينا فقال لهم رسو ل الله ﷺ نحن نسوقه وأنتم تردون وجوهه فسار رسول الله ﷺ مع الهدى وسار الناس'' (تفسیر الطبری: ۲۶/۵۵، مسند احمد: ۴/۳۲۵، مزید ملاحظہ ہو، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۱)

۲۔خزاعہ سے معاہدہ

قبیلہ خزاعہ کی عبدالمطلب سے حلیفی زمانۂ جاہلیت کے دور سے قائم تھی۔صلح حدیبیہ کے موقع پر جب یہ طے ہوا کہ دیگر قبائل بھی فریقین (مسلمانوں اور قریش مکہ) میں سے کسی ایک کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں تو اس موقع پر قبیلہ خزاعہ نے اعلان کیا کہ وہ آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوتے ہیں نیز انہوں نے چاہا کہ بنومطلب کے پرانے معاہدۂ حلیفی کی تجدید کردی جائے۔چنانچہ آپ ﷺ نے اس معاہدہ کی تجدید کرلی اور فرمایا کہ ''اسلام زمانۂ جاہلیت کی حلیفی کو اور مضبوط کرتا ہے''(۱)

معاہدہ:

یہ عبدالمطلب بن ہاشم کا خزاعہ کے لیے معاہدہ ہے۔جس وقت قبیلہ خزاعہ کے سربراہ اور شخصیات اور اہل دانش (عبدالمطلب کے پاس) آئے۔خزاعہ کی طرف سے یہ شرائط ان تمام لوگوں کے لیے بھی مسلمہ ہیں جو سفر یا حضر میں ہیں۔(معاہدہ یہ ہے کہ)

ہمارے درمیان ابدالآباد تک (قائم رہنے والا حلیفی کا) معاہدہ ہے۔جب تک کہ جبل شبیر اور حراء اپنی جگہ پر قائم ہیں اور جب تک کہ سمندر میں رطوبت باقی ہے(۲) تب تک ہم (دشمن کے مقابلہ میں)

---

(۱) مجموعة الوثائق السياسية، وثیقہ نمبر:۱۷۱،الحلبی، السیرۃ:۳/۸۰، الواقدی، کتاب المغازی:۶/۱۷۱،۱،مزید تفصیل ملاحظہ ہو، الجصاص،احکام القرآن:۲/۲۹۳،۲۹۴،ابن حجر،فتح الباری:۵/۲۴۲،۲۴۶

(۲) (i) اس معاہدہ کی ابتدائی دفعہ (ہم دونوں کے درمیان ابدالآباد تک معاہدہ) نیز (کوہ شبیر وحراء کے قیام اور سمندر میں رطوبت کے باقی رہنے تک یہ معاہدہ باقی رہے گا) سے معاہدہ کی طوالت مراد ہے جس سے غیر مسلموں کے ساتھ طویل مدت تک حلیفی کے معاہدے کا جواز ملتا ہے۔(اس موضوع پر مفصل بحث کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۱۹۶...)

باہم مدد و نصرت کے لیے ایک ہیں۔ ہمارے اور آپ لوگوں کے مابین اس معاہدہ کی دائمی تجدید کے ماسوا کچھ نہیں۔(۱)

---

(۱) (i) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۷۱

(ii) ڈاکٹر حمید اللہ نے اس معاہدہ کی ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے جس کے مطابق ''فریقین ایک دوسرے کی جنگی امداد کرنے کے پابند ہیں، اس معاہدہ میں کوئی چھوٹ نہ ہوگی اور یہ معاہدہ اس وقت تک رہے گا جب تک سمندر میں رطوبت باقی ہے۔ فریقین کے چھوٹے بڑے اس میں شامل ہیں اور وہ بھی جو کہ موجود نہیں۔ عہد یہ ہے کہ جب تک کوہ ثبیر پر سورج چمکتا رہے اور اونٹ اپنے نوزائیدہ بچوں کے لیے کلبلاتے ہیں اور جب تک زمین پر پہاڑوں کا وجود قائم ہے جب تک زائرین مکہ میں آتے رہیں۔ معاہدہ ختم نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جب تک سورج کی روشنی اور رات کی تاریکی دنیا پر منعکس ہوتی رہے اس معاہدہ کی شرائط میں اور زیادہ پابندی ہوتی رہے گی۔ تب تک عبدالمطلب اور ان کے بیٹے اور ان کے حلیف بھی بنوخزاعہ کی نصرت اور حمایت کرتے رہیں گے اس طرح بنوخزاعہ اور ان کے حلیف خواہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں وادیوں میں خیمہ زن ہوں یا کھلے میدان میں ہوں ہر صورت میں وہ سب عبدالمطلب اور ان کی اولاد کی حمایت و نصرت کے پابند رہیں گے''۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۱۷۱ (روایت ثانی)

معاہدہ حدیبیہ وخزاعہ کے فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ

معاہدہ حدیبیہ کے ضمن میں مختصر لغوی وفقہی توضیحات کے بعد فقہی مباحث کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ سفارتی امور واحکام، صلح حدیبیہ کی روشنی میں

۲۔ معاہدہ صلح کے بعد فریقین کی ذمہ داریاں

۳۔ غیر مسلموں کی شرائط پر جنگ بندی اور صلح

۴۔ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین

۵۔ ہتھیاروں کی پابندی کا معاہدہ

۶۔ غیر مسلموں کے ساتھ پرانے معاہدات کی بحالی وتوثیق

۷۔ غیر مسلم حلیف کی مدد ونصرت

۱۔سفارتی امور واحکام، صلح حدیبیہ کی روشنی میں

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں نے اپنا سفیر مشرکین مکہ کی طرف بھیجا اس طرح مشرکین مکہ کی طرف سے کئی سفارتیں مسلمانوں کے پاس آئیں اور معاہدہ صلح پر اتفاق ہوا۔جس سے امور سفارت سے متعلق کئی احکام کی وضاحت ہوتی ہے۔تفصیل حسب ذیل ہے۔

سفارت کا مفہوم:

سفارت کا مادہ سفر ہے جس کے معنی "پردہ اٹھانا" اور کھولنے کے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ "سفرت بین القوم اسفر سفارۃ ای کشفت مافی قلب هذا و قلب هذا لا صلح بینهم" (میں نے لوگوں کے مابین پردہ اٹھا دیا اور سفر کیا اور جو کچھ ان (دونوں اقوام) کے قلب میں تھا اسے کھول دیا تاکہ ان کے مابین صلح کرا دوں)۔(۱)

عربی میں سفیر کو رسول بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ "نبی اکرم ﷺ نے عامل بحرین منذر بن ساویٰ کی طرف لکھا" و ان رسلی قد حمدوک" (میرے سفیروں نے تمہاری تعریف کی ہے)(۲)

سفیر:

سفیر سے مراد وہ فرستادہ ہے جو بھیجنے والے کے مقصد کو واضح انداز میں مرسل الیہ تک پہنچاتا ہے۔ سفیر کی مختلف تعریفات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ قوموں کے درمیان رابطے استوار کرتا ہے اور کشیدگی اور غلط فہمی کو دور کرتا ہے۔ مثلاً تاج العروس میں سفیر سے مراد ہے "قوموں کے درمیان صلح کرانے والا" (۳)

اصفہانی کے نزدیک سفیر وہ آدمی ہے جو کسی قوم کی بات کی وضاحت کے لیے بھیجا جاتا ہے وہ فریقین کی منافرت کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور سفیر کی بات بھیجنے والے کی بات کے برابر تصور کی جاتی ہے۔(۴)

جدید تعریف کے مطابق بھی سفیر سے مراد کسی حکومت کا وہ نمائندہ ہے جس کو اپنے ملک کی جانب سے مکمل اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور وہ اہم معاملات میں دوسری حکومت سے بات چیت کرتا ہے۔(۵)

صلح حدیبیہ میں آپ ﷺ کی طرف سے حضرت عثمانؓ کو مسلمانوں کا سفیر بنا کر مشرکین مکہ کے پاس بھیجا جانا، دوسری

---

(۱) لسان العرب مادہ "سفر"

(۲) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۶۰ (نص ثانی)

(۳) الحسینی، السید محمد مرتضیٰ، تاج العروس، ۴۱/۱۲، مادہ "سفر"

(۴) الاصفهانی، الراغب، حسین بن محمد، المفردات فی غریب القران، ص: ۲۳۴ نیز "عبارة الرسول كعبارة المرسل" السرخسی، ۲۹۱/۱

(۵) The Encyclopedia, Americana, Americana Corporation, 1961, Vol.1, p.470

طرف مشرکین مکہ کے سفیروں سے امن و صلح کی بات چیت اور کوشش سے واضح ہوتا ہے کہ سفیر حکومت و قوم کا وہ نمائندہ ہوتا ہے جس کو اپنی حکومت کی طرف سے بات چیت کرنے، اپنا مؤقف واضح کرنے اور دوسری حکومت یا قوم کا مؤقف سننے کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

مذاکرات امن:

صلح حدیبیہ سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ سے قبل امن و صلح کی کوشش کرنی چاہیے۔ جہاد سے مقصود یہ ہے کہ دین کی اشاعت اور غیر مسلموں کے شرور سے مسلمانوں کی جان، مال اور عزت کی حفاظت کی جائے اگر یہی فوائد صلح سے حاصل ہو رہے ہوں تو لڑائی کی بجائے صلح کرنا ہی بہتر ہے۔(۱)

معاہدہ حدیبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صلح کی اس کوشش میں سفارت بہت اہمیت کی حامل ہے نیز جنگ سے بچنے کے لیے غیر مسلموں سے صلح کے لیے پہل کرنا بھی درست ہے۔ اس ضمن میں ابن قیم لکھتے ہیں "و منها جواز ابتداء الامام بطلب صلح العدوإذا رأى المصلحة للمسلمين فيه ولا يتوقف ذلك على أن يكون ابتداء الطلب منهم" (۲)

سفیروں کے حقوق:

معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق سفیر اپنی حکومت کی طرف سے ایک محترم نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کے ساتھ حسن سلوک اور عزت و احترام سے پیش آنا چاہیے۔ صلح حدیبیہ سے قبل مسلمانوں کی طرف سے بھیجے جانے والے قاصد خراش بن خزاعی تھے جن کے ساتھ مشرکین مکہ نے بہت برا سلوک کیا ان کی سواری کو قتل کر دیا اور انہیں بھی قتل کرنے کی کوشش کی اس کے باوجود آپ ﷺ نے مشرکین مکہ کے سفیروں کے ساتھ سلوک و احسان کا معاملہ فرمایا۔

قریش کی طرف سے آنے والے سفیر مکرز بن حفص کے متعلق آپ ﷺ نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ وہ فاجر آدمی ہے لیکن بحیثیت سفیر آپ ﷺ نے اس کی بات سنی اور اچھا رویہ رکھا۔(۳) قریش کے ایک سفیر عروہ بن مسعود ثقفی نے گفتگو

---

(۱) ایک حدیث میں ہے کہ "دشمن سے جنگ کی تمنا نہ رکھو اور اللہ سے عافیت کا سوال کرو" صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب كراهة تمنی لقاء العدوّ، حدیث نمبر (۴۵۴۲)

(۲) زاد المعاد، ۲/۵۳۳

(۳) زاد المعاد، ۲/۵۲۹، البداية والنهاية: ۴/۱۶۶

کے دوران آپ ﷺ کی بے اکرامی کی اور جاہلیت کی بعض درشت عادات کا ارتکاب کرتے رہے لیکن آپ ﷺ نے انہیں کوئی سرزنش نہیں فرمائی۔(۱)

سفیروں کو قید کرنا یا انہیں تکلیف پہنچانا جائز نہیں ایک مرتبہ مسیلمہ کذاب کے دو سفیر آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کے سامنے مسیلمہ کی نبوت کا اقرار کیا۔ آپ ﷺ نے انہیں نہ قید کیا نہ کوئی اور تعرض کیا بلکہ واضح فرمایا کہ تمہاری سزا تو قتل ہے لیکن سفیروں کو قتل کرنا (اسلام کی رو سے) جائز نہیں۔(۲)

مسلمانوں کے سفیر حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر پر آپ ﷺ کا صحابہ سے جنگ کرنے کی بیعت لینے سے پتہ چلتا ہے کہ سفیر کا قتل سٹیٹ کے خلاف اقدام جنگ کے برابر ہے۔

سفیر سے سربراہ مملکت کی ملاقات اور مذاکرات

کسی ملک کے سفیر سے سربراہ مملکت براہ راست ملاقات کر کے اپنا موقف واضح کرسکتا ہے۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کی طرف سے قبیلہ خزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء آئے تو آپ ﷺ نے ان سے ملاقات فرمائی۔ آپ ﷺ نے ان کی آمد کا مقصد پوچھا اور پھر اپنا موقف و مقصد واضح فرمایا کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے بلکہ زیارت کعبہ کے لیے آئے ہیں لہٰذا قریش کو چاہیے کہ ہم سے مصالحت کرلیں۔(۳) اسی طرح قریش کے دیگر سفراء مکرز بن حفص اور عروہ بن مسعود ثقفی اور آخر میں سہیل بن عمرو آئے آپ ﷺ نے سب کے ساتھ بنفس نفیس ملاقات فرمائی بالآخر سہیل بن عمرو سے مذاکرات کامیاب ہوئے اور معاہدہ صلح طے ہوا۔(۴)

---

(۱) ابن ہشام، ۳/ ۳۲۷، زاد المعاد، ۲/ ۵۲۸، قرآن مجید کی عمومی تعلیمات سے بھی سفراء کے لیے نرم گفتگو اور مجادلۂ حسنہ کا پتہ چلتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰىO فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (طٰہٰ: ۴۳: ۴۴)، نیز قرآن کی آیت ﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ (فصلت: ۳، نیز النحل: ۱۲۵) وغیرہ سے بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

(۲) ابو داؤد، السنن، کتاب الجهاد، باب فی الرسل، حدیث نمبر (۲۷۶۱)

(۳) ابن ہشام: ۳/ ۳۲۵، زاد المعاد: ۲/ ۵۲۸

(۴) ابن ہشام: ۳/ ۳۳۱، زاد المعاد: ۲/ ۵۲۹

معاہدہ کی تحریری دستاویز:

معاہدہ شکنی یا کسی بھی بداعتمادی و بدگمانی اور باہمی تنازعہ وغیرہ سے بچنے کے لیے معاہدہ کو لکھ لینا ضروری ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ...... وَ لَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا﴾(۱)

اگرچہ جمہور مفسرین نے آیت میں کتابت کو ندب واستحباب پر محمول کیا ہے۔(۲) تاہم آیت میں "اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى" اور "اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُم" سے مفہوم مخالف میں لکھنے کی تاکید ہوتی ہے۔یعنی ایسے معاہدات جن میں مدت کا تعین نہ ہو بالفاظ دیگر دائمی معاہدات کو لکھنا ضروری ہے۔(۳) چنانچہ آپ ﷺ نے معاہدہ حدیبیہ کو لکھوایا پھر اس کی نقل تیار کروائی اصل معاہدہ اپنے پاس رکھا اور نقل سہیل بن عمرو (سفیر قریش) کے حوالے فرمائی"(۴)

---

(۱) اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک دوسرے سے میعاد مقرر پر قرض کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو (اسی آیت کے اگلے حصہ میں ہے) "اور قرض کو جس کی مدت مقرر ہے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو لکھنے میں کاہلی نہ کرو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بات بہت انصاف والی ہے اور گواہی کو بھی درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے بھی زیادہ بچانے والی ہے۔(البقرہ:۲۸۲)

(۲) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن:۳/ ۳۷۷، ۳۷۸ نیز ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم:۱/ ۴۹۰

(۳) محمد رشید رضا، تفسیر المنار:۳/ ۱۰۰، ۱۰۵، قرآن مجید کی بعض دیگر آیات مثلاً ﴿بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍۙ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ﴾ (عبس:۱۵-۱۶ "سفرۃ" سے مراد تحریر ہے۔لسان العرب، مادۃ "سفر") اور ﴿اِذْهَبْ بِّكِتٰبِىْ هٰذَا﴾ (النمل:۲۸) سے بھی لکھی ہوئی دستاویز کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

(۴) الواقدی، کتاب المغازی، ۲/ ۶۱۲ معاہدہ حدیبیہ کی دو نقول تیار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ میں پختگی اور توثیق نیز ممکنہ غلط فہمی وغیرہ سے بچنے کے لیے معاہدہ کی تحریر کا فریقین کے پاس ہونا ضروری ہے۔تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، (احمد ابو الوفاء محمد، المعاہدات الدولیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ، ص:۳۵)

معاہدہ اور گواہ:

سفراء کے مابین طے ہونے والے معاملات میں گواہوں کی بہت اہمیت ہے۔قرآن میں ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُم﴾ (۱) کی صورت میں اہم معاملات کے اندر گواہوں کی موجودگی کا حکم کیا گیا ہے۔صلح حدیبیہ میں دونوں اطراف سے گواہوں کو شامل کیا گیا مسلمانوں کی طرف سے حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علی ،عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ، محمود بن مسلمہ اور مشرکین کی طرف سے حویطب بن عبدالعزیٰ، عبداللہ بن سہیل اور مکرز بن حفص گواہ بنائے گئے۔جنہوں نے معاہدہ پر اپنے اپنے دستخط بھی کئے۔(۲)

---

(۱) ''اور اپنے میں سے دو مرد گواہ رکھ لو''۔(البقرۃ:۲۸۲)

(۲) ابن ہشام:۳/۳۳۳۔

۲۔اہل حرب کے ساتھ جنگ بندی کے معاہدے کی مدت

صلح حدیبیہ کی دفعہ ۳ کی رو سے مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان دس سال کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ طے ہوا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل حرب کے ساتھ طویل مدت کی جنگ بندی اور صلح کے معاہدے بھی کرنا جائز ہے۔

اسلامی شریعت میں غیر مسلموں کے ساتھ امن معاہدے کے سلسلے میں باقاعدہ کسی مدت کا تعین نہیں کیا گیا چنانچہ قرآن مجید سے موقت اور غیر مؤقت ہر دو معاہدوں کے بارے میں دلیل ملتی ہے ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾(۱)

''بجز ان مشرکوں کے، جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے اور انہوں نے تمہیں ذرا بھی نقصان نہیں پہنچایا نہ کسی کی تمہارے خلاف مدد کی ہے تو تم بھی ان کے معاہدے کی مدت ان کے ساتھ پوری کرو۔ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے''۔

نیز ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾(۲)

''مشرکوں کے لیے عہد، اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیسے رہ سکتا ہے سوائے ان کے جن سے تم نے عہد و پیمان مسجد حرام کے پاس کیا ہے جب تک وہ لوگ تم سے معاہدہ نبھائیں تم بھی ان سے وفاداری کرو۔ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے''۔

---

(۱) التوبہ:۴

(۲) التوبۃ:۷

مذکورہ بالا آیات میں پہلی آیت سے مؤقت جبکہ دوسری آیت میں مطلق معاہدہ امن کا ثبوت ملتا ہے۔(۱)

معاہدات نبوی ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤقت اور غیر مؤقت دونوں طرح کے معاہدات کیے۔ مؤقت معاہدات میں مثلاً عقبہ بن ابی امیہ سے چار ماہ تک کا معاہدہ۔ اور صلح حدیبیہ کا دس سال تک مدت کا معاہدہ ہے۔(۲) غیر مؤقت معاہدات میں بنوضمرہ، بنوغفار، بنواشجع، بنوخزاعہ، اہلیان نجران سے کئے جانے والے معاہدات سرفہرست ہیں۔(۳) یہ معاہدات اس بات کی دلیل ہیں کہ اسلامی ریاست، غیر مسلم ریاست یا خودمختار غیر مسلم قوت سے مؤقت اور غیر مؤقت دونوں طرح کے معاہدات صلح طے کرسکتی ہے۔

اہل حرب سے غیر مؤقت معاہدہ صلح کے بارے میں فقہاء کے دو مؤقف ہیں۔ بعض فقہاء کے نزدیک غیر مؤقت معاہدہ جائز نہیں اور عندالبعض اس کا جواز ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد دراصل یہ سوال ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل بنیاد جنگ ہے یا امن؟

جن فقہاء کے نزدیک تعلقات کی اصل جنگ ہے وہ غیر مؤقت معاہدات کے جواز کے قائل نہیں اور جن کے نزدیک غیر مسلموں سے تعلقات کی اصل وبنیاد امن ہے وہ ایسے معاہدات کے جواز کے قائل ہیں۔

اول الذکر فقہاء میں امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام ابن تیمیہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ وہ قرآن مجید کی ان آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ﴾ (۴)

''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو''

---

(۱) ابن القیم، احکام اہل الذمۃ: ۴۸۲/۲، ۴۸۳

(۲) ابن ہشام: ۳۳۲/۳

(۳) ملاحظہ ہوں، معاہدات، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: معاہدہ نمبر ۹۴، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۷۱، ۱۸۶۔ وغیرہ

(۴) التوبہ: ۵

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾(۱)

''تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایماندار ہو''۔

وہ اس آیت سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ صلح بجائے خود ایک کمزوری کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ مومنین کو مستقل طور پر اس صورت میں رکھنا پسند نہیں کرتا۔ نیز دائمی وغیر مؤقت معاہدہ اس لیے بھی درست نہیں کہ آئندہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کے فروغ کے لیے اس معاہدہ کو ختم کرنا ضروری ہو جائے تو ایسی صورت میں معاہدہ شکنی کا ارتکاب کرنا پڑے گا۔ علاوہ ازیں ان فقہاء کے نزدیک اگر صلح کا دائمی معاہدہ کرلیا تو یہ مستقل طور پر جہاد کے ترک کرنے کے مترادف ہوگا۔ چنانچہ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

"لا تجوز المهادنة مطلقا من غير تقدير مدة لا نه يفضى الى ترك الجهاد بالكلية"(۲)

فقہاء احناف کا مسلک یہ ہے کہ اگر امام المسلمین مسلمانوں کا فائدہ ومصلحت سمجھتا ہے تو وہ غیر مؤقت ودائمی معاہدۂ امن کرسکتا ہے۔ کیونکہ غیر مسلموں کے ساتھ ہر وقت جنگ کرنا فرض نہیں۔ امام سفیان ثوری اور بعض دیگر فقہاء عطا، عمرو بن دینار اور ابن شبرمہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں ان کا موقف یہ ہے کہ:

''الجهاد تطوع وليس بفرض وان الامر للندب ولا يجب قتالهم الا دفعا لظاهر قوله تعالى ﴿فَإِنْ قَتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ﴾(البقرة ۱۹۱) وقوله تعالى ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً﴾''(التوبه: ۳۶)(۳)

''مشرکین کے ساتھ جنگ کرنا فرض نہیں جب تک کہ پہل خود ان کی طرف سے نہ ہو اگر ان کی طرف سے ابتدا ہو تو جنگ لازمی ہے اس ارشاد باری تعالی کے تکمیل میں کہ ''اگر وہ تم سے جنگ کریں تو انہیں قتل کرو'' نیز یہ ارشاد کہ ''تم سب مل کر مشرکین سے لڑو جس طرح وہ سب مل کر تم سے لڑتے ہیں''

---

(۱) آل عمران: ۱۳۹

(۲) ابن قدامہ، المغنی: ۸/۴۵۹

(۳) الشیبانی، السیر الکبیر: ۱/۱۹۰، ۱۹۱، ابن قدامہ، المغنی: ۹/ ۲۸۶، ۲۸۷، ۸/ ۳۲۵

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ فقہا کا یہ اختلاف اس سوال کا نتیجہ ہے کہ مشرکین کے ساتھ تعلقات کی اصل جنگ ہے یا امن ؟ اس سوال کی بنیاد پر بعض مغربی مؤلفین اور مستشرقین نے بعض فقہاء کے نقطہ کو منفی انداز میں پیش کر کے یہ نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ فقہاء کے نزدیک غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی اصل جنگ ہی ہے۔(۱)

بدایۃ المجتہد کے مؤلف نے اس مسئلہ میں فقہاء کے نقطہ نظر کو نہایت جامع اور مثبت انداز میں پیش کیا ہے اس موضوع پر فقہاء کی بحوث کو سمیٹتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ:

''فقہاء میں حالت امن کی تائید کرنے والوں میں امام مالک، امام شافعی، اور امام ابوحنیفہ شامل ہیں۔ ان میں صرف امام شافعی امن کی اس مدت کو جائز نہیں قرار دیتے جو اس مدت امن سے زیادہ طویل ہو جسے رسول اللہ ﷺ نے کفار کے ساتھ اختیار فرمایا(۲) کسی ضرورت کے بغیر امن کے جواز کے سلسلہ میں فقہاء کے اختلاف کا سبب وہ ظاہری تعارض ہے جو آیات قرآنی ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوْهُم﴾(۳) اور ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللهِ﴾(۴) کے درمیان نظر آتا ہے۔ چنانچہ جن لوگوں کے نزدیک آیت جنگ، آیت امن کے لیے ناسخ ہے وہ بغیر ضرورت و مصلحت، امن کی حالت کو جائز نہیں سمجھتے، دوسری طرف جن لوگوں کے خیال میں آیت امن کے ذریعہ آیت جنگ کی تخصیص مراد ہے وہ حالت امن کو صحیح قرار دیتے ہیں اگر وہ امام المسلمین کے نزدیک فائدہ مند ہو(۵)

بدایۃ المجتہد کے مؤلف کی مذکورہ بالا بحث سے فقہاء کی آرا کا اصل مزاج و مطلب سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ

---

(۱) ملاحظہ ہوں مجید خدوری "War and peace" ص۷۴،۷۵،۲۵۱

(۲) اس سے مراد صلح حدیبیہ ہے جس کی مدت صلح دس برس تھی اسی بنیاد پر شوافع زیادہ سے زیادہ مدت صلح کو دس برس قرار دیتے ہیں۔ الام:۴/۲۰۰

(۳) (جب حرام مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو) (التوبہ:۵)

(۴) اور اگر وہ (دشمن) سلامتی اور امن کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو (الانفال:۶۱)

(۵) ابن رشد، بدایۃ المجتہد:۱/۳۱۳

یہ کہ اگرچہ بعض فقہاء غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات میں حالت جنگ کو اصل قرار دیتے ہیں لیکن ان کے نزدیک بھی انسانوں کی منفعت و مصلحت کی خاطر غیر مسلموں سے دیر تک صلح کرنا جائز ہے۔ چنانچہ امام شافعی اور امام احمد وغیرہ کا مسلک اگرچہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ سے زائد مدت، یعنی دس سال سے زائد عرصہ کے لیے غیر مسلموں سے معاہدہ صلح کرنا جائز نہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس بات کے قائل بھی ہیں کہ اگر مسلمانوں کا مفاد اس میں ہو کہ مدت میں اضافہ کیا جائے تو ایسا کرنا درست ہوگا۔ چنانچہ المغنی میں ہے " وقال ابو الخطاب ظاهر كلام أحمد أنه يجوز على اكثر من عشر على مايراه الامام من المصلحة وبهذا قال ابو حنيفه " (۱) معاہدہ حدیبیہ کے ذیل میں ابن قیم لکھتے ہیں کہ اہل حرب سے دس سال کے لئے معاہدہ صلح کیا جاسکتا ہے اور مصلحت مسلمین کے پیش نظر اس سے زیادہ مدت کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے چنانچہ زادالمعاد میں " وفيها : جواز صلح اهل الحرب على وضع القتال عشر سنين ، وهل يجوز فوق ذلک ؟ الصواب : انه يجوز للحاجة والمصلحة الراجحة" (۲)

علاوہ ازیں مالکیہ، زیدیہ اور امام احمد کا بھی یہی مسلک ہے کہ صلح غیر مؤقت ہی اگر مسلمانوں کے مفاد و مصلحت میں ہو تو جائز ہے۔ (۳) معروف حنفی فقیہ و محدث، بدرالدین عینی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ "اہل علم کے نزدیک صلح کی باقاعدہ کوئی حد مقرر نہیں۔ یہ مسلمانوں کی ضرورت و مصلحت اور امام و اہل الرأی کے اجتہاد پر موقوف ہے کہ اگر وہ چاہیں تو یہ معاہدہ کر سکتے ہیں۔" (۴)

---

(۱) ابن قدامۃ، المغنی: ۸/۴۶۰ نیز الشافعی، کتاب الام: ۴/۲۰۰

(۲) زادالمعاد: ۲/۵۸۵، ۴۶۹

(۳) فقہاء کی آراء کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن قدامہ، المغنی: ۸/ ۴۶۰۔ نیز ملاحظہ ہو کشاف القناع ۳/ ۸۸، فتح القدیر ۴/۲۹۳، الدسوقی ۲/ ۵۲۷، نیل الاوطار ۸/۲۰۴

(۴) عمدۃ القاری: ۱۵/ ۱۰۵

۳۔ معاہدہ صلح کے بعد فریقین کی ذمہ داریاں

صلح حدیبیہ کی رو سے صلح کے معاہدے کے بعد درج ذیل امور کی پابندی جانبین کے لیے ضروری ہو جاتی ہے۔

معاہدہ کا احترام:

صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۶ کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ معاہدہ صلح کا نہایت درجہ تحفظ کیا جانا ضروری ہے چنانچہ معاہدہ حدیبیہ میں لکھا گیا کہ "وان بیننا عیبة مکفوفة" یعنی صلح کو توڑنے کے لئے کوئی غداری نہ ہو سکے گی۔

اسلام کی عمومی تعلیمات کی رو سے بھی معاہدات کا احترام کرنا نہایت ضروری ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدتُّمۡ وَلَا تَنۡقُضُوا الۡاَيۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡكِيۡدِهَا وَقَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰهَ عَلَيۡكُمۡ كَفِيۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ﴾ (۱)

"اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم آپس میں قول وقرار کرو اور قسموں کو ان کی پختگی کے بعد مت توڑو حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنا ضامن ٹھہرا چکے ہو، تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کو بخوبی جان رہا ہے"۔

قرآن میں اہل ایمان کی تعریف میں بتایا گیا ہے کہ "وہ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی نگہداشت کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ﴾ (۲)

"رسول اللہ ﷺ نے بھی عہد شکن اور دھوکا باز کی سخت مذمت فرمائی ہے۔ (۳) اور عہد شکنی کو نفاق کی نشانی قرار دیا ہے۔ (۴)

---

(۱) النحل: ۹۱

(۲) المومنون: ۸

(۳) البخاری، کتاب الجزیة والموادعة، باب اثم الغادر للبر و الفاجر، حدیث نمبر (۳۱۸۸)

(۴) البخاری، م ن حدیث نمبر (۳۱۷۸)

معاہدہ کے کسی حصے کی خلاف ورزی:

صلح حدیبیہ کی رو سے پتہ چلتا ہے کہ معاہدہ کے کسی جزو کی خلاف ورزی کرنا بھی عہد شکنی اور بدعہدی کے زمرہ میں داخل ہے۔ چنانچہ جب حدیبیہ میں معاہدہ کی شرائط پر اصولی طور پر اتفاق ہوگیا لیکن ابھی شرائط لکھی جا رہی تھیں کہ سہیل بن عمرو کے صاحبزادے حضرت ابو جندل بھاگ کر مسلمانوں سے آملے اور نہایت دردناک انداز میں مسلمانوں سے اپیل کی کہ انہیں واپس نہ بھیجا جائے مگر آپ ﷺ نے انہیں واپس کر دیا اور فرمایا،

"انا قد اعطینا ھؤلاء القوم ما قد علمت ولا یصلح لنا فی دیننا الغدر و ان اللہ جاعل لک ولمن معک من المستضعفین فرجاً و مخرجا فانطلق الی قومک" (۱)

"تم جانتے ہو کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا ہے۔ ہمارے دین میں عہد شکنی اور بے وفائی جائز نہیں اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دیگر کمزور ساتھیوں کی کوئی صورت نکالے گا۔ لہٰذا تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ"۔

اسی طرح آپ ﷺ نے مکہ سے بھاگ کر مدینہ آنے والے صحابی ابو بصیر کو بھی واپس کر دیا۔ (۲)

ایک دوسرے کے نقصان سے گریز:

جب دو قوموں یا ممالک کے درمیان صلح یا جنگ بندی کا معاہدہ طے ہو جائے تو پھر ایک دوسرے کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۲ میں ہے۔ "یامن فیھن الناس و یکف بعضھم عن بعض" "لوگ امن سے رہیں اور ایک دوسرے سے رکے رہیں"

المبسوط میں ہے

"لان الھدنة تقتض الکف عن انفسھم و أموالھم و أعراضھم" (۳)

"معاہدہ صلح کی وجہ سے جان، مال اور عزت کی حفاظت ضروری ہو جاتی ہے"۔

---

(۱) ابن ہشام: ۳/۳۳۷

(۲) ابن ہشام (م ن) نیز زاد المعاد: ۲/۵۳۰

(۳) المبسوط، ۱۰/۸۸، نیز البحر الرائق: ۵/۷۹

غلطی سے اگر کسی معاہد کی جان و مال کو نقصان پہنچ گیا تو اس کا بدل و دیت ادا کرنی ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾(۱)

''اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا بھی ضروری ہے''

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے معاہدین کی افواج کا ایک دوسرے کی حدود میں تصرف اور ہر قسم کی خفیہ اور کھلی سازشوں میں حصہ دار بننا جائز نہیں۔ معاہدہ کی دفعہ نمبر ۶ سے اس اصول کی نہایت درجہ وضاحت ہوتی ہے جس میں ہے کہ ''ان بيننا عيبة مكفوفة، ولا اسلال ولا اغلال'' ''باہم غداری نہیں کی جائے گی خفیہ اور کھل کر ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی''۔

صلح کے بعد باہمی ذمہ داریوں اور ضروری امور سے متعلق امام ماوردی لکھتے ہیں کہ معاہدہ صلح کے بعد تین امور ضروری ہو جاتے ہیں۔

۱۔ ظاہری موادعۃ: یعنی ایک دوسرے سے لڑائی کرنے اور نقصان پہنچانے سے احتراز۔

۲۔ باطنی خیانت: مثلاً کسی کو قتل کرنا یا مال چوری کر لینا وغیرہ

۳۔ مجاملة فى الاقوال و الأفعال: یعنی باہم حسن عمل اور حسن سلوک۔(۲)

---

(۱) النساء:۹۲،تفسیر کے لیے ملاحظہ ہو، الرازی،تفسیر کبیر:۲۸۸/۳،تفسیر المنار:۳۳۴/۵

(۲) آثار الحرب:۶۹۰،مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو،شرح السیر الکبیر:۱۷۸۲/۵،حاشیۃ الخرشی:۱۵/۳،

۳۔ غیر مسلموں کی شرائط پر جنگ بندی اور معاہدۂ صلح

معاہدۂ حدیبیہ کی دفعہ نمبر ا میں جب ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھا جانے لگا تو مشرکین مکہ کے سفیر سہیل نے اعتراض کیا کہ ہم اس کو نہیں جانتے آپ ''باسمک اللھم'' لکھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے باسمک اللھم لکھوا دیا۔ اسی طرح دوسری شق میں ''محمد رسول اللہ'' لکھنے پر سہیل نے پھر اعتراض کیا تو آپ ﷺ نے ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دیا اور ساتھ ہی زبانی تصدیق فرما دی کہ اللہ کی قسم میں یقیناً اللہ کا رسول ہوں چاہے تم تسلیم کرو یا نہ کرو۔(۱)

مذکورہ بالا دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کی طرف سے رکھی جانے والی شرائط پر صلح کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ شرائط مسلمانوں کے حق میں مضر نہ ہوں۔ چونکہ یہ دونوں باتیں "باسمک اللھم" اور ''محمد بن عبداللہ'' فریقین کے لیے درست تھیں مسلمانوں کے لیے بھی نہ اس میں کوئی جھوٹ تھا اور نہ ہی بت پرستی، لہٰذا آپ ﷺ نے دونوں شرائط کو تسلیم کر لیا۔(۲)

معاہدہ حدیبیہ کی دیگر دفعات سے بھی اس کی تائید ہو رہی ہے۔ مثلاً معاہدہ کی دفعہ نمبر پانچ کے مطابق قریش کا جو فرد اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا تو اسے قریش کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے جو فرد قریش کے پاس آئے گا وہ اسے ان کے سپرد نہیں کریں گے۔ علاوہ ازیں دفعہ نمبر ۸ کے مطابق مسلمانون کا اس سال بغیر زیارت بیت اللہ واپس جانے کی شرط وغیرہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مصلحت کے پیش نظر غیر مسلموں کی شرائط پر بھی معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے عمومی مفاد اور بڑے فساد سے بچنے کی خاطر مشرکین کے

---

(۱) مسلم، کتاب الجہاد، السیر، باب صلح الحدیبیۃ، حدیث نمبر (۴۶۳۱)

(۲) ابو عبید کتاب الاموال، فقرہ: ۴۴۳، ابو عبید نے اس واقعہ کے ذیل میں حضرت علیؓ کا اثر بھی نقل کیا ہے کہ عراق مین حروریوں کی ایک باغی جماعت تھی جن سے مذاکرات کرنے کے لیے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بھیجا گیا تو ان باغیوں نے دیگر اعتراضات کے ساتھ ایک اعتراض یہ بھی کیا کہ حضرت علیؓ نے اپنے مخالفین کے ساتھ معاہدے میں ''امیر المومنین'' کا لقب مٹا دیا اس کا مطلب ہے کہ وہ "امیر الکافرین" ہوئے۔ اس کے جواب میں حضرت ابن عباسؓ نے صلح حدیبیہ کی وہ شرط بیان کی جس کے مطابق آپ ﷺ نے ''محمد رسول اللہ'' کے بجائے ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دیا تھا۔ ابو عبید (م ن) فقرہ: ۴۴۳

ساتھ ایسا معاہدہ کرنا جائز ہے اگر چہ اس سے کچھ مسلمانوں کو تکلیف ہی کیوں نہ پہنچ رہی ہو۔(۱)

ابو عبید اور بعض دیگر فقہا اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ اگر جنگ بندی اور صلح ہی مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو اپنے پاس سے کچھ مال وغیرہ دے کر صلح کرنا بھی جائز ہے اس کی دلیل کے طور پر اکثر فقہاء غزوۂ احزاب کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ اس غزوہ میں تمام مشرکین عرب نے مسلمانوں کے خلاف اتحاد کر لیا تھا۔ انہوں نے دس دن تک مسلمانوں کا محاصرہ کر رکھا جس سے مسلمانوں کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا جس کے متعلق قرآن مجید میں بھی اشارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾(۲)

اس موقع پر آپ ﷺ نے قبائل غطفان کو الگ کرنے کے لیے ان کے سردار کو یہ پیش کش کی کہ اگر وہ مسلمانوں سے جنگ بندی کرے اور قبائل غطفان کو لے کر واپس ہو جائے اور مخالفین کا ساتھ نہ دے تو اسے ہر سال مدینہ کی کھجوروں کی پیداوار کا ثلث ۳/۱ دیا جائے گا۔(۳) چنانچہ شرح السیر میں ہے۔

”ولا باس بدفع بعض المال على سبيل الرفع عن البعض اذا خاف ذهاب الكل فإما اذا كان بالمسلمين قوة عليهم فانه لا يجوز الموادعة بهذا الصفة لأن فيها التزام الريبة والتزام الذل (الخ) (۴)

ابن قدامہ مذکورہ واقعہ حنین کو بنیاد بناتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو بڑے نقصان سے بچانے کے لیے مال دے کر صلح کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے۔ امام احمد اور شافعی کی رائے بھی یہی ہے۔ المغنی میں ہے۔

---

(۱) زاد المعاد: ۲/۵۴۴

(۲) ”جب کہ (دشمن) تمہارے پاس اوپر سے اور نیچے سے چڑھ آئے اور جب کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے“۔ (الاحزاب: ۱۰)

(۳) ابن ہشام: ۳/۲۳۴، فقہا کی آراء کے لیے ملاحظہ ہو، ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ: ۴۴۴، نیز فتح الباری، ۵/۳۰۷، ابو عبید نے اس کے جواز میں حضرت معاویہ کا اثر بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے عہد حکومت میں ایسا کیا تھا۔ ابو عبید (ن م) فقرہ: ۴۴۴

(۴) شرح السیر: ۴/۴

''و أما إن صالحهم على مال نبذله لهم فقد أطلق احمد القول بالمنع منه و هو مذهب الشافعي لأن فيه صغاراً للمسلمين وهذا محمول على غير حال الضرورة فأما إن دعت إليه ضرورة وهو أن يخاف على المسلمين الهلاك أو الأسر فيجوز لأنه يجوز للأسير فداء نفسه بالمال فكذا ههنا ولأن بذله المال إن كان فيه صغار فإنه يجوز تحمله لدفع صغار أعظم منه وهو القتل والأسر و سبى الذرية الذين يفضى سبيهم إلى كفرهم '' (۱)

امام اوزاعی سے ایک مرتبہ پوچھا گیا کہ ایسی صورت میں جب مسلمانوں کے قلعہ کو اہل کفر نے گھیر لیا ہو اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ ان سے مقابلہ مسلمانوں کے بس میں نہیں، کیا وہ (مسلمان) اپنے ہتھیار و اموال دے کر ان سے صلح کر سکتے ہیں؟ امام اوزاعی نے فرمایا کہ اس صورت میں ایسا کرنا جائز ہے۔ (۲)

تاہم اس کا اصل مدار ضرورتِ شرعیہ پر ہے۔ بعض استثنائی حالات میں بقدر ضرورت بعض ناپسندیدہ امور بھی گوارا کیے جا سکتے ہیں۔ فقہاء نے قاعدہ شرعیہ ''الضرورات قد تبیح المحظورات'' (۳) (ضرورتیں کبھی ممنوع اشیاء کو مباح کر دیتی ہیں) کے ضمن میں بہت ساری ناپسندیدہ اشیاء کے گوارا کر لینے کو جائز قرار دیا ہے۔

غیر مسلموں کے علاقہ سے مسلمانوں کی دارالاسلام (اسلامی حکومت) میں آمد پر پابندی کا معاہدہ:

صلح حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۵ میں ہے کہ قریش کا کوئی آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد ﷺ کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش مکہ) کے حوالے کیا جائے گا۔ اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں کے مفاد میں ہو تو غیر مسلم ممالک کے ساتھ اس طرح کا معاہدہ کرنا بھی جائز ہے چنانچہ اگر کسی غیر مسلم ملک کا کوئی شہری مسلمان ہو کر ان کی اجازت

---

(۱) المغنی، ص: ۸/۳۶۰-۳۶۱

(۲) الطبری، اختلاف الفقہاء: ۷/۱۸

(۳) ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم الحنفی، الاشباہ والنظائر ص۱۰۸، الحموی، احمد بن محمد، شرح الاشباۃ والنظائر لابن نجیم، (غمز عیون البصائر): ۱/۲۵۱

کے بغیر اسلامی مملکت میں آئے تو ان کے مطالبہ پر واپس کیا جائے گا۔ ابن قیم لکھتے ہیں:

"ومنها ' جواز صلح الکفار علی رد من جاء منهم المسلمین ، و ألا یرد من ذهب من المسلمین الیهم" نیز لکھتے ہیں کہ "لا یجب رده بدون الطلب" (۱)

بعض شوافع فقہاء بھی اس شرط کے ساتھ صلح کے قائل ہیں کیونکہ ان کے نزدیک ایسے معاملہ میں بھاگنے والے مسلمان پر ہجرت واجب نہیں رہتی۔ (۲)

احناف اس شرط پر صلح جائز نہیں سمجھتے اور اس معاملہ کو حضور ﷺ کی خصوصیت شمار کرتے ہیں کیونکہ اس معاملے میں مؤمنین کی آسانی کا علم حضور ﷺ کو وحی کے ذریعہ ہو چکا تھا۔ ہمارے لیے ایسا کرنا جائز نہیں۔ (۳) اس شرط کو ناجائز کہنے والے فقہاء حدیث نبوی کو بھی دلیل بناتے ہیں کہ ((انا بری من مسلم بین المشرکین)(۴)

عہد حاضر میں جہاں ملکوں اور ان کی سرحدوں کے حوالے سے تمام قوانین طے ہوتے ہیں، نیز کسی اسلامی ملک پر پوری طرح دار الاسلام کا اطلاق بھی نہیں ہوتا' دوسری طرف غیر مسلم جمہوری ممالک میں مسلمان ہونے والے افراد کو مذہبی آزادی بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا ان حالات میں شوافع کی رائے ہی قابل ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

مجرموں کا تبادلہ

معاہدہ کی دفعہ نمبر۵" قریش کا جو فرد اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے گا تو اسے ان (قریش) کی طرف واپس کر دیا جائے گا" سے نیز واقعہ ابو بصیر وابو جندل سے بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کسی غیر ملک کا مسلمان باشندہ وہاں کے قوانین کی خلاف ورزی کر کے مسلمان

---

(۱) زاد المعاد: ۲/۵۳۵

(۲) فتح الباری: ۵/۲۵۴

(۳) شرح السیر: ۴/۶۴

(۴) الطیبی، شرح الطیبی: ۷/۱۱۰، ۱۱۱، ابن حجر، فتح الباری، ۶/۱۹۰، العینی، عمدۃ القاری: ۱/۳۵

ملک میں آ جائے تو اُن (غیر مسلم حکومت) کے مطالبہ پر اسے واپس کیا جا سکتا ہے۔ بعض شوافع کے نزدیک کسی غیر مسلم سلطنت کے سپرد کرنا صرف اس صورت میں جائز ہے جب وہاں اس کے حقوق کا تحفظ ممکن ہو(۱)۔ جدید قانون بین الاقوام میں ایسے افراد کی سپردگی کے معاہدات جو دو یا زیادہ ملکوں کے مابین قرار پائیں، کو مجرموں کے تبادلہ کے معاہدات کہا گیا ہے تاہم جن ممالک میں ایسے معاہدات موجود نہیں ہیں ان میں بھی عالمی قوانین کے مطابق کسی ملک کی امن وسلامتی کو نقصان پہنچانے والے افراد کی سپردگی کا طریق کار رائج ہے۔ (۲)

۴۔ ہتھیاروں کی پابندی کا معاہدہ

معاہدۂ حدیبیہ کی دفعہ نمبر ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ماسوا تلوار کے دیگر ہتھیاروں کے مکہ میں لے جانے پر پابندی کی شرائط کو قبول کر لیا تھا۔ معاھدہ کی شق ''فلا تدخل علینا مکة وانها اذا كان عام قابل خرجنا عنک فدخلتها واصحابک فاقمت بها ثلاثا سلاح الركب : السیوف فی القرب ذولاتدخلها بغيرها'' (۳) سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کا سربراہ مصلحت مسلمین کو دیکھتے ہوئے ہتھیاروں کے محدود استعمال یا وقتی طور پر ہتھیاروں کے استعمال کی پابندی کا معاہدہ کر سکتا ہے۔ تاہم یہاں یہ سوال بھی ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں ایٹمی ہتھیاروں کی بندش کے عالمی معاہدات کے تحت بعض ہتھیاروں کی خرید ممنوع ہے اور ایسی خرید وفروخت کو عالمی قوانین کی خلاف ورزی سمجھا گیا ہے۔ ۱۹۶۳ میں امریکہ' روس اور برطانیہ کے معاہدہ کے تحت حالت امن میں زمین' زیر زمین (بحر میں) اور فضاء میں ایٹمی اسلحہ کے تجربات ممنوع قرار پائے اس معاہدہ کے مقاصد میں سے ایک مقصد

(۱) فتح الباری: ۲۵۴/۵، ابن قدامۃ، المغنی: ۴۶۵/۸، شرح الخرشی: ۱۵۱/۳،

(۲) ابوھیف، القانون الدولی: ۲۹۲، ۲۹۵ نیز، عففیی (م ن) ص: ۲۴۴، ۲۴۵

(۳) مجموعۃ الوثائق السیاسیہ، وثیقہ نمبر: ۱۱

ہتھیاروں کے پھیلاؤ کی روک تھام بیان کیا گیا ہے (۱)

اس مسئلہ کو شرعی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو دلائل کی رو سے اسلامی ریاست کے لئے اسلحہ کی بندش کے معاہدات جائز نہیں۔ کیونکہ ایسے معاہدات اسلامی ریاست کے لئے ایٹمی اسلحہ سے محرومی کی صورت میں سامنے آتے ہے جب کہ اصلاً ریاست اس بات کی پابند ہے کہ وہ دشمنوں کے خلاف ایسی تمام قوتوں سے لیس ہو جو اس کے دشمنوں کے پاس موجود ہیں تا کہ طاقت کا توازن رہے اور مقابل ریاست اسلامی سلطنت سے رعب وہیبت کی کیفیت میں رہے۔نصوص قرآنی کا مطمع مقصود بھی یہی ہے۔آیت کریمہ﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾(۲) میں لفظ قوۃ سے تمام انواع کے ہتھیاروں کے حصول کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔

۵۔غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین:

مذکورہ دفعہ نمبر۴ سے پتہ چلتا ہے غیر مسلم معاہدین کے ساتھ تجارت کا لین دین کرنا جائز ہے۔

قرآن مجید کی آیت بیع اپنے عموم کی وجہ سے اس کی دلیل کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾(۳)

''اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا''

رسول اللہ ﷺ کی کئی احادیث سے بھی غیر مسلموں کے ساتھ تجارت کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی

---

(۱) عفیفی، محمد الصادق ،الاسلام والمعاهدات الدولية:۲۵۹

(۲) الانفال:۶۰ ،آیت مذکورہ سے مسئلہ کے اس پہلو کی وضاحت ہوتی ہے کہ ایٹمی اسلحہ کا حصول وتملک اور چیز ہے اور اس کا استعمال دوسری بات ،ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست جہاں اخلاقی اور قانونی طور پر اس بات کی پابند ہے کہ وہ ایسی مہارتیں حاصل کر لے تو دوسری طرف وہ بے شمار اخلاقی اور قانونی احکام کی پاسداری کی بھی پابند ہے جو شریعت اس پر ان ہتھیاروں کے استعمال کے سلسلہ میں لاگو کرتی ہے۔تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (عفیفی (م ن) ص:۲۵۹)

(۳) (البقرۃ:۲۷۵)

ہیں کہ:

((ان النبی ﷺ اشتری طعاماً من یھودی الی اجل و رھنه درعه من حدید))(۱)

''نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت کے لئے غلہ خریدا اوراس کے پاس اپنی لوہے کی زرہ رہن رکھی''۔

دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا انتقال ہوا اور آپ کی زرہ یہودی کے پاس تیس صاع شعیر کے بدلہ میں رہن رکھی ہوئی تھی۔(۲)

ابن دقیق العید لکھتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کفار سے معاملہ کرنا جائز ہے(۳) علاوہ ازیں حضرت ثمامہ بن آثال کا اہل مکہ کے لئے غلہ کی بندش اور آپ ﷺ کا اس بندش کو ختم کرنے کا حکم دینا(۴) نیز خود رسول اللہ ﷺ کا ابوسفیان کو مکہ میں عجوہ کھجور بھیجنا اوران سے کھالوں کا مطالبہ کرنا وغیرہ(۵) یہ تمام اس بات کے دلائل ہیں کہ غیر مسلموں سے تجارتی لین دین کرنے کی ممانعت نہیں۔

جمہور فقہاء، مالکیہ، احناف ،شوافع، حنابلہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ غیر مسلم حتیٰ کہ حربی کے ساتھ بھی تجارتی لین دین کرنا جائز ہے البتہ یہ تجارت ایسی اشیاء کی نہیں ہونی چاہیے جس سے غیر مسلم کو براہ راست جنگی فائدہ پہنچے(۶)

---

(۱) (بخاری، کتاب البیوع، باب شراء النبی بالنسیه، مسلم، کتاب المساقاۃ والمزارعة، باب الرھن و جوازه فی الحضر و السفر)

(۲) (البخاری ، کتاب الرھن فی الحضر، باب الرھن عندالیھود، حدیث نمبر(۲۵۱۳)

(۳) (احکام الاحکام:۳/۱۹۶)

(۴) (ابن ہشام:۲/۶۳۹)

(۵) (المبسوط:۱۰/۹۲،شرح السیر الکبیر،۱/۷۰)

(۶) (ملاحظہ ہو۔شرح السیر الکبیر،۳/۱۷۷؛ فتح القدیر،۴/۳۵۱، البحر الرائق،۵/۸۰؛ المدونۃ الکبریٰ ۳/۱۰۲؛ الام، ۴/۱۹۸؛ کشاف القناع،۳/۸۵،المغنی،۲/۱۰)

۶۔غیر مسلم حلیف کی مدد و نصرت:

خزاعہ کے ساتھ معاہدے کی شق "الید واحدۃ والنصر واحدۃ" سے غیر مسلم حلیف ریاست کی مدد کا جواز ملتا ہے لیکن یہ اس صورت میں جب کہ غیر مسلم حلیف مظلوم ہو (ظالم کی مدد کرنا ناجائز ہے خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم) چنانچہ جب خزاعہ پر قریش کے حلیف "قبیلہ بنو بکر" نے ظلم کیا اور قریش نے ان (بنو بکر) کی مدد کی تو خزاعہ نے مسلمانوں سے مدد طلب کی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری مدد ضرور کی جائے گی اور اس کے نتیجہ میں فتح مکہ کا غزوہ پیش آیا (۱)

اسی طرح کی دیگر کئی مثالیں ایسی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم معاہدین اگر مظلوم ہوں اور حق پر ہوں تو اسلامی ریاست کو ان کی مدد کرنی چاہیے۔ اس سلسلہ میں اہل مقنا کی مثال بہت اہم ہے کہ جب ایلہ کے بادشاہ نے انہیں ان کے علاقہ سے نکال دیا تو آپ ﷺ نے ان کی مدد فرمائی اور انہیں اپنے علاقے میں دوبارہ جانا ممکن ہوا۔ اور ان کی طرف آپ ﷺ نے لکھا کہ "تم اللہ و رسول کی پناہ میں ہو تم پر ظلم و زیادتی نہیں ہو سکتی۔ (۲)

۷۔ غیر مسلموں کے پرانے معاہدات کی بحالی و توثیق

بنو خزاعہ کے ساتھ پرانی حلیفی کی بحالی سے اس امر کا جواز ملتا ہے کہ مسلم سربراہ غیر مسلموں کے ساتھ کئے گئے پرانے معاہدوں کو دوبارہ بحال کر سکتا ہے شرط یہ کہ اس سے مسلمانوں کا اجتماعی مفاد مقصود ہو۔ (۳) چنانچہ بنو خزاعہ

(۱) ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۴/۲۷۸، ۲۸۱، الطبرانی، معجم الصغیر: ۲/۷۳۔ الہیثمی، مجمع الزوائد: ۶/۱۶۲، واقعہ کی تفصیل کے لیے، ملاحظہ ہو، ابن ہشام: ۲/۳۸۹، الواقدی: ۲/۷۸۴ وغیرہ

(۲) (البلاذری، فتوح البلدان: ص ۶۰، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱، ۳۰، ۳۳)

(۳) الجصاص، احکام القرآن: ۲/۲۹۳، ۲۹۴، نیز ملاحظہ ہو، ابن حجر، فتح الباری: ۵/۲۴۲، ۲۴۶

کا معاہدہ جاہلی دور میں عبدالمطلب سے ہوا تھا اور صلح حدیبیہ کے موقع پر انہوں نے اس پرانے معاہدے کو بحال کرنا چاہا تو رسول اللہ ﷺ نے اس معاہدے کو بحال فرمایا، نیز ارشاد فرمایا کہ ''اسلام زمانہ جاہلیت کی حلیفی کو مضبوط تر ہی کرتا ہے (۱) اس ضمن میں دوسری مثال حلف الفضول کی ہے، عہد جاہلی کے اس معاہدے کے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ((لو أدعی به فی الاسلام لأجبت)) (۲) ''اگر مجھے اسلام کے بعد بھی اس طرح کی دعوت دی جاتی تو میں قبول کر لیتا''

---

(۱) الوثائق نمبر ۱۷۱ (روایت ثانی)

(۲) مسند احمد: ۱/۱۹۰، ۱۹۱ نیز ابن ہشام: ۱/۱۴۱، ۱۴۲

فقہی نکات

☆ معاہدہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کے لئے فتح مبین ثابت ہوا۔

☆ سفیر قوم کا بااختیار نمائندہ ہوتا ہے جو کہ اس قوم کی طرف سے معاہدہ طے کرسکتا ہے۔

☆ سفیروں کے ساتھ حسن سلوک اور عزت واحترام کا معاملہ کرنا ضروری ہے۔

☆ امن کے قیام کے لئے جنگ سے قبل مذاکرات نہایت مستحسن عمل ہے۔

☆ غیر مسلم محاربین اگر صلح کی طرف مائل ہوں تو ان سے معاہدہ صلح کرنا بہتر ہے۔

☆ دو فریقوں کے مابین طے ہونے والے معاہدہ کا ریکارڈ رکھنا دونوں کے لئے ضروری ہے۔

☆ معاہدہ شکنی عظیم الشان جرم ہے۔

☆ معاہدے کے کسی حصے کی خلاف ورزی معاہدہ شکنی کے مترادف ہوگی۔

☆ معاہدہ امن کے بعد ایک دوسرے کی جان، مال وعزت کو نقصان پہنچانا جائز نہیں۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ خارجی تعلقات کی بنیاد امن ہے۔

☆ اسلامی ریاست غیر مسلموں کے ساتھ مؤقت اور غیر مؤقت صلح معاہدات طے کرسکتی ہے۔

☆ مسلمانوں کی منفعت ومصلحت کی صورت میں غیر مسلموں کے ساتھ جنگ بندی کا مؤقت اور طویل معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

☆ مصالح مسلمین کی خاطر محارب کو کچھ دے کر صلح کرنا بھی جائز ہے۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ صلح کا معاہدہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مسلمانوں کا اجتماعی مفاد مجروح نہ ہو۔

☆ ریاست کے دارالحکومت میں امن وامان کے خصوصی قوانین کا نفاذ کیا جاسکتا ہے۔

☆ بے گناہ اور جنگ سے لاتعلق رہنے والے شہریوں کو جنگی نقصان سے بچانے کی خاطر غیر مسلموں کے ساتھ پر امن علاقہ (No War Zone) کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

☆ مصالح مسلمین کی خاطر ہتھیاروں کے استعمال کی پابندی کا معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ہتھیاروں کے حصول کی پابندی کا معاہدہ کرنا جائز نہیں۔

☆ غیر مسلموں کے ساتھ تجارتی لین دین کرنا جائز ہے۔

☆ غیر مسلم حلیف اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد و نصرت کی جا سکتی ہے۔

باب خامس

فارس اور روم کے باجگزار قبائل سے معاہداتِ نبوی کا فقہی مطالعہ

ا۔ بنو ثقیف کے ساتھ معاہدہ

طائف بھی فارس کے زیر اثر تھا۔ کتاب الاغانی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ کسرائے ایران نے اپنے انجینئروں کو بھیج کر طائف کے گرد ایک بڑی فصیل تعمیر کروائی تھی (۱) فتح مکہ کے بعد جب اہل طائف نے مکہ پر حملہ کرنا چاہا تو ان کی مسلمانوں کے لشکر سے مڈبھیڑ ہوئی ۔ جب انہیں مسلمانوں قوت کا صحیح اندازہ ہوا تو بھاگ کر طائف کے فصیل دار شہر میں پناہ لے لی (۲) چونکہ انہیں مسلمانوں کی قوت کا بخوبی اندازہ ہوگیا تھا لہٰذا جلد ہی وہ اپنا وفد لے کر بارگاہ نبوی میں پہنچے اور اسلامی ریاست کی سیاسی بالادستی قبول کرنے کا اظہار کیا البتہ انہوں نے حسب ذیل شرائط بھی پیش کیں۔

۱۔ انہیں نماز سے مستثنیٰ کیا جائے۔

۲۔ طائف کو حرم قرار دیا جائے۔

۳۔ زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیئے جائیں۔

۴۔ فوجی خدمت/یا جہاد سے مستثنیٰ کیے جائیں۔

۵۔ ان کا بت خانہ نہ توڑا جائے۔

۶۔ زنا کی ممانعت نہ ہو۔

۷۔ سود کی ممانعت نہ ہو۔

---

(۱) الاصبہانی، کتاب الاغانی: ۱۲/ ۴۸، ۴۹

(۲) ابن ہشام، ۳۔۴/ ۴۳۷، ۴۷۸، نیز البلاذری، فتوح البلدان: ۵۶

۸۔ شراب کی ممانعت نہ رہے۔

ان کی یہ شرائط مکمل منظور نہ ہوئیں البتہ ان کی اصلاح وغیرہ کے بعد مذکورہ شق نمبر۲۔۳۔۴،کو برقرار رکھا گیا سود کے لئے تھوڑی مدت کی مہلت دی گئی اور ان سے معاہدے طے پایا۔(۱)

معاہدہ:

۱۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۔ یہ محمد نبی ورسول اللہ ﷺ کا ثقیف کے لیے عہد نامہ ہے۔

۳۔ اس تحریر کی رو سے ان کے لیے اس اللہ کی ذمہ داری وامان ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد بن عبداللہ نبی (ﷺ) کی امان وذمہ داری ہے۔

۴۔ بے شک ان کی وادی حرام ہے اور یہ سب اللہ کے لیے حرام کی گئی ہے۔ وہاں کے جنگلی درخت، وہاں کا شکار، وہاں ظلم کرنا وہاں چوری یا کوئی برائی کرنا (سب حرام ہیں) (۲)

---

(۱) حوالہ جات کے لیے ملاحظہ ہوں۔ ابو داؤد، السنن، کتاب الخراج والفی والامارۃ، باب ماجاء فی خبر الطائف، حدیث نمبر (۳۰۲۶)،ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ:۴/۱۸۴، ابن سعد:۱/۲۸۴،ابن الاثیر، الکامل،۲/۲۸۴، البلاذری، فتوح البلدان، ۵۶، نیز ملاحظہ ہو، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ،وثیقہ نمبر:۱۸۱، نیز، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی:۲۹۹

(۲) (i) طائف کی وادی ''وج'' کی حرمت کی وضاحت: ثقیف کے ساتھ دوسرے معاہدہ میں اس کی مزید تفصیل بھی موجود ہے جس میں مذکور ہے کہ ''وج (علاقہ) کے خاردار درخت اور جھاڑیاں نہیں کاٹی جائیں گی اور وہاں شکار نہیں مارا جائے گا اور جو ایسا کرتے ہوئے پایا جائے گا اس کو کوڑے مارے جائیں گے اور اس کے کپڑے اتار لیے جائیں گے اور جو اس کی خلاف ورزی کرے گا اسے گرفتار کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا جائے گا، یہ فرمان محمد نبی ﷺ کی طرف سے جاری ہوا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اسے خالد بن سعید نے لکھا ہے کوئی اس کی خلاف ورزی کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کے اس معاہدہ کو توڑ کر اپنے نفس پر ظلم نہ کرے'' (ابو عبید، الاموال فقرہ ۵۰۷، ابن سعد:۱/۲۸۴،مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: ۱۸۲ ،ابن زنجویۃ ،کتاب الاموال: ۴۴۲،ابن ہشام:۴/۲۰۰)

......وادی وج کی حرمت سے متعلق بیان عروہ بن زبیر کی مرسل روایت سے لیا گیا ہے۔ راوی (ابن لہیعہ) کی وجہ سے ان کی سند میں کچھ کمزوری پائی جاتی ہے (البخاری، التاریخ الکبیر:۱/۱۴۰)، ابن اسحٰق نے بھی اس خط کے کچھ حصے کا ذکر کیا ہے، (ابن ہشام،۴: ۲۰۰)

امام احمد نے اسے مسند میں روایت کیا (۱:۱۶۵)، اور ابو داؤد نے بھی وادی وج کی حرمت سے متعلق ایک حدیث نقل کی ہے جس میں حضرت زبیرؓ بن عوام نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ تحریم محاصرۂ طائف سے قبل واقع ہوئی۔ (ابو داؤد، کتاب المناسک، حدیث نمبر (۲۰۳۲) بخاری کے مطابق محمد بن طائفی واحد شخص ہیں جنہوں نے اسے روایت کیا ہے۔ (التاریخ الکبیر:۱/۱۴۰) ابو حاتم کہتے ہیں کہ: ''وہ قوی نہیں ہیں اور ان کی حدیث کو احتیاط کے ساتھ قبول کرنا چاہئے''۔

حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ''وہ نرم ہیں''۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے البتہ یہ بھی کہا ہے کہ ''وہ غلطیوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے''۔ ذہبی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''حافظ یہ بات اس راوی کے بارے میں کہتے ہیں جس نے بہت سی احادیث روایت کی ہوں، عبد اللہ کے پاس صرف یہی حدیث ہے۔ اگر اس نے یہاں غلطی کی ہے تو پھر درست کدھر ہے؟'' (تہذیب التہذیب،۴:۱۴۹، ۹/۲۴۸)، البتہ امام شافعی نے اپنے قول قدیم میں اس حدیث پر اعتماد کیا ہے جب کہ اپنے قول جدید میں انہوں نے اس پر اعتماد نہیں کیا، بلکہ ان کی رائے اکثریت کے ساتھ متفق تھی کہ وج کو حرم قرار نہیں دیا گیا تھا (ابن قیم ،زاد المعاد: ۲/۶۲۵، الزرقانی، شرح المواہب اللدنیۃ،۴: ۱۰)۔ خطابی کے مطابق وج کو حرام قرار دینے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، جب کہ یہاں مسلمانوں کو تحفظ اور فائدے کی کوئی صورت حاصل نہ ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ تحریم کسی خاص اور محدود وقت کے لئے عمل میں آئی ہو، اور بعد میں منسوخ کر دی گئی ہو''۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اہل طائف نے محض اپنی شان وشوکت کے اظہار اور استقلال محلی یعنی علیحدہ خودمختار قوت کے اظہار کے لیے حرمت طائف کا مطالبہ کیا ہو، آپ ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو وقتی طور پر تسلیم کرلیا چنانچہ جب کچھ ہی عرصہ میں اسلامی ریاست مضبوط ہوگئی تو ان کی یہ حیثیت خود بخود ہی کم ہوگئی اور وہ پوری طرح اسلامی ریاست کے ماتحت ہوگئے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، عون الشریف، نشاۃ الدولۃ الاسلامیۃ: ۱۳۷)

اس ضمن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے امکان ظاہر کیا ہے کہ شاید اس شق میں حج سے استثناء منشاء ہو (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۲۹۹) مگر دیگر حقائق سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی کیونکہ اہل ثقیف زمانہ جاہلیت سے ہی حرمت وج کے

۵۔ ثقیف علاقہ وج (۱) کے سب سے زیادہ مستحق ہیں ان کے طائف کو عبور نہیں کیا جائے گا۔ نہ وہاں کوئی مسلمان اس ارادہ سے داخل ہوگا کہ ان کو مغلوب کرے۔ وہ اپنے طائف میں تعمیر وغیرہ یا اس کے سوا اپنی وادی میں

......قائل تھے اس کے ساتھ ساتھ وہ کعبۃ اللہ کا طواف بھی کرتے تھے ان کا باقاعدہ تلبیہ ہوتا تھا، چنانچہ مورخ یعقوبی لکھتا ہے کہ حج کے دوران ہر قبیلہ اپنا اپنا تلبیہ کہتا تھا اور ثقیف کا تلبیہ یہ ہوتا تھا۔ "لبیک اللھم !ان ثقیفا قد اتوک واخلفوا المال وقد رجوک" (ابوداؤد، السنن، کتاب المناسک، حدیث نمبر (۲۰۳۲) نیز تاریخ الیعقوبی ۱/۲۵۵) حرمت وج کے سلسلہ میں جو بات زیادہ قرین قیاس ہے وہ یہ ہے کہ اہل ثقیف زمانہ جاہلیت سے ہی حرمت وج کے قائل تھے یہ روایت عرب میں ان کی مذہبی وروحانی حیثیت وبرتری کا ایک جز تھی۔ اسلام نے ان کی اس روایت کو برقرار رکھا اور ان کا مطالبہ تسلیم کرلیا گیا (ملاحظہ ہو ابن حبیب بغدادی کی کتاب المحبر : ۳۱۵، جس میں انہوں نے اس طرف اشارہ دیا ہے)۔ پھر اہل ثقیف نے اسلام کو سمجھ لیا اور ان کے اذہان وقلوب، اسلام سے پوری طرح متاثر ہوگئے تو یہ حرمت ختم کردی گئی۔ (اس حرمت کے ختم ہو جانے کی روایت کے لیے ملاحظہ ہو (المنذری، مختصر سنن ابی داؤد، ۲/۴۴۲، ابن الاثیر، النھایۃ فی غریب الحدیث ۴/۱۴۵ نیز الفاسی، شفاء الغرام ۱/۸۸ الزرقانی، شرح المواہب ۴/۱۰، ابن سعد الطبقات، ۲/۳۳)

(۱) وج:

یہ ایک میدان تھا جس کو چاروں اطراف سے پہاڑوں نے گھیرا ہوا تھا جب اس کے اردگرد شہر پناہ (دیوار) تعمیر کردی گئی تو اس کو طائف کہا جانے لگا (فتوح البلدان : ۵۶) یہ مضبوط شہر پناہ کسری کے حکم سے ایک ایرانی انجینئر نے تعمیر کروائی تھی جس کی وجہ سے پوری وادی مضبوط قلعہ کی شکل اختیار کرگئی۔ غزوہ حنین میں محاصرہ طائف کے دوران منجنیقوں کے استعمال کے باوجود اسے خاطر خواہ نقصان نہ پہنچایا جا سکا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو (الاصبہانی، کتاب الاغانی ۱۲/ ۴۸، ۴۹۔ البکری، معجم ما استعجم: ۸۳۸)

جو عمارت چاہیں بنا سکیں گے۔(۱)

۶۔ انہیں نہ تو فوجی خدمت کے لیے جمع کیا جائے گا (۲) اور نہ ہی ان سے عشر (زکواۃ) لیا جائے گا (۳) اور ان پر مالی یا جانی دباؤ نہیں ڈالا جائے گا۔

---

(۱) ثقیف طائف کے سب سے زیادہ حق دار ہیں .... یہ شق بنو ثقیف کے غایت تحفظ اور طائف پر ان کے قبضہ بلکہ ان کی سیادت کی برقراری کے لیے رکھی گئی۔ چونکہ طائف ایک سرسبز و شاداب علاقہ ہونے کے ساتھ ساتھ عرب کا نہایت اہم تجارتی مرکز بھی تھا لہٰذا کئی عرب قبائل کے لوگوں نے وہاں ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ بنو کنانہ، ازد، سراۃ، بنو عذرہ، اوس، مزینہ، جہینہ اور خود بنو ثقیف کے رشتہ دار بنو ہوازن کے علاوہ طائف میں یہود بھی رہتے تھے۔ (فتوح البلدان، ۵۶، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، دراسات فی تاریخ العرب: ۵۳۱۔۵۳۲)

معاہدہ کی اس شق سے بنو ثقیف کو ان مذکورہ قبائل اور دیگر ممکنہ دشمنوں کی طرف سے اندیشہ ختم ہو گیا کہ اگر وہ کسی وقت طائف کی سیادت کا مطالبہ کر بیٹھیں تو اسلامی ریاست ان کی حمایت نہیں کرے گی۔ علاوہ ازیں ممکن ہے کہ انہیں مسلمانوں کی روزافزوں طاقت اور عالم عرب میں اس کے اثرات سے یہ اندیشہ بھی ہو کہ شاید ایک عام طاقتور کی طرح مسلمان ہی یہاں اگر قابض ہو جائیں اور بنو ثقیف کی طائف پر سیادت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے۔

ان کے ان تمام اندیشوں کو ختم کیا گیا اور انہیں یقین دہانی کرائی گئی کہ مسلمان انہیں مغلوب نہیں کریں گے۔ طائف کے سب سے زیادہ حق دار ثقیف ہی ہیں، ان کی مرضی کے بغیر وہاں کوئی نہیں جائے گا۔ وہ اپنی راجدھانی میں خود مختار ہوں گے جو چاہیں جس طرح چاہیں تعمیر و ترقی کریں۔ اس یقین دہانی کے بعد انہوں نے خوشی سے معاہدہ تسلیم کر لیا اور کسی تردد اور مزید ذہنی خلفشار کے بغیر اسلامی وفاق میں شامل ہو گئے۔

(۲) یہ "لا یحشر" کا ترجمہ ہے اس کا دوسرا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ "انہیں محصول یا زکواۃ وغیرہ دینے کے لیے نہیں جمع کیا جائے گا۔ یعنی انہیں عامل زکوۃ کے پاس نہیں بلایا جائے گا بلکہ جہاں ان کے جانور یا اموال ہیں وہیں جا کر زکوۃ وصول کی جائے گی۔ ابو عبید نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے (ملاحظہ ہوں کتاب الاموال فقرہ نمبر ۵۰۶، نیز فقرہ ۵۰۲۔

(۳) "لا یعشرون" یعنی ان سے عشر نہیں لیا جائے گا

(i) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس عشر سے مراد زکواۃ لیا ہے یعنی انہیں زکواۃ سے مستثنیٰ کیا جاتا ہے (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۳۰۱)

۷۔ وہ مسلمانوں میں سے ہی ایک ہیں مسلمانوں میں جہاں چاہیں جاسکتے ہیں اور باہر بھی جہاں چاہیں

(ii)............ قبل از رائج محصول چنگی کا ٹیکس: ابو عبید نے عشر کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے مراد جاہلی دور میں رائج شدہ محصول چنگی کا ٹیکس تھا جو کہ دس فیصد لیا جاتا تھا چنانچہ "ان سے عشر نہیں لیا جائے گا" سے مقصد یہ ہے کہ ان سے زکواۃ لی جائے گی جو دو سو درہم میں سے پانچ درہم ہوگی چنانچہ کتاب الاموال میں ہے۔ "العشر بانه اخذ عشر اموالهم علی ماکانت تفعل العرب فی الجاهلية فی التجارة" (الاموال: فقرہ نمبر: ۱۶۳۷، ۱۶۳۸) اس سے متعلق ابوداؤد کی روایت ہے "ليس علی المسلمين عشور انما العشر علی اليهود والنصاری" (ابوداؤد باب فی تعشير اهل الذمة اذا اختلفوا بالتجارة حدیث نمبر ۳۰۴۶، ص ۱۴۵۲) نیز ابن حنبل، المسند: ۳/۱۲۰

"لا يحشرون ولا يعشرون" کے مذکورہ بالا معانی میں زیادہ قرین قیاس مفہوم یہ ہے کہ انہیں فوجی خدمت کے لیے جمع نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان سے زکوۃ لی جائے گی۔ اس کی تائید حضرت جابرؓ کی روایت سے ہوتی ہے۔ "عن جابرؓ فا اشترطت ثقيف علی النبی ﷺ ان لا صدقة عليها ولا جها د قال: فقال النبی ﷺ بعد ذلک سيتصدقون ويجاهدون اذا اسلموا" (ابو داود، کتاب الخراج والفی والامارة، باب ماجاء فی خبر الطائف۔ حدیث نمبر ۳۰۲۶) یعنی ان (ثقیف) کے ساتھ صدقہ اور جہاد کی رعایت کے بارے میں جب نبی ﷺ سے استفسار کیا گیا تو آپ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمادی کہ یہ وقتی ہے اور جب یہ اسلام لے آئیں گے تو خود ہی صدقہ دیں گے اور جہاد کریں گے۔ کتب سیرت میں طائف کے خمس میں عامل زکوۃ کا نام ملتا ہے۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زکوۃ ادا کرتے تھے۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ........ "یہ مراعات حاصل کرنے کے بعد دوسرے لوگ طائف والوں کو دوسرے درجے کا مسلمان کہہ کر ان کا تمسخر اڑاتے تھے تاہم دو سال بعد رسول اللہ ﷺ کے وصال سے قبل ہی طائف کے لوگوں نے دوسرے مسلمانوں کی طرح اسلامی حکومت کو زکوۃ کی ادائیگی شروع کردی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات پر انہوں نے اپنے مسلح دستے مدینہ بھیجے تاکہ علاقہ کے بعض حصوں میں مرتدوں کی شورش کو کچلنے میں اسلامی حکومت کی مدد کرسکیں"

Muhammad Hameedullah,Muhammad Rasool ullah (S, A ,A ,W)

(باب نمبر ۷ بنو ہوازن۔ پیرا گراف نمبر ۱۹۸)

آ جاسکیں گے۔(۱)

۸۔ اور ان کے پاس جو قیدی ہے وہ ان ہی کی ملکیت میں رہے گا انہیں اس پر سب سے زیادہ استحقاق ہوگا تاکہ وہ اس کے متعلق جو چاہیں کریں۔(۲)

۹۔ اور ان کا وہ قرض جو کسی رہن کے عوض ہو اور اس کی مدت پوری ہو چکی ہو تو وہ ایسا سود ہے(۳) جس کے

(۱) ''وھم امۃ من المسلمین'' (وہ مسلمانوں میں سے ہی ایک ہیں) سے مراد یہ ہے کہ ان کا مقام و مرتبہ (Status) مسلمانوں سے کم نہیں۔ اور علاقائی خودمختاری کے باوجود انہیں مسلمانوں کے علاقوں میں آنے جانے کے لیے کسی خفارہ کی ضرورت نہیں۔ (عون الشریف، نشاۃ الدولۃ الاسلامیہ: ۱۴۰)، فقہاء اسلام کے نزدیک مسلمان جہاں بھی ہو دارالاسلام کا باشندہ ہے چنانچہ قاعدہ کلیہ ہے'' المسلم من اھل دارالاسلام حیثما یکون ''(السیر الکبیر، باب اہل الذمۃ من الشہادۃ: ۲/۱۳۰)

(۲) ابوعبید کے مطابق اسیروں سے مراد وہ ہیں جنہیں ان لوگوں نے عہد جاہلیت میں قیدی بنا لیا تھا۔ اب جب کہ یہ (اہل طائف) مسلمان تھے اور وہ قیدی ان ہی کے قبضہ میں تھے تو ان کے لیے قیدیوں پر قبضہ و تصرف درست سمجھا گیا کیونکہ اسلام لے آنے پر کسی کے زیر قبضہ اموال پر اس کی ملکیت برقرار رہتی ہے (ابوعبید: کتاب الاموال، فقرہ ۵۰۶، اس کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب الاموال معاہدہ کی شق نمبر ۲۱ کے تحت بحث)

(۳) ''لواط'' جاہلی دور میں ربوا کی رائج اصطلاح (ربوا کی دو قسمیں) یہ عربی کے لفظ ''لواط'' یا ''لیاط'' کا ترجمہ ہے۔ لاط یلوط لوطا سے مراد ہے مٹی سے لیپائی کرنا۔ چپکانا، لاحق کرنا وغیرہ۔ یہ ربا کی رائج اصطلاح تھی جو اہل طائف کے ہاں موجود تھی اور بیع کے ساتھ اس کے لاحق ہوجانے کو لیاط سے تعبیر کیا جاتا تھا (لسان العرب ''لیط''، المنجد ''لوط'' نیز ملاحظہ ہو ابوعبید کتاب الاموال، فقرہ ۵۰۶)

ربا کے لغوی معنی ''اضافہ کے ہیں'' یہ ایسا اضافہ ہے، جس کے مقابلہ میں معاملہ کے دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض نہ ہو۔

ربا کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ رباء النسیۃ

۲۔ رباء النقد، یا ربا البیع، یا ربا الفضل

زمانہ جاہلیت میں رباء النسیۃ معروف و مروج تھا اس لیے اس کو رباالجاہلیۃ بھی کہتے ہیں، اس میں ایک آدمی کسی سے قرض لیتا تھا جب ادائیگی کا وقت آتا تو قرض دہندہ دریافت کرتا کہ ادا کروگے یا اس پر سود دوگے چنانچہ مقروض مزید مہلت حاصل کر کے سود زیادہ دینے کو تیار ہوتا اور قرض دہندہ اس معاملہ کو مان لیتا۔ اصطلاحاً اسی اضافہ کو ربا کہا جاتا تھا۔ چنانچہ

.... جصاص کہتے ہیں کہ "ایک تو ربا وہ ہے جو بیع میں ہوتا ہے اور ایک وہ ربا ہے جو بیع کے علاوہ دوسری شے میں ہوتا ہے اور یہ اضافہ (زیادتی) ہے جو قرض لینے والا قرض دینے والے کو ادا کرتا ہے اور یہی ربا زمانہ جاہلیت میں مروج تھا۔ "الربا ء ماهو بيع ومنه ماليس بيع وهو ربا الجاهلية وهو القرض المشروط فيه الاجل وزيادة مال على المستقرض" (الجصاص : احکام القرآن، ۱/۴۶۵ ، ۱/۴۶۹۔ نیز ملاحظہ ہوں تفسیر الطبری ۲/۱۶۷ ،القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/۳۶۳)

بنو ثقیف کے اقتصادی نظام میں ربا کو بنیادی حیثیت حاصل تھی لہٰذا انہوں نے اسلام لاتے وقت دیگر شرائط کے ساتھ یہ شرط بھی رکھی کہ انہیں سود کے لین دین کی اجازت دی جائے آپ ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم نہیں کیا اور نئے سرے سے کسی قسم کے سود کی اجازت نہ دی البتہ سود کے پرانے کھاتوں کو عکاظ تک ختم کرنے کا حکم فرمایا۔ اس معاہدہ کی شق نمبر ۱۰ میں بھی پرانے کھاتوں کی توثیق سے متعلق لکھا گیا، نیز محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۳۰۲)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ "سود کے سلسلہ میں نبی ﷺ نے انہیں چند ماہ کی مہلت دے دی تا کہ وہ اپنے پرانے قرضے سودی نظام کے مطابق نمٹا سکیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے واضح کر دیا کہ جو نئے قرضے دیے جائیں گے ان پر سود وصول کرنا حرام ہوگا (رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص:۳۰۱)

کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ کا گورنر مقرر کیا تو ان کے سامنے یہ معاملہ آیا کہ، بنو عمرو بن عمیر بن عوف......
......کی سودی رقوم جو کہ بنو مغیرہ کے ذمہ باقی تھیں، کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا اور بنو مغیرہ نے جو کہ اب مسلمان ہو چکے تھے اس کے ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ جب حضرت عتاب بن اسید نے رسول اللہ ﷺ کو اس قضیہ کی بابت لکھا تو اس موقع پر آیت قرآنی نازل ہوئی جس سے ہر قسم کے سود کی قطعی حرمت ثابت ہوگئی ﴿ يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ○فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُ وْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۷۸، ۲۷۹) "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے وہ چھوڑ دو، اگر تم سچ مچ ایمان والے ہو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ، ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی ہے، نہ تم ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے"

(ربا کی تعریف ربا الجاہلیۃ اور اس موضوع پر تفصیل کے لیے درج ذیل کتب ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

لیے اللہ کی طرف سے برأت ہے اور جو قرض عکاظ سے ورے کا ہوتو وہ اپنے رأس المال کے مطابق عکاظ میں ادا کیا جائے گا۔ (۱)

۱۰۔ اور ثقیف کا وہ قرض جس کا اندراج ان کے اسلام قبول کرنے کے دن تک ان کے کھاتوں میں ہو چکا ہے تو وہ انہیں ملے گا۔ (۲)

۱۱۔ اور ثقیف کی جو امانت لوگوں کے پاس ہے یا مال یا جان جسے امانت رکھنے والے نے غنیمت سمجھا، یا اسے ضائع کر دیا تو وہ سن لے کہ وہ ادا کی جائے گی۔

۱۲۔ اور اگر ثقیف کا کوئی شخص یا مال (اب علاقہ سے) غیر حاضر ہو تو اسے بھی حاضر کی طرح امن حاصل ہے۔ اور ان کا جو مال لیہ (۳) میں ہے وہ اسی طرح مامون ہے جس طرح وج (کے علاقہ) کا مال (مامون ہے)

...... القرآن: البقرۃ: ۲۷۵، ۲۷۸، ۲۷۹۔ تفسیر الطبری ۲/ ۱۶۷) الجصاص، احکام القرآن: ۱/ ۴۶۵ تا ۴۶۹، القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۳/ ۳۴۸، ۳/ ۳۶۳۔ ابن العربی، احکام القرآن ۲/ ۱۰۱۔ المرغینانی، ہدایہ، باب الربا ۳/ ۷۷۔ ابن رشد، بدایۃ المجتہد، ۷/ ۱۰۶۔ ابن منظور، لسان العرب وغیرہ ...... مولانا مودودی کی کتاب سود، مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی مرتبہ کتاب جدید فقہی مباحث جلد ۲ وغیرہ)

(۱) اس مہلت کو عکاظ کے ساتھ ہی کیوں جوڑا گیا ہے؟ اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں، منجملہ دیگر وجوہ کے، اس کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ عہد جاہلی میں لوگ اپنے اہم معاملات، عدالتی فیصلے اور کاروباری لین دین، قرضے وغیرہ کے مسائل کو عکاظ میں حل کرتے تھے اس لیے آپ ﷺ نے اس کو برقرار رکھا اور عکاظ تک اس قضیہ کے پاک کرنے کی مہلت عنایت فرمائی (عکاظ میں اہل عرب کے لین دین، تحکیم وغیرہ کے لیے ملاحظہ ہو۔ الاصبہانی، کتاب الاغانی، ۱۹/ ۷۴، القلقشندی، نہایۃ الارب: ۴۳۵، المرزوقی، الازمنۃ والامکنۃ: ۲/ ۷۹، ۸۰)۔

(۲) یعنی پرانے کھاتوں میں قرض کا جو لین دین متعین ہو چکا ہے وہ اسی کے مطابق طے کیا جائے گا اس میں کوئی تبدیلی بعد از اسلام نہ ہوگی۔ البتہ قرض کا نیا لین دین سود کے ساتھ نہ ہوگا۔

(۳) لیہ: طائف کے مشرق میں ایک وادی تھی۔ اس وادی کے دو حصے تھے ایک ''اوپر والی لیہ'' اور دوسری ''نیچے والی لیہ'' اوپر والی لیہ ثقیف جبکہ نیچے والی لیہ نصر بن معاویۃ کے پاس تھی۔ (ابن الاثیر، النہایۃ فی غریب الاثر ''لیۃ'' نیز ملاحظہ ہو، تفصیل، سالم، عبدالعزیز، دراسات فی تاریخ العرب: ۱/ ۵۲۲)

۱۳۔ اور ثقیف کا جو حلیف یا تجارتی معاملت دار ہو تو اس کے ساتھ بھی ثقیف کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ (۱)

۱۴۔ اگر ثقیف پر کوئی الزام تراشی کرے یا ان پر ظلم کرے تو ثقیف کے مال وجان کے بارے میں اس کی بات نہیں مانی جائے گی۔ اور ان پر ظلم کرنے والوں کے مقابلہ میں رسول اللہ ﷺ اور مومنین ان کی مدد کریں گے۔ (۲)

۱۵۔ اور لوگوں میں سے جس کا داخلہ ثقیف اپنے علاقے میں ناپسندیدہ قرار دیں وہ ان کے علاقے میں داخل نہیں ہوگا۔

۱۶۔ اور بازار اور خرید وفروخت (بیوپار) گھروں کے سامنے (کی کھلی جگہوں میں) ہوگی۔ (۳)

---

(۱) عرب میں اہل طائف کی تجارتی سرگرمیوں کا تذکرہ عکاظ کے تحت گزر چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پورے عرب میں ان کے تجارتی تعلقات تھے۔ جن میں یہود بھی شامل تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے امکان ظاہر کیا ہے کہ ان سے مراد یہود ہو سکتے ہیں۔ (رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، ۲۶۸) اس شق سے ثقیف کو مکمل تجارتی خودمختاری دی گئی کیونکہ اگر ثقیف کے معاملت داروں پر کوئی پابندی لگائی جاتی تو ثقیف کی تجارتی سرگرمیاں متاثر ہو سکتی تھیں۔

(۲) (i) ثقیف کی جان مال، عزت وآبرو کی حفاظت کا ذکر گزشتہ شقوں میں بھی ہے یہاں اس کی مزید توثیق ہو رہی ہے۔

(ii) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے آزاد وخودمختار قبائل یا ریاست کے ماتحت خودمختاری علاقائی مملکت پر اگر کوئی ظلم کرے یا ان کا استحصال کرے تو ظالم کے خلاف ان کی حمایت وحفاظت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

(۳) ''وان السوق والبیع بافنیة البیوت''

(i) اس کا ترجمہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ کیا ہے ''اور بازار اور بیوپار گھروں کے صحنوں میں ہوگا'' (رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی: ۳۰۲)

(ii) یہاں ''افنیة البیوت'' سے مراد گھروں کے سامنے کے کھلے میدان بھی ہو سکتے ہیں، ممکن ہے کہ نبی ﷺ کا یہ اقدام جاہلیت کی منڈیوں/میلوں کا زور ختم کرنے کے لیے ہو تا کہ سود کی برائی کا خاتمہ ہو سکے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مقصود ان بازاروں کے مفاسد کا ختم کرنا ہو کیونکہ یہ بازار جاہلی غیرت کے فروغ، فخر وہجا اور دیگر ماثر جاہلیت کی بنیاد تھے اور ان کے اثرات سارے عرب کے لیے متعدی ہوتے تھے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ قدم ان خطرات کے سد باب کے لیے ہو جو کسی دشمن کے اچانک حملہ آور ہو کر ان کی تجارت یا داخلی امن کو متاثر کر سکتا ہے (عون الشریف، نشاۃ الدولۃ الاسلامیہ: ۱۳۸)

۱۷۔ ان کے اوپر انہیں میں سے امیر مقرر کیے جائیں گے(۱)۔ بنی مالک پر ان کا امیر ہوگا اور احلاف پر ان کا امیر (۲)

۱۸۔ اور اہل ثقیف قریش کے جن تاکستانوں (انگوروں کے باغات) کو پانی دیں گے تو پانی لگانے والوں کو ان انگوروں کی پیداوار کا نصف حصہ ملے گا۔ (۳)

۱۹۔ اور ان کا وہ قرض جو کسی رھن کے عوض ہو اور اس پر سود نہ ہو تو اس کے مقروض اگر ادائیگی کے قدرت رکھتے ہوں تو ادا کر دیں اور اگر ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتے تو اس کی ادائیگی کی مدت آئندہ سال ماہ جمادی الاولی تک ہوگی (یا بڑھائی جائے گی) اور جس کی مدت پوری ہو جائے اور وہ اس قرض کو ادا نہ کرے تو اس نے

---

(۱) رسول اکرم ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ مطیع ہونے والے سابقہ حکمرانوں کو امارت پر برقرار رکھتے تھے۔ تفصیل ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر ۲۰۱،۲۰۲......

(۲) ثقیف عرصہ دراز سے دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک بنی مالک اور دوسرے احلاف کہلاتے تھے۔ دونوں کی باہم لڑائیوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ بنو مالک نے احلاف کے خلاف قبیلہ دوس اور خثعم سے جبکہ احلاف نے اول الذکر کے خلاف انصار مدینہ سے حلیفی کر رکھی تھی۔ چنانچہ مدینہ میں ان کے وفد کے لیے نبی ﷺ نے احلاف اور بنو مالک کے الگ الگ رہنے کا انتظام بھی فرمایا تھا چنانچہ احلاف کو مغیرہ بن شعبۃ الثقفی اور بنو مالک کو اپنی کسی رہائش میں ٹھرایا اور ان پر الگ الگ امراء (منتظمین) کا تقرر فرمایا۔ (ابوداؤد، السنن، ۱/۲۲۰، ابن ہشام: ۴/۸۰)

(۳) محض طویل عرصہ تک کاشت کاری کی بنیاد پر (کاشت کار) زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔ طائف میں اہل مکہ کی جو جائیدادیں تھیں ان میں انگور کے باغات بھی شامل تھے۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو اہل طائف نے انہیں مغلوب سمجھتے ہوئے ان کی جائیدادوں پر قبضہ جمالیا۔ لیکن جب طائف فتح ہوا تو یہ جائیدادیں پھر اصل مالکوں کو واپس لوٹا دی گئیں۔ ان جائیدادوں میں انگور کی فصل کے متعلق آپ ﷺ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اہل ثقیف جن باغوں کو پانی دیں گے تو انہیں اس کی پیداوار کا نصف حصہ ملے گا۔ یہ نرخ نئے نہیں تھے بلکہ اس زمانے میں اہل عرب میں اس کا عام رواج تھا۔ خیبر کے یہود سے بھی اسی حساب سے مالگذاری وصول کی جاتی تھی ۔ (الازرقی، اخبار مکہ: ۷۰، نیز بلاذری، فتوح البلدان: ۵٦، نیز محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۳۰۳) اس شق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کاشت کار محض طویل عرصہ کی کاشت کاری کی بنا پر دوسرے (زمین کے اصل مالک) کی زمین کا مالک نہیں بن سکتا۔

اسے سودی بنالیا۔()

۲۰۔ اور انہوں (اہل طائف) نے لوگوں کو جو قرض دیئے ہیں تو انہیں اس میں سے صرف رأس المال لینے کا حق ہوگا۔(۲)

۲۱۔ اور ان کے وہ قیدی جنہیں ان کے مالکوں نے فروخت کر دیا ہے تو انہیں ان کے فروخت کا حق حاصل ہوگا لیکن جن کو انہوں نے فروخت نہیں کیا۔ ایسے قیدی کے عوض (بطور فدیہ) ان کے مالک کو چھ جوان اونٹنیاں دی جائیں۔ جن میں سے آدھی چوتھے سال کو پہنچنے والی (حقاق) سواری کے قابل اور آدھی تیسرے برس میں لگنے والی (بنت لبون) عمدہ اور موٹی ہوں (۳)

۲۲۔ اور جس نے معاملہ بیع کر کے کچھ خریدا ہو تو اس کو فروخت کا حق بھی رکھتا ہے۔

---

(۱) (i) یہاں مقروض کو مہلت دی گئی ہے کہ وہ اپنے قرضوں کا آئندہ سال جمادالاولی تک ضرور بندوبست کرلیں۔ ان کا وفد رمضان ۹ ہجری میں آیا تھا اس حساب سے یہ مہلت تقریباً نو ماہ بنتی ہے۔(ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ،۴/۱۸۲، ابن اثیر، الکامل: ۲/۱۰۸، الحلبی ،سیرۃ حلبیۃ،۳/۲۴۴)

(ii) علاوہ ازیں معاہدہ میں بدمعاملہ اور ٹال مٹول کرنے والے قرضداروں پر اخلاقی دباؤ بھی ڈالا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ جو قرض کو وقت پر ادا نہ کرے وہ گویا سود خوری کرتا ہے۔(ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی ،ص ۳۰۲)

(۲) یہ مذکورہ بالا شق کا تکملہ ہے کہ ایسے مقروض جو وقت مقررہ تک ادائیگی نہ کرسکیں، اہل طائف کو ان سے کسی صورت میں سود لینے کا کوئی حق نہیں اور مقروض صرف اصل رقم ہی واپس کریں گے۔

(۳) ان قیدیوں سے مراد وہ قیدی ہیں جنہیں زمانہ جاہلیت میں انہوں (اہل طائف) نے قید کرلیا تھا اب اسلام لانے کے بعد یہ قیدی ان ہی کے پاس رہے۔ اب اس شق میں ان قیدیوں کی فروخت و فدیہ کا ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ اگر کسی نے اپنے قیدی کو اس تحریر سے پہلے بیچ دیا تو اس کی بیع اس میں درست ہے اور جس نے نہ بیچا اور فدیہ لینے کا ارادہ کیا تو چاہیے کہ وہ مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق اونٹنیاں لے لے۔ اور جس کے پاس پہلے سے فروخت شدہ قیدی ہو تو اس کو دوبارہ فروخت کرنے کا اختیار ہے اور اسکے لیے فدیہ لینا ضروری نہیں۔(ابوعبید' کتاب الاموال' فقرہ:۵۰۶)

حاصل کلام یہ ہے کہ اس تحریری معاہدہ کے بعد ان کے لیے اپنے قیدیوں کی فروخت درست نہیں بلکہ فدیہ لینا ہی درست ہے البتہ وہ قیدی، جسے اس کے مالک نے اس تحریر سے قبل فروخت کردیا یا خرید لیا تو مالک کے لیے اس قیدی کی مزید خرید و فروخت اس تحریر کے بعد بھی جائز ہے۔ گویا اس طرح انہوں نے ابتداء معاہدہ میں فدیہ لینے کی اجازت حاصل کرلی تاہم یہ حکم جاہلی دور کے قیدیوں کا ہے مسلمانوں کے قبضے میں آئے ہوئے قیدیوں کی خرید و فروخت کے احکام جدا ہیں۔ تفصیل آنے والے صفحات میں مذکور ہے

اہل عمان سے معاہدہ

عرب کے جنوب مشرق کا یہ ساحلی علاقہ (عمان) بھی ایران کے زیر اثر تھا۔ یہاں جلندی بن المستکبر کے بعد اس کے دونوں بیٹے حکمران بنے ۔آپ ﷺ نے عمان کے ان دونوں حکمرانوں کی طرف دعوتی مکتوب ارسال فرمایا۔ اس دعوت پر ان دونوں نے اسلام قبول کرلیا چنانچہ آپ ﷺ نے سابقہ روایت کے مطابق دونوں کو حکمرانی پر برقرار رکھا(۱)

وثیقہ نبوی برائے جیفر وجلندی:

آپ ﷺ نے جلندی کے دونوں حکمران بیٹوں کی طرف مکتوب میں لکھا۔

''محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جلندی کے بیٹوں ، جیفر وعبد کے نام۔ اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ بعدازاں میں آپ دونوں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ اسلام قبول کرلو تو سلامتی سے رہو گے کیونکہ اللہ نے اپنی ساری مخلوق کے لیے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے تا کہ میں تمام لوگوں کو اللہ سے ڈراؤں اور کافروں پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے، اگر آپ دونوں نے اسلام قبول کرلیا تو آپ دونوں کو والی رکھوں گا اور اگر اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ کی بادشاہت زائل ہو جائے گی اور میرے سوار آپ کی سرزمین میں داخل ہو جائیں گے اور میری نبوت آپ دونوں کی بادشاہت پر غالب آجائے گی'' (۲)

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۶۲ نیز البلاذری، فتوح البلدان، ص: ۷۶

(۲) محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۷۶

یمن:

ظہور اسلام کے وقت یمن ایران کے زیر اثر تھا اور کسرائے ایران کی طرف سے باذان یمن پر گورنر مقرر تھا۔(۱) کسریٰ نے باذان کو خط لکھا کہ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ قریش مکہ میں سے ایک ایسے شخص کا ظہور ہوا ہے جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے تم اس کو توبہ کے لئے کہو اگر وہ توبہ کرے تو اسے چھوڑ دو بصورت دیگر اس کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیجوا دو''۔ باذان نے حکم کی تعمیل کے لیے دو آدمیوں کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا۔ ابن ہشام کے مطابق باذان نے کسریٰ کا خط بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا۔ آپ ﷺ نے انہیں خبر دی کہ باذان کو خبر دو کہ کسریٰ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

آپ ﷺ نے باذان کو لکھا ''ان الله قد وعدني ان يُقتل كسرى في يوم كذامن شهر كذا'' ''اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ کسریٰ فلاں مہینے کے فلاں دن کو قتل ہو جائے گا'' آپ ﷺ نے ان دونوں آدمیوں کو واپسی کے وقت تالیف قلب کے لئے ہدیے بھی عنایت فرمائے اور باذان کے لئے یہ پیغام دیا کہ تم (اہل یمن) مسلمان ہو جاؤ تو تمہاری حکومت تمہارے سپرد ہی رہے گی'' باذان نے تحقیق احوال کی اور تصدیق ہونے کے بعد اسلام لے آیا اور اس کے ساتھ دیگر روساء فارس بھی اسلام لائے۔ آپ ﷺ نے باذان کو ان کی ولایت پر برقرار رکھا بلکہ وفات کے بعد ان کے بیٹے کو والی بنایا۔(۲)

اہل یمن کی خوبیوں کی بنا پر آپ ﷺ نے یمنی قبائل کی طرف خصوصی توجہ فرمائی (۳) چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد اور بالخصوص باذان کے اسلام لانے کے بعد یمن میں اسلامی اثرات تیزی سے پھیلتے گئے اور چند ہی برسوں میں یمن

---

(۱) ابن ہشام السیرۃ النبویہ: ۱/۶۴-۶۷۔ ابن حبیب، کتاب المحبر، ص: ۲۶۶۔ الحموی، معجم البلدان: ۵/ ۴۴۷۔ الہمدانی، صفۃ جزیرۃ العرب، ص: ۶۵۔

(۲) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۱/۱۷:، ابن حبیب، کتاب المحبر، ۲۶۶، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۶۰، الطبری، تاریخ الامم والملوک، ۲/۶۵۶، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰۶-ج۔

(۳) آپ ﷺ سے مختلف مواقع پر قبائل یمن، حمیر، ازد، قبیلہ اشعر اور دیگر اہل یمن کے فضائل وخوبیوں کے بارے میں کئی روایات مروی ہیں (تفصیل کے لئے مسند احمد کی روایات ملاحظہ ہوں، الفتح الربانی، (م ن) باب ماورد فی بعض قبائل العرب ص: ۲۳/۲۳۱، ۲۹۵ تا ۲۹۷)

کے اکثر قبائل بارگاہ نبوی میں حاضر ہوگئے۔ یمن سے آنے والے وفود میں قبیلہ ہمدان کا وفد(۱) بنو مذحج (۲) شاہان حمیر(۳)، بنو ازد(۴) بنی حارث بن کعب (۵) اہل حضرموت (۶) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان قبائل کے لئے آپ ﷺ نے مختلف احکام تحریر فرمائے۔ ان میں طہارت، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، دیت وغیرہ کے مسائل کے علاوہ دیگر اہم احکام یہ ہیں۔

---

(۱) ہمدان یمن کا ایک بہت بڑا قبیلہ تھا۔ حضرت علیؓ کی دعوت پر یہ قبیلہ مسلمان ہوا اور آٹھ ہجری میں وفد کی صورت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے وفد کے ساتھ آئے ہوئے مالک بن النمط کو ان پر امیر مقرر فرمایا اور تحریر لکھ کر دی۔ (ابن ہشام:۴/ ۲۴۵، السیرۃ النبویۃ:......، الزرقانی، شرح مواہب، ۴/۳۴، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۱۰ تا ۱۱۳)۔

(۲) بنو مذحج کی اکثریت یمن میں آباد تھی۔ یہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تو اپنا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ ان کے لئے بھی تحریر کا ذکر کتب سیرۃ میں موجود ہے۔ (البکری، معجم ما استعجم ۱/۴۰، ان کے وفد کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، ابن سعد، الطبقات، الکبریٰ، ۱/۲۴۴، نیز محمد حمید اللہ، الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر:۱۱۷)

(۳) عہد نبوی میں یمن کے جنوبی حصے پر جو حکومت قائم تھی وہ تاریخ میں حمیر کے نام سے موسوم ہے حمیر کی سلطنت صدیوں تک یمن کی عظیم الشان سلطنت رہی ہے مگر آغاز اسلام کے وقت یہ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھی۔ شاہان حمیر مذہباً عیسائی تھے یہ بغیر جنگ کے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ ۹ھ میں ان کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے عبادات اور (غیر مسلموں کے لیے) جزیہ وغیرہ کے احکام تحریر فرمائے (ابن ہشام:۴/ ۲۳۵، نیز الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰۹)

(۴) قبیلہ بنو ازد کے سات افراد کا وفد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، ابن قیم، زاد المعاد:۳/۶۷۲، الزرقانی، شرح مواہب اللدنیہ، ۴/۶۴، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۲۰ تا ۱۲۲

(۵) بنی حارث بن کعب کا تعلق علاقہ نجران سے تھا۔ ۱۰ھ میں ان کا وفد حاضر ہوا جب ان کے وفد کی واپسی ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم کو ان پر تعلیم وتربیت اور وصولی صدقات وغیرہ امور کے لئے عامل بنا کر بھیجا اور انہیں ایک تحریر لکھ کر دی۔ ابن ہشام نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اس تحریر میں طہارت، نماز، حج، زکوٰۃ، دیت عوام کے حقوق و فرائض سے متعلق ہدایت، نیز غیر مسلموں سے جزیہ کی وصولی اور ان کے لیے حریت عقیدہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ (الطبری، تاریخ الامم والملوک، ۳/۱۵۶، ابن سعد الطبقات الکبریٰ، ۳/۷۲، ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۴/۲۳۹، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰۵)

(۶) حضرموت کے وفود ۱۰ھ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ مصادر میں ملوک حضرموت اور وائل بن حجر وغیرہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تحریروں کا ذکر ملتا ہے۔ (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ:۱/۳۴۹، الطبری، تاریخ الامم والملوک: ۱۷۳۹، محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۱۳۱ تا ۱۳۳، ۱۳۸، ۱۳۹)

☆ غیر مسلموں کو زبردستی ان کے دین سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔(۱)

☆ غیر مسلم ایک دینار کے برابر جزیہ ادا کریں گے اور جزیہ دینے والے اور اتباع کرنے والے غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کی جائے گی۔(۲)

☆ نومسلموں کے منقولہ و غیر منقولہ اموال ان ہی کے قبضہ وتصرف میں رہیں گے۔ اور وہ حقوق وفرائض میں دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوں گے۔

☆ عمال کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کو ان کے حقوق وفرائض سے باخبر رکھیں۔

☆ مسلمانوں کے لیے (بالخصوص) خاندانی، قبائلی عصبیت کا خاتمہ ضروری ہے اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف اور صرف اسلام کی بنیاد پر متحد ہوں۔

---

(۱) اس شق سے غیر مسلموں کے لئے حریت عقیدہ کے جواز کا پتہ چلتا ہے۔ تفصیلی بحث ملاحظہ ہوں، صفحہ نمبر ۲۵۵

(۲) i رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق غیر مسلموں سے ایک دینار کے برابر جزیہ وصول کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بنو حارث بن کعب کی طرف تحریر میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہودیوں اور نصرانیوں کو ان کے مذہب سے زبردستی برگشتہ نہ کیا جائے اور ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کے بدلہ میں کپڑا بطور جزیہ کے لیا جائے۔(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ مکتوب برائے بنی حارث بن کعب وغیرہا، وثیقہ نمبر ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۰)

ii ابو عبید لکھتے ہیں کہ ایک دینار جزیہ کے بدل میں کپڑا لینے کا تعلق تخفیف سہولت دینے سے ہے تا کہ غیر مسلموں کو جزیہ کی ادائیگی میں آسانی وسہولت رہے (کتاب الاموال فقرہ نمبر: ۱۱۸)

iii فقہا کے نزدیک جزیہ میں نہ تو جنس کی تخصیص ہے اور نہ ہی مقدار کی (ابوعبید م ن، فقرہ نمبر ۱۰۰، ۱۰۵، زاد المعاد: ۲/۴۷۳) جزیہ کے احکام کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، صفحہ نمبر ۲۴۳

فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ

باجگزاران فارس کے ضمن میں فقہی مباحث کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ امراء اور مقامی انتظامیہ کا تقرر

۲۔ جنگی قیدی اور غلاموں کے احکام

۳۔ خصوصی مراعات دینے کے لئے سربراہ مملکت کا اختیار

۴۔ کسی علاقے پر ایک سے زائد افراد کی حکمرانی

۵۔ حقوق وفرائض سے عوام کی آگہی ...... ریاستی ذمہ داری

۶۔ نومسلموں کے اموال کی ملکیت

۷۔ قبائلی ولسانی بنیادوں پر گروپ بندی

۱۔ امراء اور مقامی انتظامیہ کا تقرر

آپ ﷺ نے مذکورہ قبیلہ ثقیف کے لیے لکھا کہ ان پر ان ہی میں سے امیر مقرر کئے جائیں گے پھر ان ہی میں سے عثمان بن ابی العاص کو امیر مقرر فرمایا(۱) باذان اور شہر بن باذان کو یمن کی امارت وسیادت پر برقرار رکھا۔(۲) سیرت کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ ﷺ نے عربوں کے مزاج کی رعایت رکھتے ہوئے اکثر مفتوحہ علاقوں اور معاہدین قبائل کے سابقہ امراء کو ان کے پرانے عہدۂ امارت پر برقرار رکھا۔ مثلاً عمان کے سابقہ امراء جیفر وعبد کو ان کی پرانی امارت پر بحال رکھا گیا۔ (۳) اکیدر کو بنی کلب پر اسی طرح بنی ثعلبہ کے

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۲/ ۱۴۵، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴/ ۱۸۵، البلاذری، فتوح البلدان: ۵۲۹

(۲) الطبری: ۳/ ۲۲۷، ۲۲۸

(۳) ابن سعد: ۱/ ۲۶۲، فتوح البلدان: ۷۶

مسلمان ہونے والے سربراہ صیفی ابن عامر کو ان کے قبیلہ کی سربراہی پر برقرار رکھا گیا۔(۱)

ماتحت قبائل کی مقامی انتظامیہ وافسران کے سلسلے میں سیرت کے مطالعہ سے نہایت واضح اصول یہ سامنے آتا ہے کہ یہ تقرری اکثر و بیشتر مقامی قبیلہ اور علاقے کے باصلاحیت افراد میں سے ہی کی جاتی تھی۔ مثال کے طور پر آپ ﷺ نے انصار مدینہ پر بارہ نقباء کا تقرر فرمایا جن کا تعلق اوس وخزرج سے ہی تھا(۲) علاوہ ازیں بنی کلب پر ابن الاصبغ کلب (۳) بنونصر پر مالک بن عوف نصری (۴) بنو ازد پر صرد بن عبداللہ ازدی (۵) بنو جہنیہ پر رافع بن مکیث جہنی، بنو اسلم پر بریدہ بن حصیب اسلمی، بنو فزارہ پر عیینہ بن حصن فزاری، بنو باہلہ پر نہشل بن مالک باہلی، بنو کندہ پر اشعث بن قیس کندی (۶) بنو کلب و دومۃ الجندل پر حارثہ بن القطن کلبی اہل جرش پر صرد بن عبداللہ جرشی کا مقامی افسر ومنتظم کے طور پر تقرر فرمایا۔(۷) علی ہذا القیاس سو کے قریب مزید امثلہ سیرت کے ذخائر میں دستیاب ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ علاقائی انتظامیہ کی تقرری میں اس علاقہ اور قبیلہ کا لحاظ فرماتے تھے۔(۸)

---

(۱)ابن ہشام (م ن): ۲/۵۲۶، البلاذری فتوح البلدان: ۶۱، الاصابہ (صیفی بن عامر) نمبر: ۴۱۰۶، مجموعہ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر: ۱۹۰، ۴۰

(۲) ابن ہشام: ۱/۸۶، ۸۷، ابن حبیب، کتاب المحبر: ۲۶۹

(۳) الواقدی: ۲/۵۶۱

(۴) ابن ہشام: ۲/۴۹۱

(۵) ابن سعد: ۱/۳۳۸

(۶) ابن سعد: ۲/۱۶۰

(۷) ابن سعد: ۱/۳۰۷، ۳۱۴، ۳۳۵

(۸) مزید امثلہ کے لیے ملاحظہ ہوں، ابن ہشام: ۲/۳۵۴، ۴۹۱، ۵۴۰، ۵۸۵، ۵۸۷، ۵۹۴، ۶۰۰، ابن سعد، ۱/۲۷۰، ۲۷۲، ۳۰۷، ۳۲۵، ۲/۱۶۰، البلاذری، انساب الاشراف: ۵۳۰، ۵۳۱، الکتانی، عبدالحی، التراتیب الادریۃ، ۱/۲۴۱ تا ۲۴۴، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۴۰۰

۲۔جنگی قیدیوں اور غلاموں کے احکام:

دنیا میں غلام بنانے کا سب سے بڑا ذریعہ جنگ میں قابو ہونے والے دشمن کے قیدی ہوتے ہیں(۱) اس لیے اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے جتنے دروازے بھی کھولے ان کا براہ راست فائدہ جنگی قیدیوں کو ہی ہوا۔ طائف کے ساتھ معاہدے میں دفعہ نمبر ۸ اور ۲۱ کا تعلق براہ راست قیدیوں سے ہے۔ ان دفعات کے مطابق جو قیدی فروخت در فروخت کی منزل طے کر چکے ہیں ان کے علاوہ دیگر قیدیوں کے متعلق اہل طائف کو پابند کیا گیا کہ اگر ان قیدیوں کا فدیہ دیا جائے تو وہ انہیں چھوڑنے کے پابند ہوں گے۔

زمانہ اسلام کے شروع میں قیدیوں کو (جب تک اسلامی حکومت اور مسلمان نہایت کمزور تھے) احساناً یا فدیہ دے کر چھوڑنا جائز نہیں تھا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْض ...... الخ﴾ (۲)

''نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہییں جب تک کہ ملک میں اچھی خونریزی کی جنگ نہ ہو جائے''

یہ کوئی دائمی تشریعی حکم نہیں تھا بلکہ صرف اس لئے تھا کہ ابھی اسلامی شان وشوکت اور قوت مستحکم نہیں ہوئی تھی چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ ان قیدیوں کو چھوڑنے کی جو ممانعت وارد ہوئی تھی اس میں اشارۃً یہ بات بتائی گئی کہ یہ اس لیے ہے تاکہ وہ مسلمان زمین پر غلبہ پالیں۔ کیونکہ اگر ان غیر مسلم قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے تو لازماً یہ اپنی جائے قوت ودفاع کو لوٹ جائیں گے اور مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے۔ اس طرح مسلمانوں کو غلبہ حاصل نہیں ہوگا۔ (۳)

---

(۱) بین الاقوامی قانون کے مطابق مقابلہ کرنے والی باقاعدہ فوج کے افراد اور ایسے سول افراد جو جنگ کرنے والوں کے معاون ہوتے ہیں مثلاً سٹور کیپرز، رپورٹرز، فنی ماہرین وغیرہ بھی جنگی قیدیوں میں شمار ہوتے ہیں (جنیوا پروٹوکول دفعہ نمبر ۱ (۴) اور دفعہ نمبر ۴ (۵) سال، ۱۹۴۹ء

(۲) الانفال: ۶۷

(۳) الکاسانی، بدائع الصنائع، ۷/ ۱۱۹، ۱۲۰، مذکورہ آیت کے اس پہلو کی طرف مختلف مفسرین کے اشارات کے لیے ملاحظہ ہوں، الکشاف: ۲/ ۲۳، تفسیر الرازی: ۸۔۱۵/ ۲۰۸، ۴/ ۳۸۵۔ القرطبی ۸/ ۴۸، تفسیر المنار ۱۰/ ۹۰، نیز ملاحظہ ہو، مشکل الآثار: ۴/ ۲۹۳، الداؤدی، ابوجعفر احمد ابن نصر، کتاب الاموال: ۸۷

غلبۂ اسلام ہو جانے کے بعد غلامی کے خاتمہ اور جنگی قیدیوں سے حسن سلوک کے ضمن میں درج ذیل اہم اقدامات کیے گئے مثلاً:

- دشمن کا کوئی غلام جب مسلمانوں سے پناہ طلب کرے اور ان کی پناہ میں آئے تو وہ خود بخود آزاد تصور ہو گا۔
- جس لونڈی کے بطن سے کوئی بچہ پیدا ہو، اس کے مالک کی وفات پر وہ لونڈی خود بخود آزاد تصور ہو گی۔ (۱)
- اسلام میں غلاموں کو آزاد کرنا بہترین خیرات قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ﴾ (۲)
- مختلف گناہوں کے کفارے کے طور پر غلاموں کو آزاد کرنا ضروری ہے۔ (۳)
- اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے سالانہ بجٹ میں ایک معقول رقم غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کے لیے مختص کرے۔ اسلامی حکومت کے مالی ذرائع آمدن میں زکواۃ بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔ جس کے مصارف میں غلاموں کو آزاد کرنا بھی شامل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ......الخ﴾ (۴)

''صدقات صرف فقیروں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لیے اور ان کے لیے جن کے دل پرچائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں''

---

(۱) ملاحظہ ہو، احمد عبدالرحمٰن البناء، الفتح الربانی بترتیب مسند الامام احمد الشیبانی، کتاب العتق، باب ماجآء فی ام الولد، ۱۴/۱۶۱)

(۲) البلد:۱۳ (کسی گردن (غلام، لونڈی) کو آزاد کرنا'' (اس موضوع پر احادیث کے لئے ملاحظہ ہو، الفتح الربانی (م ن) کتاب العتق، باب فضل العتق، ۱۴/۱۳۹)

(۳) مثلاً ملاحظہ ہو، قتل خطا، قسم، ظہار کے کفارہ کے لیے غلام آزاد کرنے کا ذکر: النساء: ۹۲، المائدہ: ۸۹، المجادلہ: ۳

(۴) التوبۃ: ۶۰

اسلام نے یہ سہولت رکھی ہے کہ غلام محنت کر کے اپنی قیمت متعین کر کے ادا کر دے تو وہ آزاد ہو سکتا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ق وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰكُمْ﴾ (۱)

''تمہارے غلاموں میں سے جو کوئی کچھ تمہیں دے کر آزادی کی تحریر کرانا چاہے تو تم ایسی تحریر انہیں کر دیا کرو اگر تم کو ان میں کوئی بھلائی نظر آتی ہو''

جنگی قیدیوں کو احساناً یا فدیہ لے کر آزاد کر دینا چاہیے۔ اس حکم کے بارے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ط حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ لا فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا......الخ﴾(۲)

''تو جب کافروں سے تمہاری مڈبھیڑ ہو تو گردنوں پر وار مارو جب تم ان کو اچھی طرح کچل ڈالو تو اب خوب مضبوط قید و بند سے گرفتار کرو (پھر اختیار ہے) کہ خواہ احسان رکھ کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر۔ تاوقتیکہ لڑائی اپنے ہتھیار رکھ دے''

قرآنی مجید کی دو آیات بظاہر اس حکم کے ساتھ متعارض نظر آتی ہیں مثلاً ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ......الخ﴾(۳) ''مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو''۔

نیز ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ......الخ﴾(۴)

''نبی کے ہاتھ میں قیدی نہیں چاہییں جب تک کہ ملک میں اچھی خونریزی کی جنگ نہ ہو جائے''۔

---

(۱) النور:۳۳

(۲) محمد:۴، اس آیت میں جہاں لوگوں کو قید و بند کرنے کی بات کی گئی ہے اس کی وجہ بھی مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ انہیں اس لئے قید کر دیا جائے کہ کہیں وہ فوری طور پر اسلامی ریاست کے خلاف منظم نہ ہو جائیں۔ (السیوطی، الدرالمنثور فی تفسیر الماثور:۲۰،۲۱

(۳) التوبہ:۵

(۴) الانفال:۶۷

مذکورہ دونوں آیات کے باوجود اول الذکر آیت منسوخ نہیں بلکہ آیات قرآنی میں ایک محکم آیت ہے۔ ثانی الذکر دونوں آیات کا تعلق دوران حرب کے ساتھ ہے نہ کہ قیدیوں کے ساتھ اس لیے یہ دونوں آیات سورۃ محمد کی آیت (نمبر۴) کے ساتھ متعارض نہیں لہذا نسخ کی یہاں ضرورت ہی نہیں۔(۱)

- قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔(چنانچہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا((استوصوا بالاساری خیرا)) (۲)
- قیدیوں کو کھانا کھلانا اور پلانا اور انھیں لباس پہنانا ضروری ہے اور غیر ضروری طور پر ان کو تعذیب میں مبتلا کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا﴾ (۳)

''اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو''

آپ ﷺ کے حکم کے مطابق غیر مسلم قیدیوں کو کھانا کھلایا جاتا اور انہیں پانی پلایا جاتا اور ان کو تعذیب میں مبتلا نہیں کیا جاتا تھا۔ بعض لوگوں کو اس سے شبہ ہوا کہ شروع اسلام میں قیدیوں کو باندھا جاتا تھا اور یہ امر تعذیب کی خاطر تھا۔ امر واقع یہ ہے کہ شروع اسلام میں جنگی قیدیوں کو باندھنا تعذیب کے لیے نہیں بلکہ ضرورت کی بنا پر تھا کہ اس وقت قیدیوں کے لیے باقاعدہ کوئی جگہیں مخصوص نہ تھیں جہاں انہیں رکھا جاتا چنانچہ اس وجہ سے انہیں

---

(۱) ملاحظہ ہوں النحاس، الناسخ والمنسوخ، فی القرآن: ۲۲۱ الطبری، تفسیر: ۲۶/۲۴۔ ابن العربی، احکام القرآن، ۲/۱۶۸۹۔ الرازی، مفاتیح الغیب: ۷/۳۶۳۔ تفسیر ابن کثیر: ۴/۳/۱۷۳، نیز ملاحظہ ہو، العینی، عمدۃ القاری: ۱۴/۲۶۵، فقہی بحث کے لیے دیکھئے ابن رشد، بدایۃ المجتھد، ۳۵۱، ابن قدامہ، المغنی: ۱۰/۴۰۰

(۲) منتخب کنز العمال من مسند احمد ۲/۳۱۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ ۳/ ۳۰۶، ابن ہشام: ۲/۲۰۹

(۳) الدھر: ۸

باندھ دیا جاتا تھا تاکہ وہ بھاگ کر دوبارہ مسلمانوں کے خلاف جمع نہ ہو سکیں۔

فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ قیدیوں کو بھوک و پیاس وغیرہ سے تعذیب نہ دی جائے۔(۱) نیز اس پر بھی جمہور علماء کا اجماع ہے کہ اگر ماں اور اس کی نابالغ اولاد، دونوں قیدی بن جائیں تو دونوں کو علیحدہ نہیں کیا جائے گا۔

کسی فوجی کے لئے قیدی کو قتل کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کے متعلق سربراہ مملکت کوئی فیصلہ کرلے۔(۲) بعض فقہاء نے سربراہ کے لئے بھی قیدی کو قتل کرنے کا حکم دینے کو مکروہ خیال کیا اور کہا ہے کہ سربراہ کو چاہئے کہ وہ قیدی کو آزاد کرے(۳)

کسی فوجی کے لئے کسی قیدی سے جنسی تعلق قائم کرنا جائز نہیں، جمہور فقہاء کے نزدیک ایسا کرنے والے فوجی پر حد لگائی جائے گی۔(۴)

---

(۱) السرخسی، شرح السیر الکبیر: ۲/۲۶۴، ۳/۱۰۲۹، بہوتی، شرح منتھی الادارات ۲/۹۷۔ الاقناع (قاہرہ) ۲/۱۱۔ اس سلسلہ میں مزید روایات کے لیے ملاحظہ ہوں کتب، الھیثمی، مجمع الزوائد: ۳/۳۳۵، ۶/۸۶

(۲) i حدیث میں ہے کہ ((لاتولہ والدۃ عن ولدھا)) (البیہقی، السنن الکبریٰ، باب الام تتزوج...... (حدیث نمبر ۱۶۱۸۵) بعض آئمہ کے نزدیک (قیدیوں میں) دو بھائیوں اور دو بہنوں کو بھی آپس میں علیحدہ نہیں کیا جائے گا۔(ابن قدامۃ، المغنی: ۸/۴۲۲، ۴۲۴)

ii امام محمد کی رائے یہ ہے کہ اگر معاہدین مسلمانوں کے قیدیوں کو قتل نہ کرنے کا معاہدہ کریں پھر بدعہدی کرتے ہوئے مسلمانوں کے قیدیوں کو قتل بھی کر دیں تب بھی ان کے قیدیوں کا قتل جائز نہیں کیونکہ معاہدین کے قیدی دارالاسلام میں داخل ہونے کی بنا پر پناہ میں آگئے ہیں، انہیں بھی تحفظ جان کے ضمن میں حرمت حاصل ہے، سوائے اس کے، کہ انہیں قتل کرنا برحق ہو۔انہوں نے بذات خود ہمارے کسی قیدی کو قتل نہیں کیا اس لئے آیت ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ﴾ (النحل:۱۲۶) کے حکم میں وہ شامل نہیں ہوں گے (شرح السیر الکبیر: ۳/۷۵، ۱۷۷، ۲۷۶)

(۳) ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۳۲۲، ۳۲۳، ابن قدامۃ (م ن): ۸/۳۷۷)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر میں فدیہ لے کر اور بنی المصطلق اور ہوازن کے قیدیوں کو احساناً آزاد فرمایا تھا (ابوعبید (م ن)، فقرہ نمبر: ۳۰۶، ۳۱۴، ۳۱۶)

(۴) ان فقہاء کا استدلال ارشاد باری تعالیٰ سے ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (النور:۲) مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، (ابن قدامۃ (م ن) ۸/۴۹۱، ۴۹۲)

۳۔خصوصی مراعات دینے کے لئے سربراہ مملکت کا اختیار:

رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کو دوسرے قبائل کی نسبت بعض خصوصی مراعات عنایت فرمائیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سربراہ مملکت مصالح مسلمین کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی کو خصوصی مراعات دے سکتا ہے۔اس ضمن میں ابوعبید لکھتے ہیں کہ ''معاہدہ ثقیف کی رو سے آپ ﷺ نے خصوصی طور پر بنوثقیف کے اسلام قبول کرنے پر انہیں کچھ مراعات دیں۔ مثلاً ان کی وادی کی حرمت، ان کے طائف کو عبور نہ کرنا، بدون ان کی اجازت وہاں کسی کا داخل نہ ہونا نیز ان پر ان ہی میں سے امیر مقرر کرنا۔ ان مراعات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام وقت اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کوملحوظ رکھتے ہوئے اپنی صوابدید کے مطابق ایسا کرسکتا ہے۔ اگر اسے دشمن کے غلبہ کا اندیشہ ہو اور بغیر کچھ دیے ہوئے ان سے بچاؤ ممکن نہ ہو تو وہ ایسا بھی کرلے گا۔ جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خندق میں مخالف جماعتوں سے کرنا چاہا تھا۔اسی طرح اگر کوئی جماعت بغیر کچھ مراعات لیے اسلام لانے پر آمادہ نہ ہو تو امام کو حق حاصل ہے کہ انہیں تالیف قلب کے لیے وہ مراعات دے دے بشرطیکہ ان کے اسلام لانے سے اسلام کو غلبہ وسربلندی حاصل ہو اور اسلام ان کی ایذا رسانیوں اور حملوں سے محفوظ رہے جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے ساتھ کیا جن کی تالیف قلب مقصود تھی، تا آنکہ وہ اسلام میں دلچسپی لینے لگیں اور اسلام سے متعلق ان کی نیتیں سدھر جائیں۔ تاہم یہ مراعات اسی حدتک جائز ہیں کہ کتاب وسنت کے خلاف نہ ہوں۔ اس کا ثبوت رسول اللہ کے اس عمل سے ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں (بنوثقیف) ربا (سود) حلال ہونے کی رعایت نہ دی۔ یہ تو اس معاہدہ کی کیفیت ہے جو زمانہ جاہلیت میں ہوا، ظاہر ہے کہ جو معاہدہ اسلام میں ہوگا اس میں محرکات کو اور شدت سے روکا جائے گا اور کسی صورت بھی انہیں جائز قرار نہیں دیا جائے گا بعض روایات میں ہے کہ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے قبل ازیں یہ درخواست کی تھی کہ وہ اسلام اس شرط پر لانے کے لیے تیار ہیں کہ زنا، ربا اور شراب ان کے لیے حلال رکھے جائیں۔لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ درخواست مسترد کردی۔(۱)

(۱) (ابوعبید، کتاب الاموال ،فقرہ نمبر:۵۰۷)

۴۔ ایک علاقہ پر ایک سے زائد افراد کی حکمرانی کا تصور

شاہانِ عمان جیفر وعبد کی سابقہ سیادت کی برقراری سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام میں ایک علاقہ پر دو یا زائد افراد کی حکمرانی کا کیا تصور ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام بیک وقت دو افراد کی حکمرانی یا ولایت کی تردید نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عمان پر جلندی کے دو بیٹوں جیفر وعبد کی پرانی حکمرانی کو اُسی طرح بحال رکھا۔ (۱) اگر یہ جائز نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اس کی ضرور تردید فرماتے۔

بعض لوگوں کو مسلم شریف کی ایک حدیث کی بنا پر اشکال پیدا ہوتا ہے جس میں ارشاد نبوی ہے کہ میرے بعد بکثرت خلفاء ہوں گے، صحابہ نے عرض کیا ہمارے لئے کیا حکم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ((فوا ببیعة الاول فالأول)) ''جس آدمی کے ہاتھ پہلے بیعت کرلو، اس بیعت کو پورا کرو''۔ (۲) نیز مسلم کی ایک دوسری روایت میں ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الا خر منهما)) (۳) ''جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے کو قتل کرو''

اس اشکال کا واضح جواب محدثین اور فقہا کی ان بحثوں میں ملتا ہے جو انہوں نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھی ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(الف) یہ اس خلافت کی طرف اشارہ ہے جو علی منہاج النبوۃ ہو جو کہ صرف تیس برس تک رہی۔ اس کے بعد عام حکمرانوں کا دور شروع ہوا بعد میں اگر کچھ لوگوں کو خلیفہ کہا بھی گیا تو وہ صرف لغوی معنی تک محدود تھا اور برائے نام تھا لہٰذا اب مسلمانوں میں کسی کی امارت پر اس حدیث کا اطلاق نہیں ہوگا۔ ایک ارشاد نبوی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

((خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یؤتی اللہ الملک من یشآ)) (۴)

''خلافت نبوت کے تیس سال ہیں پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا ملک (حکمرانی) عطا فرمادے گا۔''

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۲۶۲، البلاذری، فتوح البلدان: ۷۶

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ الاول فالاول، حدیث نمبر (۴۷۷۳)

(۳) مسلم، (م ن) کتاب الامارۃ، باب اذابویع لخلیفتین، حدیث نمبر (۴۷۹۹)

(۴) ابوداؤد، السنن، کتاب السنۃ، باب فی الخلفاء، حدیث نمبر (۴۶۳۵، ۴۶۴۶، ۴۶۴۷)، احمد بن حنبل، المسند: ۵/۴۴، ۵۰

(ب) یہ اس وقت ضروری ہے کہ جب مسلمان ساری دنیائے اسلام کے لئے ایک خلیفہ کا تقرر کرنے پر قادر ہو جائیں بصورت دیگر عالم اسلام پر کئی حکمرانوں کا تقرر صحیح قرار دیا جائے گا اور وہاں کے مسلمانوں پر ان حکمرانوں کی اطاعت کرنی ضروری ہوگی۔(۱)

مذکورہ بالا تمام تر بحث سے قطع نظر اگر ایک امیر سلطنت یا کوئی خلیفہ ہی کسی شہر میں دو آدمیوں کو سرداری پر قائم رکھتا ہے تو اس کا جواز رسول اللہ ﷺ کے اس مذکورہ بالا عمل سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک علاقہ پر دو امراء کا تقرر فرمایا تھا اور خلافت راشدہ کے سارے دور میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا حتیٰ کہ خلافت بنی امیہ کے زمانے میں جب عمان میں خوارج کا فتنہ پھیلا اور حجاج بن یوسف نے اس فتنہ کی سرکوبی کی تو عمان کے دونوں مشترک حکمران جو الجندی کی اولاد میں سے تھے جلاوطن ہو کر دوسرے علاقے میں چلے گئے۔(۲)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلامی تاریخ میں بھی اس کے مزید چند نظائر کا ذکر کیا ہے، اگر چہ یہ کوئی شرعی دلیل نہیں لیکن تاریخی تراث اور عمل کے طور پر اس سے تائید لی جاسکتی ہے۔(۳)

مذکورہ بالا تمام بحث میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہمارے لئے نہایت اہم ہے۔ چنانچہ ان کی رائے میں یہ رجحان غالب ہے کہ اگر اختیارات کی تقسیم کر دی جائے تو اس امر کا جواز موجود ہے۔ البتہ وحدت کا نظریہ بالا جماع قابل ترجیح ہے۔(۴)

گویا ایک ہی ملک کے اندر دو یا زائد افراد کے مابین اختیارات کی واضح تقسیم کر دی جائے اور حالات ایسے ہوں کہ وہ دونوں افراد اپنی اپنی تقسیم کار پر پابند رہیں تو دو یا زائد افراد کی حکمرانی ایک ہی ملک پر جائز تصور کی جائے گی۔

اس طرح ان مسلمان ریاستوں کے سربراہان شرعی رو سے درست قرار پائیں گے جو کسی جمہوری حکومت میں صدر اور وزیر اعظم کی شکل میں سٹیٹ اور انتظامیہ کے سربراہ ہوتے ہیں اور کسی صوبہ میں گورنر اور وزیر اعلیٰ کے طور پر سربراہ بنائے جاتے ہیں۔

---

(۱) ابو داؤد، السنن، ۳/۲۸۲، ترمذی، السنن، ۳، ۲۲۳، عینی، عمدۃ القاری، ۱۶/۷۴، العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، ۶/۵۳۶، ملا علی القاری، مرقاۃ: ۳/۱۴۳، ۵/۱۴۲، ابن عابدین، محمد امین شامی، ص: ۱/۵۱۲، حصکفی، علاء الدین، درمختار علی ہامش رد المختار، ص: ۱/۵۱۲، ۵۱۳، نیز ملاحظہ ہو، شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء: ۱/۲، ۳

(۲) الطبری: ۲/۱۹۴۹

(۳) ان واقعات کے لیے ملاحظہ ہو، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ۳۴۲، ۳۴۳

(۴) شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ: ۷۰۔۷۲

۵۔حقوق وفرائض کے بارے میں عوام کی آ گہی:

علاقہ یمن کے قبیلہ بنو حارث کے عامل کو آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ وہ عوام کو ان کے حقوق وفرائض کے بارے میں آ گاہ کریں۔کیونکہ معاشرے کی حقیقی فلاح و بہبود اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے جب عوام کو ان کے حقوق وفرائض کے بارے میں کوئی التباس نہ ہو۔عوام میں ان کے حقوق و ذمہ داریوں سے آ گہی کا یہ شعور دلانا بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔اس ذمہ داری کے سلسلہ میں یمن کی طرف ایک مکتوب میں آپ ﷺ نے وہاں کے عامل کو ہدایت فرمائی کہ ''لوگوں کو ان کے حقوق وفرائض سے بارے میں باخبر رکھو''

چنانچہ مکتوب یمن میں ہے کہ ''ویخبر الناس بالذی لھم والذی علیھم''(۱)

٦۔نومسلموں کے اموال کی ملکیت

معاہدات نبوی سے یہ محکم اصول سامنے آتا ہے کہ نومسلموں کے اموال منقولہ وغیر منقولہ ان ہی کی ملکیت میں رہیں گے اور ان کے شہری وتمدنی حقوق دیگر مسلمانوں کی طرح ہی ہوں گے کئی قبائل کے ساتھ آپ ﷺ کے معاہدات میں یہ شق تکرار کے ساتھ موجود ہے یمنی قبائل سے معاہدات میں بھی نومسلموں سے متعلق آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ان کے اموال اور زمینیں اور دیگر جائیدادیں جن کے وہ مالک ہیں ان ہی کے قبضہ میں رہیں گے اور حقوق وفرائض میں وہ دیگر مسلمانوں کی طرح ہوں گے'' (۲)

---

(۱) (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴/۲۴۱ نیز مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: وثیقہ نمبر ۱۰۵)

(۲) ملاحظہ ہوں، ہمدان، ازد، اہل حضرموت وغیرہ سے معاہدات مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰۵، ۱۱۱، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۳۱

۷۔خاندانی وقبائلی عصبیت اور اسلام:

رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمال کے ذریعہ انصاف، عدل و مساوات اور عوام کی حقوق کی ادائیگی کا نہایت اہتمام فرمایا تاکہ لوگ زمانہ جاہلیت کی طرح اسلام میں بھی اپنے خاندان، قوم و علاقہ کی بنیاد پر حقوق حاصل کرنے کے لئے جمع نہ ہوں۔

آپ ﷺ نے علاقہ یمن (نجران) کے ایک قبیلہ بنو حارث بن کعب کی طرف مکتوب میں ارشاد فرمایا:

"وينهى إذا كان بين الناس هيجٌ عن الدعاء إلى القبائل والعشائر، ويكن دعواهم الى الله وحده لا شريك له فمن لم يدع الى الله و دعا الى القبائل والعشائر فليقطفوا بالسيف حتى يكون دعواهم الى الله وحده لا شريك له" (۱)

"جنگ کے لئے لوگ قبائل اور خاندان کا واسطہ دے کر ایک دوسرے کو حمایت کے لئے نہ بلائیں، کسی کی حمایت مقصود ہو تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لئے کی جائے، اور جو شخص اللہ کے بجائے محض قبیلے اور خاندان کے نام پر لوگوں کو جنگ کی دعوت دے ایسے (فسادی) کا تلوار سے فیصلہ کیا جائے، یہاں تک کہ ان کی دعوت اللہ وحدہ لاشریک کی طرف ہو جائے"۔

آپ ﷺ نے لسانی عصبیت کے فروغ اور محض اس بنیاد پر اتحاد و تعاون سے منع فرمایا، ایک مرتبہ قیس بن مطاطہ نے حضرات صہیب، بلال اور سلمان رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کہا کہ اوس و خزرج تو عربی ہیں انہوں نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا مگر صہیب، بلال اور سلمان (رضی اللہ عنہم) نے کس بنا پر ساتھ دیا؟ آپ ﷺ نے جب یہ سنا تو نہایت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ عربی تو محض ایک زبان ہے، یعنی اس کی بنیاد پر قومیت کی اساس رکھنا درست نہیں۔ (۲)

ایک موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((ليس منا من دعا إلى عصبية)) (۳) "عصبیت کی طرف بلانے والا ہم میں سے نہیں"

---

(۱) ابن ہشام: ۲۴۱/۴، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰۵

(۲) اعلاء السنن: ۷۳۲/۷

(۳) ابو داؤد، کتاب الادب، باب فی العصبیۃ، حدیث نمبر (۵۱۲۱) ۱۹/۸، (حدیث نمبر ۴۹۵۸) "عصبیت کی دعوت دینے والا مسلمانوں میں سے نہیں"

ا۔اہل نجران سے معاہدہ

نجران یمن کا ایک وسیع علاقہ تھااورعیسائیوں کا بہت بڑا مرکز تھا۔یہاں سے ساٹھ آدمیوں پر مشتمل وفد آپ ﷺ کے پاس حاضرہوا،مسجد نبوی میں انہوں نے اپنی عبادت بھی کی،(۱) ان کے ساتھ طویل بحث ومباحثہ کے بعد معاہدہ طے ہوا(۲)

معاہدہ صلح:

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد نبی رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کے لئے تحریر کیا۔

اس لئے کہ اس کا حکم ان پر نافذ ہے (معاہدہ کی رو سے ان کی جملہ املاک) تمام پھل، زرد وسفید (۳) اور غلاموں (۴) پر ان کی ملکیت باقی رکھی جاتی ہے۔ اس شرط پر کہ وہ سالانہ دو ہزار حلّے (۵) ایک ماہ رجب میں اور

(۱) i ابن حجر، فتح الباری: ۸/۷۳، باب قصۃ اہل نجران۔

ii اہل کتاب کا مسجد میں داخل ہونا: اس سے معلوم ہوتا کہ اہل کتاب کا مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔ابن قیم لکھتے ہیں کہ غیر مسلم اہل کتاب مسلمانوں کی موجودگی میں مسجد کے اندر اپنے طرز پر عبادت کر سکتے ہیں بشرطیکہ یہ صورت صرف عارضی اور وقتی ہو اور عام معمول نہ بنایا جائے۔(زادالمعاد:۳/۶۸۵)

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کی رائے بھی یہی ہے البتہ امام مالک کے نزدیک کسی شرعی مجبوری مثلاً گواہی یا مقدمہ کی پیروی وغیرہ کے علاوہ کسی غیر مسلم کا مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں نیز الجصاص، احکام القرآن : ۳/۱۰۹، ابن قدامہ، المغنی ۱۳/۲۴۶،شوکانی، فتح القدیر ۲/۴۴۶۔

(۲) ابن سعد:۱/۲۸۷،ابن قیم ،زادالمعاد:۳/۶۸۰ تا ۶۸۵، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ ، وثیقہ نمبر ۹۴

(۳) یہ ''صفراء'' اور ''بیضاء'' کا ترجمہ ہے جس سے مراد سونا چاندی ہے یعنی نقد اموال مراد ہیں۔

(۴) یہ ''رقیق'' کا ترجمہ ہے، یہ غلام اور باندی ہر دو کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۵) ''حلہ'' یہ دو چادروں پر مشتمل جوڑا ہے جو یمن میں تیار ہوتا تھا۔

ایک ہزار ماہ صفر میں ادا کرتے رہیں گے۔ ہر حلّہ کی قیمت ایک اوقیہ چاندی ہوگی خراج کی کمی بیشی کا شمار اوقیوں کے حساب سے ہوگا، جو زرہیں گھوڑے یا اونٹ وہ خراج میں دیں گے تو وہ بھی اسی حساب سے لئے جائیں گے۔(۱)

(۱) خراج: لسان العرب کے مطابق، (ا) خراج سے مراد وہ شے ہے جو لوگ سالانہ اپنے مال سے معینہ مقدار میں نکالتے ہیں۔

(ب) غلام یا لونڈی کی کمائی یا اس کی محنت سے حاصل شدہ آمدنی۔

(ج) لوگوں کے اموال میں سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اسے بھی الخرج والخراج کہتے ہیں (لسان العرب: مادۃ خ رج، نیز ملاحظہ ہوں القاموس المحیط مادہ خ رج) کلام عرب میں خراج کے معنی کرایہ، محصول، آمدنی، اجرت اور پیداوار کے ہیں اس لیے، عرب میں زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار، مکان سے ملنے والا کرایہ، غلام سے حاصل ہونے والی آمدنی کو ''خراج'' کہتے ہیں۔ (ابو عبید، کتاب الاموال: ۷۳)

اصطلاح میں خراج، زمین پر لگایا جانے والا ٹیکس ہے (الماوردی، احکام السطانیۃ: ۲۶۲، ابو یعلی، احکام السطانیۃ: ۱۴۶)

''خراج'' جزیہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یعنی اہل ذمہ پر لگایا جانے والا ٹیکس، مثلاً اہل نجران کے معاہدے میں یہ عبارت منقول ہے ''فما زادت علی الخراج، او نقصت عن الاواقی فبالحساب'' (مجموعۃ الوثائق: ۹۴)

اس طرح حضرت عمرؓ نے حضرت مغیرہ کے غلام ابولؤلؤ کی شکایت پر اس سے کہا کہ '' ماخراجک بکثیر بکنه عملک'' (طبقات ابن سعد: ۳/۲۵۰) اسی طرح امام ابوحنیفہ سے منقول ہے '' ولا یترک ذمی فی دارالاسلام بغیر خراج رأسه'' (الخراج لابی یوسف ۱۳۲)

خراجی زمین کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک وہ جو فوجی قوت کے ذریعہ فتح کی جائے۔ دوسری وہ جو صلحاً فتح ہو۔ اول الذکر کی مثال سواد عراق اور اراضی مصر اور ثانی الذکر کی مثال نصاری نجران کی ہے کہ معاہدہ صلح کے تحت ان پر سالانہ دو ہزار خراج عائد کیا گیا۔

(i) جمہور فقہاء (احناف، شوافع، زیدیہ نیز امام ابو عبید وغیرہ جزیہ کے طرح خراج کی بھی کوئی ایسی متعین مقدار نہیں خیال کرتے جس میں کمی بیشی نہ کی جا سکے البتہ ان کے نزدیک تعین خراج میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے گا کہ وہ مقدار نہ اتنی زیادہ ہو کہ کام کرنے والوں کے لیے گراں گزرے اور نہ اتنی کم ہو کہ مسلمانوں کی فئے کو نقصان پہنچے (ابو عبید، کتاب الاموال: ۴۱ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۵۲) الماوردی، الاحکام السطانیۃ: ۲۵۱، ۲۶۲،

اور اہل نجران کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ میرے فرستادہ محصلوں کی بیس دن کی مدت تک مہمانی کریں۔(۱) اور میرے فرستادوں کو تیس دن سے زیادہ نہ روکا جائے۔(۲) اور جب یمن میں کوئی سازش و بغاوت رونما ہو تو وہ (اہل نجران)

.... (ii) اہل نجران کی سہولت کیلئے حلوں کی مقدار مقرر کی گئی۔ ابوعبید لکھتے ہیں کہ خراج کی اصل رقم دو ہزار اوقیہ تھی، مطلب یہ ہے کہ حلے گنتی میں دو ہزار سے کم یا بیش ہوں تو اس کا تعین دو ہزار اوقیہ سے کیا جائے گا۔ گویا خراج کی اصل رقم دو ہزار اوقیہ تھی، حلے اس لیے لکھے کہ اس کی ادائیگی ان کے لیے آسان تھی (ابوعبید (م ن): ۵۰۵)

(iii) خراج میں کوئی ایک شے متعین کرنا ضروری نہیں یہی وجہ ہے کہ گھوڑوں اونٹوں اور زرہوں وغیرہ کا ذکر بھی کیا گیا۔ اس کی دلیل میں ابوعبید لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے جزیہ میں اونٹ لینا یا حضرت علیؓ کا سامان لینا، آپ ﷺ کے عمل سے ہی مستنبط تھا۔ معاہدہ کی عبارت بھی یہی بتا رہی ہے کہ اگر وہ دو ہزار حلے نہ دے سکیں بلکہ اونٹ یا گھوڑے اور زرہیں وغیرہ دیں تو یہ اشیاء بھی قیمت لگا کر دو ہزار اوقیہ کے حساب سے لے لی جائیں گی۔ (کتاب الاموال۔ فقرہ ۵۰۵ نیز الماوردی، الاحکام السلطانیۃ: ۲۷۱، ۲۷۶)

(۱) (i) یعنی مسلمان عمال کی بیس دن تک طعام وقیام کی ذمہ داری اہل نجران کے ذمہ ہے۔ اس قسم کی شرط بعض دیگر قبائل کے ساتھ بھی رکھی گئی مثلاً اہل تبالہ و جرش وغیرہ کے ساتھ بھی یہ شرط رکھی گئی کہ وہ (علاوہ جزیہ) مسلمانوں کی ضیافت کریں گے۔ شاید اس سے مسلمان عمال کے لیے غیر مسلم آبادیوں میں جا کر کام کرنے کی سہولت فراہم کرنا مقصود ہو یا مسلمان تجار کے لئے تجارتی اسفار میں آسانی فراہم کرنے کی غرض سے یہ شرط لگائی گئی ہو۔ کیونکہ یہ تمام مقامات تجارتی حوالہ سے عرب میں نہایت اہمیت رکھتے ہیں (ابن حبیب، کتاب المحبر: ۲۶۳، ۲۶۷)

ii جزیہ کے ساتھ اضافی اشیاء کی وصولی کا حکم: جزیہ کے ساتھ مذکورہ بالا اضافی شرائط جزیہ کا حصہ نہیں تھیں، امام اوزاعی اور ابوعبید کے نزدیک اس کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ ان اضافی شرائط (مہمانی وغیرہ کرنے) کا ذکر معاہدے میں پہلے سے کیا جاتا تھا۔ اور معاہدین کو کچھ تخفیف و سہولت دے دی جاتی تھی۔ اگر معاہدے میں پہلے سے اس کا ذکر نہ کیا ہو تو ان معاہدین کی مرضی کے بغیر ان کے مال واسباب سے کچھ لینا اور جزیہ سے زائد ان پر مزید کوئی بوجھ ڈالنا جائز نہیں اور اگر بوجہ مجبوری ان کی کوئی شے (پھل وغیرہ) استعمال کر لی گئی ہو تو اس کا معاوضہ ادا کرنا ضروری ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (ابوعبید (م ن) فقرہ نمبر: ۴۱۱، ۴۱۳، ۴۲۴)

(۲) حکومتی عمال (فرستادگان) کو ایک ماہ سے زیادہ نہ روکنے میں یہ کنایہ ہے کہ خراج کی ادائیگی میں تاخیر نہ کی جائے اور زیادہ سے زیادہ اس متعین عرصہ میں ادائیگی کر کے عمال کو رخصت کر دیا جائے۔

ہمیں تیس زرہیں اور تیس گھوڑے اور تیس اونٹ عاریتاً ادا کریں گے جن کے (تلف ہونے کی صورت میں ادائیگی کے) ضامن میرے فرستادگان ہوں گے۔(۱)

نجران اور اس کے ہمسایہ وحلیفوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ و امان ہوگا اس بات پر کہ ان کے مال وجان مذہب ان کے غیر موجود وموجود افراد اور ان کی عبادت گاہیں نیز جو کچھ تھوڑا یا بہت ان کے دست تصرف میں ہے وہ محفوظ رہے گا۔(۲)

کسی اسقف کو اس کے عہدہ سے تبدیل نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے ہٹایا جائے گا اور نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے ہٹایا جائے گا۔(۳) اور ان پر کسی قسم کی ذلت نہیں طاری کی جائے گی اور عہد

---

(۱) (i) کتاب الخراج لابی یوسف میں ہے کہ ''فهو ضمين على رسلي، حتى يؤدوه اليهم'' کتاب الخراج: ۳۴۴ کتاب الاموال لابی عبید میں ہے ''فهو ضامن على رسلي'' (الاموال فقرہ:۵۰۲)

(ii) معاہدہ کی اس دفعہ کے مطابق غیر مسلم معاہدین سے بوقت ضرورت جنگی امداد لینے کا جواز ہے۔ اس قسم کے تعاون وامداد کا ذکر دیگر کئی معاہدات میں گزر چکا ہے۔ (مثلاً میثاق مدینہ، بنوغفار، بنو جہینہ، بنوخزاعہ وغیرہ معاہدات ملاحظہ ہوں۔مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ معاہدہ نمبر ۱، ۲۱، ۳۸، ۳۴، ۱۵۹، ۱۶۱ وغیرہ) نیز ملاحظہ ہوں اس کے عملی مظاہر کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ حنین میں صفوان بن امیہ سے مدد حاصل کی حالانکہ وہ اس وقت مشرک تھے اسی طرح جنگ خیبر کے موقعے پر بنو قینقاع سے مدد لی (صحیح مسلم شرح نووی:۴/۸۳، الترمذی (م ن) کتاب السیر ،حدیث نمبر(۱۵۵۸، ۱۵۵۹)، ابن ہشام:۴/۸۳۔ نیل الاوطار: ۸/۴۳ وغیرہ)

(۲) (i) کتاب الخراج لابی یوسف میں یہ الفاظ ہیں۔''على اموالهم وانفسهم وارضهم وملتهم وغائبهم و شاهدهم وعشيرتهم وبيعهم'' (کتاب الخراج: ۷۲) معاہدہ کی اس دفعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم معاہدین اور ذمی اپنی آبادی میں آزادی کے ساتھ اپنے اصول وضوابط کے مطابق خرید و فروخت، معاشرتی و مذہبی رسومات ادا کر سکتے ہیں۔

(۳) اس دفعہ کے مطابق اہل نجران کو انتظامی اور مذہبی معاملات میں مکمل آزادی دی گئی وہ اپنے تمام انتظامی اور مذہبی معاملات میں خود مختار اور اپنے معاملات میں اسلامی حکومت سے توثیق کروانے کے پابند نہ تھے (محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ ﷺ، ص:۱۵۸)

جاہلیت کے کسی خون کی ذمہ داری ان کے سر نہ ہوگی۔(۱)

انہیں نہ تو فوجی خدمت کے لئے جمع کیا جائے گا اور نہ ہی ان سے عشر لیا جائے گا(۲) اور ان کے علاقہ میں کسی لشکر کو نہیں آنے دیا جائے گا۔(۳)

جو، ان (اہل نجران) سے اپنا حق طلب کرے گا تو مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان انصاف کیا جائے گا نہ ان

---

(۱) (i) کتاب الاموال میں ابوعبید نے اس دفعہ کا ذکر نہیں کیا البتہ اپنی کتاب غریب الحدیث میں شرح الفاظ کے تحت اس کا ذکر کیا ہے (ابوعبید کتاب الاموال فقرہ ۵۰۲۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ میں شرح الفاظ کے ضمن میں ملاحظہ ہو، وثیقہ نمبر ۹۴) کتاب الخراج لابی یوسف میں ہے " ولیس علیھم دنیة" یعنی ان کے ساتھ کوئی ایسے معاملہ نہیں کیا جائے گا جس کی بنا پر انہیں ذلیل ورسوا ہونا پڑے

(ii) ''زمانہ جاہلیت کے خون کا بدلہ ودیتیں اب ان سے وصول نہیں کی جائیں گی'' اس ضمن میں اسلام کا عام حکم یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت کے خون کا حساب وصول نہیں کیا جائے گا چنانچہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اس کا برملا اظہار کیا تھا کہ زمانہ جاہلیت کا ہر خون کالعدم ہے'' چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

((الا کل شیء من امر الجاهلية تحت قدمیَّ موضوع، ودماء الجاهلية موضوعة، وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث)) (مسلم، (م ن)، کتاب الحج، باب حجۃ النبی ﷺ حدیث نمبر (۲۹۵۰)

(۲) یہ "لايحشرون ولا يعشرون" کا ترجمہ ہے (اس قسم کی شرط بنوثقیف کے معاہدے میں بھی ہے، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۸۱)

ابوعبید کے نزدیک'' لایحشرون کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں محصول وغیرہ کی ادائیگی کے لیے جمع نہیں کیا جائے گا یعنی (ٹیکس /خراج کی ادائیگی کے لیے) انہیں عامل کے پاس نہیں آنا پڑے گا۔ (الاموال فقرہ نمبر ۵۰۶، ۵۰۲)

" لایعشرون" ابوعبیدہ کے نزدیک عشر سے مراد جاہلی دور میں رائج شدہ محصول چنگی کا ٹیکس تھا جو کہ دس فیصد لیا جاتا تھا چنانچہ وہ لکھتے ہیں " العشر بانه اخذ عشر اموالهم على ما كانت تفعل العر ب فی الجاهلية في التجارة" (کتاب الاموال ص ۱۹۲، ان الفاظ کی شرح کے لیے مزید ملاحظہ ہوں لسان العرب، مادۃ ''عشر'' نیز ابن اثیر النہایۃ: ۱/ ۱۶۹)

(۳) اس سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مسلمان ان پر لشکر کشی نہیں کریں گے اور دوسرا مفہوم یہ کہ دشمن اگر ان پر لشکر کشی کرے تو ان کی حفاظت کی جائے گی۔

پر ظلم ہونے دیا جائے گا اور نہ انہیں کسی دوسرے پر ظلم کرنے دیا جائے گا۔(۱)

(اہل نجران میں سے) جو آئندہ سود کھائے گا وہ میری ذمہ داری وامان سے خاج ہے اور ان کا کوئی آدمی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا۔(۲)

اس معاہدے میں جو کچھ تحریر ہے اس کے لئے اللہ اور محمد النبی رسول اللہ ﷺ کی ضمانت و ذمہ داری ہے حتی کہ اس بارے میں اللہ کا کوئی حکم ہو اور جب تک کہ اہل نجران خیر خواہی سے کام لیں گے اور شرائط کے وفادار (پابند) رہیں گے، الا یہ کہ ظلم سے کوئی انہیں کسی بات پر مجبور کرے۔

---

(۱) غیر مسلم کو انصاف فراہم کرنا/ریاستی ذمہ داری: غیر مسلم کو انصاف فراہم کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے چنانچہ معاہدہ کی شق،"ومن سأل منهم حقا فبينهم النصف......الخ" "اہل نجران میں سے جو حق طلب کرے گا تو مدعی و مدعا علیہ کے درمیان انصاف برتا جائے گا" یعنی اہل ذمہ کے درمیان یا اہل ذمہ اور مسلمانوں کے مابین کسی جھگڑے یا معاملے میں انصاف کا برتاؤ کیا جائے گا۔ یہ اسلام کا روشن اصول ہے جس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ﴾(النحل:۹۰) "اللہ تعالیٰ عدل اور بھلائی کا حکم دیتا ہے" نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾(المائدہ:۴۲) "اگر تم فیصلہ کرو تو ان (یہود) میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو" اسلام نے مذہبی بنیادوں پر کبھی بھی ایسا امتیازی سلوک نہیں کیا جس سے دوسروں کی حق تلفی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ز وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى أَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا قف هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ز وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾(المائدہ:۸)

(۲) i اہل نجران پر سود کی پابندی کے ضمن میں ابن القیم لکھتے ہیں کہ امام کے لئے جائز نہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ سود کے معاملہ پر مصالحت کرے کیونکہ یہ ان کے دین میں بھی حرام ہے اس طرح ان سے شراب (مسکرات) لواطت، زنا کی اجازت سے متعلق بھی مصالحت جائز نہیں (زاد المعاد:۳/۶۸۸) ابو عبید لکھتے ہیں کہ معاہدہ کی عبارت "جو آئندہ سود لے گا وہ میری ذمہ داری سے خارج ہو جائیگا"۔ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے دیگر معاصی چھوڑ کر خصوصیت سے سود خوری پر سخت گرفت فرمائی اور سود خوری ان کے لیے ناجائز ٹھہری حالانکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ یہ لوگ اس سے بھی بڑی نافرمانیوں کے مرتکب ہوتے ہیں مثلاً شرک، شراب خوری وغیرہ۔ یہ شرط صرف مسلمانوں کو سود سے محفوظ رکھنے کے لیے تھی تاکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ سودی کاروبار نہ کرسکیں اور اس طرح مسلمان سود خوری میں مبتلا نہ ہوں۔ اگر مسلمانوں کا معاملہ نہ ہوتا تو ان کی سود خوری بھی دوسرے جرائم کی طرح ہوتی، بلکہ شرک ان سب سے بڑا جرم تھا چنانچہ بعد میں حضرت عمرؓ نے جب انہیں جلا وطن کیا تو صرف اس بنا پر کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طے شدہ سود خوری نہ کرنے کی شرط توڑ دی تھی (کتاب الاموال (م ن)، ۵۰۵)

ii ابن قیم فرماتے ہیں کہ اگر معاہدہ توڑنے اور سود خوری پر نقض ذمہ کی شرط رکھی گئی ہو تو معاہدہ ختم ہو جائے گا، زاد المعاد میں ہے "هذا دليل على انتقاض عهد باحداث، واكل الربا اذا كان مشروطاً عليهم" (زاد المعاد:۲/۴۷۳)

۲۔ دومۃ الجندل

دومۃ الجندل حجاز سے شام اور عراق جانے والے تجارتی راستوں کا مقام اتصال تھا۔ یہاں بنو کلب اور بنو کندہ کے خاندان آباد تھے۔ (۱) عرب اور شام کے تجارتی راستے پر اور تجارتی منڈی کے نگران ہونے کی وجہ سے یہاں کے قبائل (کندہ وکلب) معاشی طور پر نہایت مضبوط اور خوشحال تھے۔ (۲) سیاسی اعتبار سے یہاں کے قبائل کی پشت پناہی بیزنطین کی حکومت کرتی تھی۔ انہیں قیصر روم کی طرف سے امداد یا وظیفہ بھی ملتا تھا۔ (۳)

عہد نبوی میں یہاں بنو کندہ کے فرد اکیدر کی حکمرانی تھی جو مذہباً نصرانی تھا۔ (۴) اکیدر کے متعلق مآخذ نے لکھا ہے کہ یہ عرب تاجروں کو تنگ کرتا تھا۔ (۵) اس ظلم کے قلع قمع کے لئے آپ ﷺ نے اس کے خلاف کارروائی بھی فرمائی تھی۔ (۶)

غزوہ تبوک کے سفر میں رسول اللہ ﷺ نے تین سو (بروایت ثانی چار سو بیس) سواروں کا ایک فوجی دستہ حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں دومۃ الجندل روانہ کیا۔ انہوں نے اکیدر کو چند ساتھیوں سمیت گھر کے باہر گرفتار کر لیا اور خدمت نبوی میں حاضر کر دیا۔ اکیدر نے اس موقع پر اسلامی ریاست کی بالا دستی کو قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے اس کی جان بخشی کر دی اور جزیہ پر اس سے صلح کر لی۔ (۷)

---

(۱) القلقشندی، صبح الاعشیٰ: ۴/۲۹۲، ۱/۳۱۶، یاقوت، معجم البلدان: ۲/۴۸۷، ۴/۱۰۷، نیز المسعودی، التنبیہ والاشراف، ۲۱۵

(۲) ابن حبیب، کتاب المحبر ۲۶۳، ۲۶۴، المرزوقی، کتاب الازمنۃ والامکنۃ ۲/۱۶۱، آلوسی، بلوغ الارب: ۱/۲۸۲

(۳) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۳/۲۲۴، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص: ۱۹۰

(۴) الطبری، (القاہرہ) ۳/۱۴۶۔۱۴۷، ابن درید، الاشتقاق: ۱/۳۷

(۵) ابن حبیب، کتاب المحبر ۲۶۳، ۲۶۴، المسعودی، التنبیہ والاشراف: ۲۴۸

(۶) ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۲۸۸، ۲۸۹، ابن ہشام، ۶۶۸

(۷) ابن ہشام، ۴/۱۷۰، زاد المعاد: ۳/۶۴۰، ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ۵/۱۷، السیوطی، الخصائص الکبریٰ، ۲/۱۱۲، ۱۱۳، نیز الزرقانی، شرح المواہب، ۳/۳۶۲، ابن قدامۃ، المغنی: ۸/۴۹۹

اکیدر سے معاہدۂ صلح (۱)

''بسم اللہ الرحمن الرحیم: محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دوماء الجندل اور اس کے مضافات کے حاکم اکیدر کے نام جب اس نے بتوں کی پرستش کو چھوڑا اور خالد بن ولید سیف اللہ کے ذریعے اسلام قبول کرلیا۔(۲) تو اس وقت یہ عہد نامہ تحریر کیا گیا کہ

اس علاقہ (دومۃ الجندل) کے اتھلے پانی والی زمین (۳) اور بنجر و غیر آباد (۴)

---

(۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں کہ یہ معاہدہ بارہ کتابوں میں ملتا ہے: سب سے بہتر متن المواہب اللدنیہ میں ہے۔(رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۱۹۷)، متن معاہدہ کے لیے ملاحظہ ہوں کتب، (ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر ۵۰۸، الزرقانی، المواہب اللدنیۃ، ۲/ ۲۹۸، البلاذری، فتوح البلدان، ۶۱، ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/ ۲۸۸، ۲۸۹، القلقشندی، صبح الأعشی، ۶/ ۳۷۰، المقریزی، إمتاع الاسماع: ۱/ ۴۶۶، محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۹۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے معاہدہ کی اکیدر کی طرف نسبت میں شک کا اظہار بھی کیا ہے۔(رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی: ۲۹۵)

(۲) ابن سعد اور ابوعبید کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اکیدر نے اسلام قبول کرلیا تھا۔ کتاب الاموال میں ہے ''من محمد رسول اللہ لأکیدر حین أجاب إلی الاسلام وخلع الانداد والأصنام، (ابن سعد، (م ن) ۱/ ۲۸۸، ابوعبید: فقرہ نمبر ۵۰۸) واقدی کا کہنا ہے کہ اکیدر اسلام لے آیا تھا لیکن بعد میں عہد ابوبکرؓ میں مرتد ہوگیا اور قتل کر دیا گیا۔ الزرقانی، شرح المواہب، ۳/ ۳۶۷،) ابن ہشام اور ابن کثیر نے اکیدر کے اسلام کا تذکرہ نہیں کیا۔(ابن ہشام السیرۃ النبویۃ: ۹۰۳، البدایۃ والنہایۃ، ۵/ ۱۷) البتہ یہ بات بالکل واضح نظر آتی ہے کہ مسلمانوں کو اس کی حیثیت پر شک تھا جبھی اس کے ساتھ معاہدہ صلح کے بعد بھی اسلحہ، قلعہ اور گھوڑوں وغیرہ پر قبضہ کرلیا گیا۔(مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ: وثیقہ نمبر ۱۰۹)

(۳) معاہدہ میں ہے ''الضاحیۃ من الضَّحل'' ابوعبید لکھتے ہیں کہ ''الضاحیۃ فی کلام العرب کل ارض بارزۃ من نواحی الأرض واطرافھا'' و ''الضحل'' القلیل من المآء'' عربی زبان میں ''ضاحیہ'' بستیوں کے آس پاس کی کھلی زمین پر بولا جاتا ہے' نیز ''الضحل'' تھوڑی مقدار میں پانی کو کہا جاتا ہے، ایک روایت میں ''الضیاحۃ من البعل'' (الوثائق السیاسۃ، وثیقہ نمبر: ۱۹۱) بھی آتا ہے جس کے معنی بارانی زمین کے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ وہ زمینیں اور پانی ہیں جو آبادیوں سے باہر ہیں اور کسی کی ملکیت میں نہیں ایسی زمینیں اور پانی کے ذخیرے اسلامی ریاست کی ملکیت میں شمار ہوں گے۔

(۴) یہ عربی لفظ ''البور'' کا ترجمہ ہے ابوعبید اور ابن الاثیر لکھتے ہیں ''البور'' الارض التی لم تحرث (تاج العروس، مادہ '' ب و ر'' یعنی ایسی زمینیں جو غیر آباد ہیں اور ان پر کاشت نہیں کی جاتی یا وہ قابل کاشت نہیں۔

بیابان (۱) وغیر ملکیتی زمینیں (۲) زرہیں (۳)، اسلحہ گھوڑے اور سواری کے دیگر سم دار جانور (۴) اور قلعے ہمارے (مسلمانوں کے) ہیں اور تمہارے لئے بستیوں کے باغات، آباد زمینوں کے چشمے ہیں۔ (۵)

تمہارے مویشیوں کو چراگاہوں میں چرنے سے نہیں روکا جائے گا نہ انہیں زکوٰۃ وصول کرنے والے کے پاس جمع کیا جائے گا بلکہ انہیں پانیوں کے پاس اور چراگاہ میں ہی گن لیا جائے گا۔ الگ

---

(۱) یہ ''المعامی'' کا ترجمہ ہے یعنی ایسی زمینیں جو بیابان و بے نشان ہوں۔ تاج العروس (م ن)

(۲) ''الأغفال'' ''التی لا اثار بها'' یعنی بے نشان زمینیں ویرانے وغیرہ، لسان العرب، تاج العروس، مادہ ''غفل''

(۳) فتنہ وفساد یا بغاوت کے پیش نظر عوامی اسلحہ کو ریاستی ملکیت میں لینا: ''الحلقة'' ابوعبید کے نزدیک اس سے مراد زرہیں ہیں اور یہ ہر قسم کے اسلحہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ تاج العروس، مادہ ''حلق'' اس معاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست کے ایسے خود مختار قبائل یا علاقے جو اگرچہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں اگر ان کی طرف سے ریاست کے خلاف بغاوت کا خطرہ ہو تو ان سے تمام اسلحہ اور دیگر جنگی اسباب زبردستی جمع کر کے ریاستی قبضہ میں لیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے دومة الجندل والوں کے اسلحہ، گھوڑے اور قلعے اپنے قبضے میں لے لیے یہی کام حضرت ابوبکرؓ نے قبائل اسد وغطفان کے ساتھ کیا۔ (ابوعبید، کتاب الاموال: فقرہ: ۵۰۸، ۵۰۹) اس دفعہ سے عوام کے پاس خطرناک اسلحہ کی بندش کے قانون کا جواز بھی ملتا ہے۔

(۴) ''الحافر'' ابوعبید کے نزدیک الحافر الخیل و غیرها من ذات الحافر ''کھر دار جانور، گھوڑے وغیرہ'' تاج العروس ''حفر''

(۵) ''المعین من المعمور ابوعبید کہتے ہیں ''المعین'' الماء الدائم الظاهر مثل ماء العیون، و نحوها والمعور: بلادهم التی یسکنونها'' مراد یہ کہ ان کے آبادی کے چشمے جن سے وہ پانی استعمال کرتے ہیں ان ہی کی ملکیت و تصرف میں رہنے دیئے گئے۔

الگ مالکان کے جانوروں کو اکٹھا کر کے (برائے زکوٰۃ) شمار نہیں کیا جائے گا۔(۱) تمہیں زمین کی پیداوار سے نہیں روکا جائے گا۔(۲)

تم وقت کی پابندی کے ساتھ نماز قائم کرو گے اور پوری زکوٰۃ ادا کرو گے۔تمہارے اوپر اس عہد نامہ کے حوالے سے پختہ عہد کی ذمہ داری لازم ہے اور (اس کے بدلے میں) تمہارے ساتھ صدق و وفا کی جائے گی''۔

---

(۱) معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں ''ولا تُعدّ فاردَتکم'' ابن سعد واقدی کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں ''الفارد: مالا تجب فیه الصدقة'' ابوعبید کہتے ہیں ''یعنی فی الصدقة، أی لا تعدُّ مع غیرها فتضم إلیها ثم تصدق، وهذا نحومن قوله: ''لا یُجمَعُ بین مفترق'' ''یعنی زکوٰۃ کے لئے مختلف مالکان کے جانوروں کو اس لئے ساتھ ملا دینا تاکہ زیادہ ہو جانے کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ لگ جائے، جائز نہیں'' (ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر:۱۰۹۲،۲/ ۱۰۷)

(۲) پیداوار سے نہ روکنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے زمینوں کو کاشت کرنے کی کوئی ممانعت نہ ہوگی چنانچہ بلاذری لکھتے ہیں:''الا یحظر علیهم النبات'' ای لا تمنعون من الزراعة'' (فتوح البلدان:۶۲)

۳۔اہل ایلہ سے معاہدہ

غزوہ تبوک کے سفر میں جب دومۃ الجندل کی بات دوسرے قبائل تک پہنچی تو انہوں نے بھی ڈر کے مارے اسی میں عافیت سمجھی کہ مسلمانوں صلح کرلیں چنانچہ اہل ایلہ، مقنا، اہل جرباء واذرح خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور صلح کے معاہدات کیئے۔(۱)

اہل ایلہ سے معاہدہ:

ایلہ بحرقلزم کے ساحل پر شام کے قریب حجاز کی آخری حد تھی۔دومۃ الجندل کی طرح یہ علاقہ بھی تجارتی مرکز تھا۔(۲) یہاں کا حاکم یحنہ بن روبہ جوکہ مقامی پادری بھی تھا۔غزوہ تبوک کے سفر میں نبی کریم ﷺ کے خدمت میں صلح کے لیے حاضر ہوا۔آپ ﷺ نے اس کے ساتھ صلح کا معاہدہ کیا بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے ایک دستہ کومکتوب مبارک دے کر حاکم ایلہ کی طرف روانہ فرمایا اس مکتوب میں اسے اسلام کی دعوت دی گئی۔اوردوسری صورت میں جزیہ کی بات کی گئی اس خط میں انہیں یہ بھی لکھا گیا کہ اہل مقنا کوان کے وطن روانہ کرو(۳)

اس مکتوب کے بعد حاکم ایلہ خود حاضر ہوااور معاہدہ صلح طے ہوا۔

---

(۱) (i) ابن ہشام۔السیر ۃ النبویہ:۴/۱۶۹،البلاذری ،فتوح البلدان:۵۹،۶۱ ابن سعد، الطبقات الکبری:۱/۲۸۹، السہیلی،الروض الانف:۲/۳۱۹،۳۲۰،ابن کثیر،البدایۃ والنھایۃ:۵/۱۶

(ii) اہل جرباء واذرح بھی شام کی حدود میں چھوٹی چھوٹی بستیاں تھیں تبوک کے موقع پران کے وفود بھی حاضر ہوئے اور سوسو دینار سالانہ جزیہ پر صلح کرلی (یاقوت،معجم البلدان:۱/۱۲۹،۳/۱۱۸، المقریزی اِمتاع الاسماع:۱/۴۶۸۔۴۶۹۔ نیز ملاحظہ ہوں، ابن سعد، الطبقات الکبری:۱/۲۷۷،۲۷۸،۲۸۹،۲۹۰، البلاذری ،فتوح البلدان:۵۹،زادالمعاد:۳/۶۳۹)

(۲) یاقوت،معجم البلدان:۱/۲۹۲۔نیزابن ہشام:۴/۱۶۹

(۳) ابن سعد:۱/۲۷۸،الزرقانی:۳/۳۶۰۔مزید ملاحظہ ہو۔ابوداؤد،السنن:۱/۴۰۷-۸

معاہدہ صلح (۱)

''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' یہ امان نامہ اللہ اور محمد نبی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یوحنہ بن رؤبہ اور ایلہ کے باشندگان (۲) کے نام ہے ان کی کشتیوں اور قافلوں کے لیے بھی امان ہے خواہ وہ خشکی میں ہوں یا سمندر میں اس امان میں ان کے ساتھ ان کے وہ حلیف بھی شامل ہیں جو شام ویمن اور بحر (۳) کے علاقہ میں ہیں۔

اب (ان معاہدین میں سے) جو بھی عہد شکنی کرے گا تو اس کا مال اس کی جان نہیں بچا سکے گا، اور ان کے اموال لوگوں کے لیے مباح ہو جائیں گے۔ اور ان کو کسی بندرگاہ پر اترنے سے یا خشکی وسمندر کے راستے (جس کو وہ اختیاز کرنا چاہیں) سے روکنا جائز نہ ہوگا۔ (۴)

---

(۱) معاہدہ کے مصادر کے لیے ملاحظہ ہوں کتب۔ ابن ہشام: ۲/۵۲۵، ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ: ۵۱۳، ابن سعد، ۱/۲۸۹، البلاذری، فتوح، البلدان، ص: ۵۹، زادالمعاد: ۳/۶۳۹، المقریزی۔ امتاع الاسماع: ۴۶۸، الزرقانی، شرح المواہب ۳/۳۵۷، ۳۶۰، محمد حمید اللہ۔ مجموعہ الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر: ۳۱، معاہدہ کا ذکر بغیر متن کے صحیحین میں بھی ہے (البخاری الجامع الصحیح، کتاب الجزیہ: ۶/۷۷، الجامع الصحیح لامام مسلم، کتاب الفضائل ۷/۶۱)

(۲) یہاں کی آبادی یہود ونصاری پر مشتمل تھی بعض مصادر کے مطابق یہاں یہودیوں کی اکثریت تھی۔ البتہ غلبہ نصرانیوں کا ہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حکمران بھی (یحنہ) نصرانی ہی تھا۔ (یاقوت، معجم البلدان: ۱/۴۲۲) آپ ﷺ کی طرف سے امان کے مخاطبین دونوں طبقات تھے یعنی یہودی اور نصرانی اور ان کے حلیف (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں عون شریف، نشاۃ الدولۃ الاسلامیۃ: ۱۲۳)

(۳) ''اہل البحر'' اس سے مراد بحر قلزم کے آس پاس کی بستیاں ہیں، ابن اثیر لکھتے ہیں " ان العرب یسمون القری والمدن بحارا یعنون بھا مواطن الحضر وقدتعنی ایضا الذین یجوبون البحار"(النہایۃ :۱/۷۵)''عرب بڑے شہروں اور بستیوں کو''بحار'' کہا کرتے تھے اور اس سے ان کی مراد متمدن شہر تھے اور اس سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو اکثر سمندری سفر کرتے ہوں''

(۴) یعنی اہل ایلہ اسلامی سرزمین میں آزادنہ تجارت کے لیے آسکیں گے اور دیگر ممالک سے بھی تجارت کر سکیں گے ان کی بندرگاہ میں ان کے ساتھ تجارت کرنے والے اگرچہ شام ویمن کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں وہ بھی امن سے رہیں گے۔ دوسرے لفظوں میں ان کے لیے یہ آزادی بھی ہے کہ وہ مسلمانوں کے حربیوں (شام وغیرہ، ابن ہشام: ۴/۱۶) کے ساتھ بھی آزادانہ تجارت کر سکتے ہیں اور مسلمانوں کے حربی ان کے ساتھ لین دین کے لیے آئیں تو وہ بھی اس امان میں داخل ہیں۔ (ملاحظہ ہو، محمد حمید اللہ رسول اکرم کی سیاسی زندگی۔ ص: ۱۹۹)

فقہی مباحث کا تفصیلی جائزہ

معاہدہ نجران، دومۃ الجندل اور ایلہ وغیرہ کے ضمن میں فقہی مباحث کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ فکر وعقیدہ کی آزادی اور اسلام

۲۔ صرف جرم کا مرتکب معاہد ہی قابل مواخذہ ہوگا

۳۔ دھوکہ دہی اور عدم خیر خواہی کے آثار وقرائن پر صلح فسخ کرنا

۴۔ اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کرنے والے غیر مسلموں کی املاک

۵۔ مالی وصولیوں میں ریاست کی طرف سے عوام کے لئے رعایت وسہولت

۶۔ اہل حرب سے تجارتی تعلقات اور لین دین کا حکم

۷۔ معاہدین کے اموال پر ریاستی قبضہ کا حکم

۸۔ معاہدین اور اہل ذمہ کی عہد شکنی کی سزا

۹۔ جزیہ

۱۔ فکر وعقیدہ کی آزادی اور اسلام

اسلام وہ مذہب ہے جس نے مذہب وعقیدہ کی آزادی کے حقیقی تصور سے دنیا کو آشناء کیا ہے۔ اسلام سے قبل مذہب وعقیدہ کے اختلاف کی رعایت کا کوئی تصور دنیا میں موجود نہیں تھا۔ ہر غالب کا اپنے مغلوب سے پہلا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کر اس (غالب) کا مذہب اختیار کر لے بصورت دیگر وہ دنیا میں رہنے کے قابل نہیں۔ تاریخ کے اوراق میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں مثلاً

چوتھی صدی عیسوی کے شروع میں روم کی فتح کے بعد عیسائیوں نے ہر مذہب پسند یہودی کو جلانے کی سزا سنائی۔(۱) پھر چھٹی صدی عیسوی میں فلسطینی یہود نے اس وقت کے نصاریٰ کے ساتھ یہی تاریخ دہرائی اور نجران میں موجود تمام گرجے

---

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، الطعیمات، ہانی سلیمان' حقوق الانسان وحریاتہ الاساسیۃ، ط۔ا۔عمان، دار الشروق، طبع ۲۰۰۱، ص: ۱۷۶

جلا دیئے گئے اور مسیحیوں کو آگ کے گڑھوں میں پھینکا گیا۔(۱)

اسی تعصب کے تسلسل میں مشرکین مکہ کو یہ برداشت نہ ہوا کہ دین حق (اسلام) کی روشنی سے دنیا منور ہو چنانچہ انہوں نے اسلام کے پیروکاروں کو ہر ممکنہ تکلیف پہنچائی چنانچہ شاہ حبشہ کے دربار میں تقریر کرتے ہوئے مشرکین مکہ کے اس مذہبی تعصب کی طرف حضرت جعفر طیارؓ نے اشارہ فرمایا کہ ''ہم جاہل قوم تھے، بتوں کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے...... اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ہی ایک رسول بھیجا...... جس نے ہمیں توحید کی طرف بلایا...... سچائی کا حکم دیا...... ہم نے اس کے حکم کی تعمیل کی تو ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی انہوں نے ہمیں سخت عذاب دیئے، ہمیں ہمارے دین کی خاطر کڑی آزمائشوں میں مبتلا کر دیا تاکہ ہمیں خدائے یکتا کی عبادت سے موڑ کر بتوں کو پوجنے پر لگا دیا جائے...... جب ہماری قوم نے ہم پر قہر و جبر کیا اور ہم پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا اور ہمار اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہوئے تو ہم نے آپ کے ملک کی طرف ہجرت کی۔'' (۲)

دنیا میں موجود مذہبی تعصب کی یہ ہلکی سے جھلک تھی۔ ان حالات میں پیغمبر اسلام ﷺ نے دنیا کو حریت عقیدہ و تصور فراہم کیا جس کی روشنی میں ہر آدمی معاشرے میں اپنے مذہبی نظریات وعقائد کے مطابق آزادی سے بودوباش کرسکتا ہے۔

غیر مسلم معاہدین کے ساتھ آپ ﷺ کے معاہدات میں اس کے نہایت واضح نظائر ملتے ہیں چنانچہ آپ ﷺ نے شاہان حمیر، ہمدان، بنی حارث بن کعب اور نجران کی طرف تحریروں میں حریت عقیدہ کے متعلق نہایت واضح حکم ارشاد فرمایا کہ جو شخص اپنے یہودی یا عیسائی مذہب پر قائم رہے اسے ہرگز مذہب بدلنے کے لئے مجبور نہ کیا جائے چنانچہ ارشاد ہوا کہ ''و من كان على نصرانيته أو يهوديته فانه لا يرد عنها'' (۳)

---

(۱) قرآن نے بھی اس قسم کے واقعہ کا اشارہ ﴿قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ﴾ (البروج:۴) کی صورت میں دیا ہے۔

(۲) ابن ہشام:۱/۳۵۹۔۶۰

(۳) ابن ہشام:۴/۲۳۶،۲۴۱، نیز ملاحظہ ہو، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰۵،۱۱۰،۱۱۱،۱۱۳)

حریت عقیدہ کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کے لئے جبر و اکراہ جائز نہیں۔ اس ضمن میں آیات قرآنی حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ﴿ لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَىِّ﴾ (۱)

''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے''

ابن العربی اس آیت کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ غیر منسوخ اور محکم آیت قرآنی ہے۔ (۲)

۲۔ ﴿وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ﴾(۳)

''اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا آپ، لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ مومن ہی ہو جائیں''۔

۳۔ ﴿ وَقُلِ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡيُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡيَكۡفُرۡ﴾ (۴)

''اور (اے نبی ﷺ) آپ اعلان کر دیں کہ یہ سراسر برحق قرآن ہے تمہارے رب کی طرف سے ہے اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے''

۴۔ ﴿وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾ (۵)

''اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راہ پر گروہ کر دیتا''

---

(۱) البقرہ:۲۵۶

(۲) ابن العربی، احکام القرآن: ۲/۲۹۴، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں، کتب، القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۲/۲۹۴، الرازی، تفسیر کبیر: ۴/۱۵۔۱۶

(۳) یونس:۹۹

(۴) الکہف:۲۹

(۵) ھود:۱۱۸

ان آیات کی شرح میں تفسیر المنار کے مؤلف لکھتے ہیں:

"هذه الآيات (لا اكراه فى الدين) و غير ها كثير من القرآن تدل على ان الدين هداية اختيارية للناس تعرض مؤيدة بالآيات والبينات، و ان الاكراه ممنوع و ان العمدة فى دعوة الدين بيانه حتى تبين الرشد من الغى والهدى من الضلالة، و ان الناس مخيرون بعد ذلك فى قبوله و تركه ما يفيد. كذلک بان القتال شرع لتأمين الدعوة ولكف أذى الكافرين المؤمنين فلا يزعزعوا الضعيف فى ايمانه ولا يفتنوا القوى فى دينه و بعبارة أخرى، فإن انتفاء الاكراه فى الدين قاعدة كبرى من قواعد الدين الاسلامى وركن عظيم من أركانه" (۱)

''آیت''لا اکراہ فی الدین'' اور اس طرح کی دیگر آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ دین لوگوں کے لئے ایک اختیاری ہدایت ہے جس کو آیات و بینات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اور یہ کہ دین کو اختیار کرنے میں زبردستی ممنوع ہے۔ دعوت دین میں بنیاد یہ ہے کہ اس کو (دلائل سے) واضح کرنا ہے تا کہ سیدھی راہ، کج سے اور ہدایت گمراہی سے الگ اور واضح ہو جائے۔ یہ آیات اس پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ اس دعوت کے بعد لوگ اس کو قبول کرنے یا اس سے انکار کرنے میں با اختیار ہیں۔ جہاں تک قتال کا معاملہ ہے تو وہ اسی دعوت کی حفاظت اور کافروں کی اذیت سے اہل ایمان کو بچانے کے لئے شروع ہوا ہے(۲) تا کہ ضعیف اپنے ایمان میں متزلزل نہ ہو اور قوی اپنے دین کے معاملہ میں آزمائش کا شکار نہ ہو۔ بالفاظ دیگر دین میں زبردستی کا نہ ہونا دین کے بڑے قواعد میں سے ایک قاعدہ اور اس کے ارکان میں سے ایک رکن ہے''۔

---

(۱) محمد رشید رضا، تفسیر المنار: ۱۰/۱۶۱، ۳/۳۳

(۲) کاسانی کے مطابق جنگ کا جائز قرار دیا جانا خود جنگ کے لئے نہیں بلکہ اسلام کی دعوت کے (راستے میں رکاوٹوں کو دور کرنے کے) لئے ہے۔ (بدائع الصنائع: ۷/۱۰۰)

عبادت گاہوں کا تحفظ:

حریتِ فکر وعقیدہ کا اسلامی تصور محض فکر و خیال تک ہی محدود نہیں اس کی عملی تصویر اس وقت سامنے آتی ہے جب یہ دیکھا جائے کہ اسلام ان اداروں کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہے جہاں فکر پنپتی اور پروان چڑھتی ہے۔

شریعت اسلامیہ کے مطابق غیر مسلم معاہدین کی عبادت گاہوں کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نجران کے ساتھ معاہدہ میں آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری اٹھائی کہ ان کی عبادت گاہیں محفوظ رہیں گی اور اس میں مسلمان کسی طور پر دخل اندازی نہیں کریں گے۔ اسی طرح کی ہدایات آپ ﷺ نے کئی دیگر غیر مسلم معاہدین کے لیے بھی جاری فرمائیں۔(۱)

قرآن مجید میں جہاد کی ضرورت وحکمت کی بحث میں عبادت گاہوں کے تحفظ کا ذکر بھی فرمایا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ...... الخ﴾ (۲)

''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے''۔

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اگر جہاد کا حکم نہ ہوتا تو دنیا میں ظلم وجور اس قدر بڑھ جاتا کہ عبادت گاہیں تک محفوظ نہ رہتیں۔(۳)

فقہاء کرام نے اس موضوع میں تفصیل سے مباحث قلم بند کئے ہیں۔ مثلاً موجودہ معابد کے احکام، جدید معابد کی تعمیر، شعائر دینیہ بجالانے کی آزادی وغیرہ امور خاص طور پر زیر بحث آئے ہیں' ذیل میں اس سلسلہ کے احکام کا مختصر جائزہ پیش ہے۔

---

(۱) مثلاً ملاحظہ ہوں اہل مقنا وغیرہ سے معاہدہ۔ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ وثیقہ نمبر ۳۴

(۲) الحج: ۴۰

(۳) القرطبی، الجامع لاحکام القرآن: ۲/۷۰، الماوردی، النکت والعیون: ۳/۸۴، نیز مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تفسیر المظہری: ۲:۹، جز ۱۷ص: ۱۲۵، ۱۲۶

دارالاسلام میں اہل ذمہ کی عبادت گاہوں کی تعمیر:

اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے امصار مسلمین کو تین اجزا میں تقسیم کیا ہے

(۱) ایسے شہر جنہیں مسلمانوں نے آباد کیا ہو: (کتب فقہ میں ان شہروں میں کوفہ، بصرہ اور بغداد وغیرہ مذکور ہیں) ایسے شہروں میں اہل ذمہ کے معابد و کنائس وغیرہ تعمیر کرنا درست نہیں۔

(۲) جن شہروں کو عنوۃً فتح کیا گیا ہو ان شہروں میں جدید کنیسہ ومعبد کی تعمیر درست نہیں ہے۔ البتہ امام مالک کے شاگرد، ابن القاسم نے امام کی رائے کی موجودگی میں جدید معابد اور کنائس کی تعمیر کو جائز قرار دیا ہے۔

(۳) جن شہروں کو صلحاً فتح کیا گیا ہو: اگر صلح اس شرط پر قرار پائی ہو کہ اراضی اہل ذمہ کے پاس ہی رہے گی اور حکومت اس میں خراج لے گی تو اس صورت میں جدید معابد و کنائس کی تعمیر درست ہے۔ اگر صلح اس شرط پر ٹھہری ہو کہ زمین اور مکانات حکومت کے ہیں اور وہ جزیہ ادا کریں گے تو ان کے معابد کا حکم اس شرط کے مطابق ہوگا، یعنی اگر صلح میں یہ شرط ٹھہری ہو کہ وہ جدید معابد تعمیر کر سکیں گے تو فبھا، بصورت دیگر نہیں۔

(ا) مالکیہ کے ہاں صلحاً مفتوح اراضی میں اس کے باسیوں کے لیے جدید معابد کی تعمیر کا حق ہے چاہے اس کی شرط ٹھہری ہو یا نہیں۔(۱)

(ب) باقی بستیوں اور ایسے شہروں میں جن کو مسلمانوں نے آباد نہیں کیا ان میں معابد و کنائس کی تعمیر کے سلسلہ میں صاحب بدائع لکھتے ہیں "**لا یمنعون من احداث الکنائس والبیع فی ھذہ الاماکن**"(۲)

"ان جگہوں میں نئے معابد و کنائس بنانے سے نہیں روکا جائے گا"

امام سرخسی کے بقول جن بستیوں میں اہل ذمہ کی اکثریت ہو ان میں جدید معابد کی تعمیر ائمہ حنفیہ کی رائے میں

---

(۱) ملاحظہ ہو: المغنی: ۸/ ۵۲۶، ۵۲۷، البحر الذخار ۵/ ۴۶۲، ۴۶۳، شرح الخرشی: ۳/ ۱۴۸، منھج الجلیل شرح مختصر الخلیل: ۱/ ۷۶۱ متن المنھاج ومغنی المحتاج: ۴/ ۲۵۳، فتح القدیر ۴/ ۳۷۸

(۲) الکاسانی، بدائع الصنائع: ۷/ ۱۱۴

درست ہے البتہ جن بستیوں میں مسلمان آباد ہوں ان کے حکم میں مشائخ حنفیہ کی آراء میں اختلاف ہے۔(۱)

الدر المختار میں بالعموم بستیوں میں جدید معابد کی تعمیر کی ممانعت مذکور ہے۔(۲) رد المختار میں ابن عابدین نے اس رائے کا راجح ہونا ذکر کیا ہے۔(۳) شافعیہ کے ہاں بالعموم مسلمانوں کے آباد کردہ شہروں کے علاوہ تمام علاقوں میں جدید معابد کی تعمیر کا جواز ہے۔(۴)

پہلے سے موجود معابد کا حکم

عنوۃ فتح کئے گئے شہروں میں کسی معبد کو منہدم نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے اس کے کہ حنفیہ کی رائے میں بطور معبد ان کی حیثیت تبدیل ہو جائے گی البتہ شافعیہ کے ہاں ایک قول میں ان معابد کو گرانا واجب ہے کیونکہ شہر صلحاً فتح نہیں ہوا بلکہ اسے عنوۃً فتح کیا گیا ہے۔ دوسرے قول میں ان موجود معابد کو باقی رکھنا مذکور ہے۔ صحابہؓ کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عمال کو تحریر کیا "لا يهدموا بيعة ولا كنيسة ولا بيت نار" (۵) ''کسی مدراس کنیسہ اور آتشکدہ کو منہدم نہ کیا جائے'' المغنی کے مطابق اس پر فقہاء کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔(۶)

معاصر محقق ڈاکٹر زیدان نے اس سلسلہ میں زیدیۃ اور ابن القاسم المالکی کی رائے کو ترجیح دی ہے کہ مسلم ممالک میں جدید معابد و کنائس کی تعمیر درست ہے اس طرح عنوۃً مفتوح اراضی میں امام کی اجازت سے جدید معابد تعمیر کیے جاسکتے ہیں۔ عصر حاضر میں جمہوری ریاستوں کے نظام میں اقلیتوں کی لیے کوئی ایسی پابندی عائد نہیں کی جاتی جس سے ان کی دینی آزادی متاثر ہو۔ چنانچہ اہل ذمہ کے لئے حجاز مقدس کے ماسوا دیگر تمام شہروں میں بلا امتیاز جدید معابد کی تعمیر کا جواز ان کی دینی آزادی کے تحت جائز ہے۔(۷)

---

(۱) شرح السیر الکبیر: ۳/۲۵۳

(۲) الدر المختار: ۳/۲۵۴

(۳) رد المختار: ۳/۳۷۴

(۴) نھایۃ المحتاج الی شرح المنھاج: ۷/۲۳۹

(۵) نیز ملاحظہ ہو حضرت خالد بن ولید کا اہل عانات اور بعض دیگر غیر مسلموں سے صلح کرتے وقت عبادت گاہوں کا تحفظ اور مذہبی آزادی فراہم کرنے سے متعلق بحث (ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۴۶، ۱۴۷)

(۶) المغنی: ۸/۵۲۷

(۷) المغنی (م ن)

غیر مسلموں کے لئے مذہبی شعائر اور تہواروں کی بجا آوری:

حنفیہ کی رائے میں اہل ذمہ کو ان کے معابد میں شعائر دینیہ پر عمل کرنے میں مکمل آزادی حاصل ہے تاہم عبادت گاہوں سے باہر کھلے عام مذہبی تہواروں کی بجا آوری کا اختیار نہیں کیونکہ مسلمانوں کی آبادیاں شعائر اسلام کے اظہار اور اسلامی تہواروں کی بجا آوری اور اسلامی حدود قائم کرنے کی جگہیں ہیں۔ چنانچہ ان آبادیوں میں اسلام مخالف شعائر وتہواروں کی کثرت سے ان کی حرمت متاثر ہوتی ہے البتہ ایسی آبادیاں جن میں اہل ذمہ ہی بستے ہوں' ان میں ان کو کھلے عام شعائر دینیہ کی بجا آوری کی اجازت ہے۔(۱) حنابلہ کے مصادر میں اس مسئلہ میں ممانعت کا حکم واضح ہے۔ چنانچہ انہوں نے صلیب ظاہر کرنے' ناقوس بجانے اور اس طرح کے امور کے اظہار سے منع کیا ہے۔(۲) شافعیہ کی رائے اس مسئلہ میں حنفیہ کی رائے جیسی ہے۔(۳)

اس سلسلہ میں راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے اہل ذمہ کے لیے مذہبی شعائر اور تہواروں کو معابد میں محصور کرنے کا حکم اس زمانے کے مناسب حالات کے مطابق عائد کیا تھا تاکہ مسلم آبادیوں میں فتنہ واضطراب پیدا نہ ہو۔ تاہم عصر حاضر میں جو کہ انفتاح اور انکشاف کا دور ہے' اور جب کہ میڈیا کی ترقی سے قوموں میں ایک دوسرے کے طقوس دینیہ کی کیفیات اور حسن وقبح کی معرفت ایک معمولی معاملہ ہے۔ اسلامی حکومتوں میں اس طرح کی پابندیاں کوئی خاص اہمیت اور فوائد کی حامل نہیں رہیں بلکہ شاید بعض پہلوؤں سے نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں یہ نقصان بالخصوص غیر مسلم ملکوں میں آباد مسلم اقلیتوں پر ان کے معاملہ میں تنگی کی صورت میں بھی ظاہر ہوسکتا ہے۔

عصر حاضر کے حالات کی مناسبت سے مسلم حکومتوں میں اہل ذمہ پر اس طرح کی تضییق مناسب نہیں۔ بالخصوص جبکہ فقہاء کی آراء میں ممانعت کی علت بھی فتنہ وانتشار وغیرہ امور تھے۔ نیز صدر اسلام کے قریب زمانے میں اس طرح کے

---

(۱) ملاحظہ ہو الکاسانی: ۷/۱۱۳۔ شرح السیر الکبیر: ۳/۲۵۱۔۲۵۲

(۲) کشاف القناع: ۱/۷۲۱

(۳) مغنی المحتاج: ۴/۲۵۷

نظائر موجود ہیں جن سے اس رائے کی تائید ثابت ہوتی ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ حضرت خالد بن الولید نے اہل عانات کے بارے میں یہ معاہدہ کیا:

"ولهم ان یضربوا نواقیسهم فی ای ساعة شاؤا من لیل او نها ر الا فی اوقات الصلواةوان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدهم.(۱)

اس طرح حضرت خالد بن الولید نے اہل قرقیسیاء کو اس طرح کے حقوق دیئے تھے۔(۲)

حضرت عمرو بن العاص نے فتح مصر کے بعد وہاں کے قبطیوں کو مکمل دینی آزادی عطا فرمائی تھی۔(۳)

غیر مسلموں کی مذہبی کتب کی تحقیر کی ممانعت:

اسلام غیر مسلموں کی دینی و مذہبی کتب کی تحقیر کی اجازت نہیں دیتا اس کی واضح مثال غزوۂ خیبر کا واقعہ ہے کہ غزوۂ خیبر سے ملنے والے مال غنیمت سے تورات کے متعدد نسخے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ یہودیوں نے درخواست کی کہ وہ صحیفے انہیں واپس کیے جائیں تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی واپسی کے احکامات جاری فرمائے۔(۴)

---

(۱) ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۴۶، ۱۴۷

(۲) کتاب الخراج (م ن)، ۱۴۶، ۱۴۷

(۳) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، تاریخ الاسلام السیاسی للدکتور حسن ابراہیم حسن: ۳۱۲، ۳۱۳

(۴) آپ کا ارشاد ہے: ((لتعلم لیهود ان فی دیننا فسحة إنی ارسلت بحنیفیة سمحة)) مسند احمد، حدیث نمبر (۲۴۹۰۹، ص: ۹/۴۲۹) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، البکری، تاریخ الخمیس، طبع بیروت، ۲/۶۰، نیز اس پر ایک یہودی مستشرق کا تبصرہ ملاحظہ ہو، اسرائیل ولفنسون، ڈاکٹر، تاریخ الیہود فی بلاد العرب: ۱۷۰

۲۔صرف جرم کا مرتکب معاہد ہی قابل مواخذہ ہوگا:

اہل نجران کے ساتھ معاہدے میں یہ لکھا گیا کہ ''ان کا کوئی آدمی دوسرے کے جرم میں نہیں پکڑا جائے گا''(۱)ابن قیم معاہدہ کی اس شق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کہ کسی غیر مسلم کے ظلم کی وجہ سے دوسرے غیر مسلموں کو پکڑ لیا جائے تاکہ ان کا وبال ان کے ذمہ ڈال دیا جائے یہ صورت ظلم کے مترادف ہوگی۔(۲)اسی طرح کی شق یہود مدینہ کے ساتھ معاہدے میں بھی رکھی گئی تھی۔ ''و انه من فتک فبنفسه''(۳)

قرآن مجید کا اس سلسلہ میں محکم اصول یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرے کے ذمہ نہیں ڈالا جائے گا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ﴾(۴)''اور جو شخص بھی کوئی عمل کرتا ہے وہ اسی پر رہتا ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَىٰ نَفْسِهِ﴾(۵) ''اور جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اس پر ہے۔''ایک موقع پر آپ ﷺ نے اسی اصول کی طرف اشارہ فرمایا کہ بیٹا باپ کا اور باپ بیٹے کے جرم کا ذمہ دار نہیں۔(۶)

---

(۱) مجموعة الوثائق السياسية (م ن)، وثیقہ نمبر:۹۴

(۲) زادالمعاد:۳/۶۸۸

(۳) ملاحظہ ہو مجموعة الوثائق، وثیقہ نمبر ۱۰

(۴) الانعام:۱۶۴، نیز الاسراء:۱۵، فاطر:۱۸

(۵) النساء:۱۱۱

(۶) ابوداؤد، السنن، کتاب الدیات، باب لا یوخذ الرجل بجریرة ابیه أو اخیه" حدیث نمبر(۴۴۹۵)

۳۔دھوکہ دہی اور عدم خیر خواہی کے آثار و قرائن پر صلح فسخ کرنا:

معاہدۂ نجران کی آخری دفعہ سے پتہ چلتا ہے کہ غیر مسلم حلیف جب تک اسلامی ریاست کے ساتھ خیر خواہی سے رہیں گے تو ان سے معاہدہ برقرار رہے گا اور جب وہ اسلامی ریاست اور مسلمانوں کے ساتھ مخلص نہ رہیں اور اس کا اظہار ہوجائے تو معاہدہ ختم ہوجائے گا۔ ابن قیم اس دفعہ کے ضمن میں لکھتے ہیں

''معاہدین کے ساتھ عقد اور عہد، مشروط ہوگا اور اگر وہ لوگ مسلمانوں کو دھوکہ دیں اور مسلمانوں کے دین اسلام میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں تو ان کے لیے کوئی معاہدہ صلح نہیں۔ بلکہ وہ لوگ بھی مجرم ہیں کہ جنھیں ان فسادیوں کا علم ہوا لیکن انہوں نے حکام تک ان کی اطلاع نہیں پہنچائی کیونکہ یہ بھی اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کی ایک عظیم صورت ہے۔(۱)

معاہدین کی طرف سے معاہدہ شکنی کے آثار اور عدم خیر خواہی محض خدشہ کی بنیاد پر تصور نہیں کی جائے گی اور نہ ہی اس کے نتیجہ میں معاہد پر فوراً حملہ کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں قرآنی اصول وضابطہ یہ ہے:

﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۡۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ﴾ (۲)

''اور اگر تجھے کسی قوم کی خیانت کا ڈر ہو تو برابری کی حالت میں ان کا عہد نامہ توڑ دے اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا''

آیت کے ضمن میں ابن حجر عسقلانی مشہور ماہر لغت ازہری کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''المعنی اذا عاھدت قوما فخشیت منھم النقض فلا توقع بھم بمجرد ذلک حتی تعلمھم'' (۳)

''اس کے معنی یہ ہیں کہ جب کسی قوم سے معاہدہ کرنے کے بعد تمہیں اس کے نقض عہد کا خدشہ لاحق ہو جائے تو محض اس خدشہ کی بنا پر اس پر حملہ نہ کردو جب تک کہ تم اسے باخبر نہ کردو کہ معاہدہ ختم ہوگیا ہے۔''

---

(۱) امام شافعی عقد صلح میں اس کے قائل ہیں، عقد ذمہ میں نہیں، ان کی رائے میں عقد ذمہ زیادہ اہم اور مضبوط ہوتا ہے وہ چند افراد کے نقض سے ختم نہیں ہوتا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (زاد المعاد (م ن): ۲/۴۶۵، ۳/۶۸۸)

(۲) الانفال: ۵۸

(۳) فتح الباری: (م ن) ۶/۲۰۰

معلوم ہوا کہ نقض عہد تصور کرنے میں دو چیزیں ضروری ہیں۔

(ا) عہد شکنی کے واضح آثار (محض اکا دکا خلاف ورزیوں کو تمام کی طرف سے خلاف ورزی تصور نہیں کیا جائے گا۔

(ب) غیر مسلم حلیفوں تک خبر پہنچانا کہ ہمارے مابین معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔(۱)

۴۔اسلامی ریاست کی بالادستی قبول کرنے والے غیر مسلموں کی املاک:

اہل نجران کے ساتھ معاہدے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے مال و جان، ان کی عبادت گاہیں نیز جو کچھ تھوڑا آیا بہت ان کے دست تصرف میں ہے وہ محفوظ رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان ریاست کے ساتھ حلیفی قائم کرنے والی اقوام کے جملہ منقولہ وغیر منقولہ املاک پر نہ صرف یہ کہ ان کا قبضہ بحال رہتا ہے بلکہ ان کی جملہ املاک کی حفاظت کرنا بھی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس کی ایک مثال غزوۂ خیبر کی بھی ہے۔ مثلاً غزوہ خیبر میں یہود نے رسول اللہ ﷺ سے یہ شکایت کی کہ لوگ ہمارے پھلوں اور غلوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ چونکہ اس وقت یہود سے معاہدہ ہو چکا تھا اس لئے آپ ﷺ نے یہ ہدایت فرمائی۔

(الا لا تحل اموال المعاهدين الا بحقها)(۲) ''بغیر کسی حق کے معاہدین کے اموال حلال نہیں ہیں۔''

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے معاہدین کے پھلوں اور دیگر اشیاء کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا جبکہ وہ جزیہ ادا کرتے ہوں(۳) غیر مسلم معاہدین کے اموال کی حفاظت کی تاکید کا یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی معاہد کا لقطہ بھی نہ اٹھائے۔(۴)

---

(۱) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو القرطبی، الجامع لاحکام القرآن ۸/۲۲، نیز اعلاء السنن (م ن)، ۷/۳۷

(۲) ابوداؤد، السنن، کتاب الاطعمة، باب النهی عن اکل السباع، حدیث نمبر(۳۸۰۴)

(۳) ابوداؤد، السنن، کتاب الخراج والفی والامارة، باب فی تعشير اهل الذمة، حدیث نمبر(۳۰۵۰)

(۴) ابوداؤد(م ن)، حدیث نمبر(۳۰۵۰)

۵۔ مالی وصولیوں میں ریاست کی طرف سے عوام کے لئے رعایت وسہولت:

دومۃ الجندل کے معاہدہ میں ایک شق زکوٰۃ کی وصولی میں رعایت وسہولت کے متعلق ہے۔معاہدہ کی دفعہ میں ہے ''لاتعدل سارحتکم ، ولا تعدل سارحتکم'' (۱) یعنی تمہارے مویشیوں کوزکوٰۃ وصول کرنے والے کے پاس جمع نہیں کیا جائے گا بلکہ انہیں گھاٹ اور چراگاہ میں ہی گن لیا جائے گا اورالگ الگ مالکان کے جانوروں کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا۔

''لا تعدل سارحتکم'' کی شرح میں ابوعبید کہتے ہیں "السارحة هى الماشية التى تسرح فى المراعى يقول لا تعدل عن مرعاها، لا تمنع منه ولا تحشر فى الصدقة إلى المصدق، ولكنها تصدق على مياهها و مراعيها" ''سارحۃ سے مراد وہ مویشی جو چراگاہوں میں چرنے کے لیے چھوڑے جائیں مراد یہ ہے کہ جانوروں کو ان کے چراگاہ سے ہانک کر عامل زکوٰۃ تک نہ پہنچایا جائے گا بلکہ اپنی چراگاہ اور پانی پر ان کی زکوٰۃ وصول کی جائے گی''

اس حکم کا تعلق عوام کو سہولت فراہم کرنے سے ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ عمال تو اپنے اپنے مقامات پر بیٹھے رہیں اور لوگ زکوٰۃ دینے کی خاطر دور دراز سے تکلیف اٹھا کر اپنے مال مویشی ان کے پاس حاضر کریں۔ایک دوسری روایت کے مطابق آپ ﷺ نے زکوٰۃ لینے اور زکوٰۃ دینے والے یعنی ہر دو کے لیے ضابطہ کا تعین فرمایا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔((لا جلب ولا جنب ولا توخذ صدقاتهم إلا فى دورهم))(۲) یعنی زکوٰۃ کے عاملین مواشی کی جگہوں سے بہت دور قیام نہ کریں اور مالکان مواشی عاملین سے اپنے اموال مواشی وغیرہ کو دور نہ بھگائیں۔

آپ نے مویشیوں کی زکوٰۃ لینے اور باغات میں پھلوں کی زکوٰۃ کا تخمینہ لگانے میں بھی سہولت وتخفیف کا حکم فرمایا ہے(۳) اسی طرح حضرت عمرؓ وحضرت علیؓ کے آثار سے جزیہ کی وصولی میں بھی تخفیف وسہولت اور مناسب رعایت کی دلیل ملتی ہے۔(۴)

---

(۱) مجموعہ الوثائق السیاسۃ (م ن)، وثیقہ نمبر: ۱۹۰)

(۲) ابو دؤاد، السنن، کتاب الزكوٰة ، باب اين تصدق الاموال: حدیث نمبر(۱۵۹۱) مزید ملاحظہ ہو، سبل السلام، ۲/۱۲۵۔

(۳) روایات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ابوعبید (م ن) فقرہ نمبر: ۱۰۵، ۱۱۲۱، ۱۴۴۸، ۱۴۵۳ نیز آپ ﷺ کا مکتوب برائے وائل ابن حجر، مجموعہ الوثائق السیاسۃ (م ن)، وثیقہ نمبر: ۱۳۳)

(۴) ابوعبید (م ن) فقرہ نمبر: ۱۱۵، ۱۱۷

٦۔ معاہدین کے اموال پر ریاستی قبضہ کا حکم

اہل دومۃ الجندل کے ساتھ معاہدہ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی چند اشیاء مثلاً اسلحہ، گھوڑے اور قلعے قبضہ میں لے لیے علاوہ ازیں بنجر اور بے ملکیتی زمینوں کو بھی قبضے میں لے لیا۔(۱) جس سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ اسلامی شریعت اپنے معاہدین کے اموال پر قبضہ کرنے کو روا سمجھتی ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا عام معمول یہ نہیں تھا۔ عام معمول یہ تھا کہ صلح کرنے والے قبائل کے تمام اموال، منقولہ و غیر منقولہ ان ہی کے قبضے و تصرف میں رہنے دیئے جاتے تھے اور اسلامی ریاست ان پر قبضہ نہیں کرتی تھی۔ (۲) اور یہی وجہ ہے کہ اہل دومۃ الجندل کی وہ قیمتی اشیاء جن سے مسلمانوں کو خطرہ نہیں تھا ان ہی کے پاس رہنے دی گئیں۔ مثلاً آباد زمینیں، چشمے اور باغات وغیرہ ان ہی کے قبضہ و تصرف میں ہی رہنے دیے گئے۔

آپ ﷺ کے اس عمل کی توجیہہ و تطبیق کرتے ہوئے ابو عبید اہل طائف کا حوالہ ذکر کرتے ہیں کہ اہل طائف کے اموال ان ہی کے پاس رہنے دیئے گئے جبکہ یہاں (اہل دومۃ الجندل) کا معاملہ یہ ہوا کہ کچھ اشیاء ان کے قبضہ میں رہنے دی گئیں اور کچھ پر اسلامی ریاست نے قبضہ کر لیا ابو عبید کے بقول:

> ''رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کی توجیہ یہ ہے کہ اہل طائف (ثقیف) کے علاقہ کو مسلمانوں نے فتح نہیں کیا تھا اور وہ برضاء و رغبت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے لیکن اہل دومۃ الجندل کا معاملہ مختلف تھا۔ یہ اس وقت مسلمان ہوئے تھے جب یہ پوری طرح مغلوب ہو چکے تھے''۔(۳)

دوسری بات یہ کہ اہل دومۃ الجندل کی طرف سے ہمہ وقت بغاوت کا خطرہ درپیش تھا اس لیے کہ یہ لوگ مغلوب ہونے سے قبل مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ ابو عبید لکھتے ہیں کہ ''اگر مسلمان ان (اہل دومۃ الجندل) کے پاس ہتھیار، سواریاں اور قلعے چھوڑ دیتے تو ان کی بدعہدی کا ہر گھڑی خطرہ رہتا چنانچہ ان کی یہ اشیاء ضبط کرنے اور انہیں ان چیزوں سے بے دخل

---

(۱) ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۵۰۸، مجموعہ الوثائق السیاسۃ (م ن)، وثیقہ نمبر: ۱۹۰)

(۲) ملاحظہ ہو تفصیل، صفحہ نمبر ۱۶۷

(۳) ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ: ۵۰۸

کرنے کے بعد ان کا اسلام قبول کیا گیا۔(۱)

اس سلسلے میں ابو عبید، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے متفقہ فیصلے کا ذکر بھی کرتے ہیں کہ عہد ابو بکر میں قبائل غطفان واسد جب مغلوب ہوئے تو صلح کی درخواست کی۔ ان کے ساتھ بایں صورت صلح کی گئی کہ ان کے ہتھیار، گھوڑے سواریوں پر اسلامی ریاست نے قبضہ کرلیا اور انہیں چھوڑ دیا گیا۔(۲)

ابو عبید کے بقول:

''ہمارا خیال یہ ہے کہ آپؐ کے اس فیصلے سے اس سنت نبوی کی اتباع مقصود تھی جو رسول اللہ ﷺ نے دومۃ الجندل اور اس سے ملتی جلتی آبادیوں کے بارے میں جاری فرمائی تھی جہاں اسلام غالب ہو گیا تھا اور یہ علاقے فتح کر لیے گئے تھے''۔(۳)

معاہدین کے ساتھ عام معمولِ نبوی کے متعلق ابو عبید لکھتے ہیں کہ: ''اگر یہ لوگ خوف اور جبر کے بغیر (یعنی جنگ میں مغلوب ہونے سے قبل) برضا و رغبت اسلام قبول کر لیتے تو ان کے اموال ان ہی کی ملکیت میں رہنے دیئے جاتے اس لئے کہ قاعدہ (سنت نبوی) یہ ہے کہ جو آدمی اسلام لاتے وقت جن چیزوں کا مالک ہوتا ہے وہ اسی کی رہتی ہیں۔(۴)

رہا یہ سوال کہ اگر وہ (اہل دومۃ) مغلوب ہو گئے تھے تو کچھ اموال مثلاً بستیوں کے چشمے اور ملکیتی زرعی زمینیں وغیرہ ان کے تصرف میں کیوں رہنے دی گئیں؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ابو عبید لکھتے ہیں کہ یہ (اہل دومۃ الجندل) ابھی مکمل مغلوب نہیں ہوئے تھے کہ پہلے ہی مسلمانوں سے صلح کر لی۔ اگر مکمل مغلوب ہو جاتے تو یہ مسلمانوں کے قیدی بن جاتے اور ان کی تمام مملوکہ اشیاء ان کی ملکیت سے نکل کر مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بن جاتیں لیکن وہ ان دونوں حالتوں کے بین بین تھے لہذا خطرے والی اشیاء تو ان سے لے لی گئیں اور باقی ان ہی کے پاس رہنے دی گئیں۔(۵)

---

(۱) ابو عبید، (ن م) ۴۰۸، نیز الزرقانی، شرح علی المواہب اللدنیۃ: ۳۶۲/۳

(۲) ابو عبید، (ن م) فقرہ نمبر: ۵۰۹

(۳) ابو عبید، فقرہ: ۵۰۹

(۴) ابو عبید، (ن م): فقرہ: ۵۰۹

(۵) ابو عبید، (ن م): فقرہ: ۵۰۹، ۵۱۰

۷۔ اہل حرب سے تجارتی تعلقات اور لین دین کا حکم

اہل ایلہ کے ساتھ معاہدہ میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں تجارتی آزادی کا پروانہ عنایت فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اپنے غیر مسلم معاہدین پر غیر ضروری تجارتی پابندیوں کو روا نہیں سمجھتا۔ اس معاہدہ میں تجارتی آزادی صرف اہل ایلہ کے لیے نہیں تھی بلکہ ان کے حلیف اہل شام و یمن وغیرہ کو بھی یہ سہولت دی گئی ہے حالانکہ مسلمان بالخصوص شام کے ساتھ حال جنگ میں تھے (۱) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دارالحرب کے ساتھ تجارتی تعلقات رکھے جاسکتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ نے تجارتی لین دین کو ایک فطری عمل اور انسانی ضرورت کی تکمیل قرار دیا ہے بلکہ اس کی اچھی اور پرامن ترسیل کو ایک نعمت کے طور پر گنا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿لِإِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ○اِلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ○ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ○الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ○ ﴾ (۲)

''قریش کو مانوس کرنے کیلیے (یعنی) انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے لیے، اس کے شکریہ میں، پس انہیں چاہیے کہ اسی گھر کے رب کی عبادت کرتے رہیں جس نے انہیں بھوک میں کھانا دیا اور ڈر (خوف) میں امن دیا''

عہد نبوی میں پیش آنے والے حضرت ثمامہ بن اثال کے واقعہ سے بھی اہل حرب کے ساتھ تجارتی لین دین کے جواز کا پتہ چلتا ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں مذکور ہے کہ جب حضرت ثمامہ بن آثال اسلام لے آئے تو یہ عہد کیا کہ اب ان کے ملک سے ایک دانہ اناج کا مکہ نہیں جائے گا۔'' واللہ لایأتیکم من الیمامۃ حبۃ حنطۃ حتی یاذن فیھا رسول اللہ ﷺ'' (۳)

اہل مکہ جو کہ '' وَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ '' (۴ کے مکین تھے، ثمامہ کے اس عہد سے بہت پریشان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے مدد کی درخواست کی۔ حالانکہ مسلمان اہل مکہ سے حالت حرب میں تھے اس کے باوجود آپ ﷺ نے حضرت ثمامہ کو لکھا کہ ان کی رسد بحال کردو (۵)۔ یہ روایت اس بات کا واضح جواز فراہم کرتی ہے کہ دارالحرب سے اشیا خوردونوش

---

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ۴/۱۶

(۲) قریش: ۱تا۴

(۳) البخاری الجامع الصحیح، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفہ، حدیث نمبر (۴۳۷۲)، ابن قیم، زاد المعاد: ۲/۵۲۲

(۴) ابراہیم: ۳۷

(۵) بخاری حدیث نمبر ۴۳۷۲ (م ن)

کی تجارت کی جاسکتی ہے۔

خلفاء راشدین کے دور میں بھی اہل حرب کے ساتھ تجارتی لین دین کے واقعات ماخذ میں بکثرت موجود ہیں ابوعبید لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دور میں اہل حرب کے تاجروں سے دسواں حصہ (چنگی) وصول کیا جاتا تھا اوراس سلسلہ میں اصول تھا کہ اہل حرب مسلمانوں سے جتنی مقدار میں چنگی لیں اس مقدار میں ان سے بھی وصول کی جائے۔(۱)

فقہاء کرام نے حربی دشمن کے ساتھ تجارتی معاملات کونظری طوری پر روا سمجھا ہے بلکہ فقہی تراث میں حالت جنگ میں بھی تجارتی تعلقات کا جواز ملتا ہے۔اس سلسلہ میں جن چیزوں کا استثناء کیا گیا ہے۔وہ صرف اسلحہ(۲) یا حرام اشیا کی برآمدات ہیں تاہم یہ استثناء حال جنگ سے متعلق نہیں بلکہ عام حالات کوبھی شامل ہے۔البتہ اگر اسلامی ریاست کا حکمران اجتماعی وملی مفاد کے پیش نظر دارالحرب سے تجارت کے لین دین سے منع کردے تو پھر تجارتی لین دین جائز نہیں۔(۳)

---

(۱) ابوعبید، کتاب الاموال،فقرہ۱۶۲۴،۱۶۵۲،۱۶۵۶، ابویوسف، کتاب الخراج:۱۳۵

(۲) i . ابن حجر، فتح الباری: ۴/۲۷۰ نیز اعلاء السنن (م ن): ۴۰۷،۴۱ ، المدونة الکبریٰ(م ن): ۳/۱۰۲، ابویوسف، کتاب الاخراج:۱۹۰

ii امام شافعی اورامام ابوحنیفہ کی رائے میں غیرمسلموں کو خام مال فروخت کرنے کی اباحت منقول ہے۔ان کی دلیل آیت قرآنی ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾(البقرة: ۲۷۵کا عموم ہے جس سے بیع وشراء ''عموماً'' کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس قول کی بناء پر غیرمسلموں کوپٹرول، یورینیم،لوہااوردیگرمنتوجات، جو اسلحہ سازی کے لئے استعمال ہوتی ہوں ،فروخت کرنا جائز ہے۔

(۳) الخراج:۱۹۹ ،الوسیط: ۷/۱۶۹، الام: ۷/۳۲۱،شرح السیر الکبیر: ۳/۱۷۷ الشرح الکبیر: ۱۰/۴۸ ،البحر الذخار۳/۳۰۱ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔الزحیلی ،آثار الحرب:۵۱۳،۵۲۲،۵۲۳، جہاں تک غیرمسلموں کوتجارت یا کاروباری سہولتیں دینے کاتعلق ہےتو اس کا اصول یہ ہوگا کہ جس قدران کی طرف سے مسلمانوں کے لئے سہولتیں مہیا کی جائیں گی اسی قدر انہیں بھی سہولتیں اورمراعات فراہم کی جائیں گی۔چنانچہ شرح السیر الکبیر میں ہے''الامر بیننا وبین الکفار مبنی علی المجازاة''(شرح السیر الکبیر، باب العشور من اھل الحرب : ۵/۴۵۲)

۸۔معاہدین کی عہد شکنی کا حکم:

آپ ﷺ نے اہل ایلہ کے ساتھ مصالحت کے موقع پر یہ شرط رکھی کہ ''جو،ان میں عہد شکنی کرے تو اس کا مال،اس کی جان بچانے کے لئے حائل نہ ہوسکے گا اور جو بھی اس پر قبضہ کرے گا وہ اسی کی ملکیت ہوگا''

اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ معاہدہ شکنی کرنے والا اہل حرب کے حکم میں داخل ہوجاتا ہے چنانچہ اس کے مال وجان کی حفاظت سے متعلق کیا ہوا عہد فوراً ختم ہوجائے گا اور اگر وہ کسی بنا پر ریاستی دائرۂ اثر سے بالا ہوجائے تو اس کی جان ومال (ہر مسلمان کے لئے) مباح وہدو ہوگی،جو بھی اسے پکڑ لے اسی کی ملکیت سمجھی جائے گی چنانچہ ابن قیم لکھتے ہیں'' ان اهل العهد والذمة ازا أحدث أحد منهم حدثاً فيه ضرر على الاسلام ، انتقض عهده فى ماله ونفسه ، وأنه اذالم يقدر عليه الامام ، فدمه وماله هدر، وهولمن أخذه ، كما قال فى صلح أهل ايلة: " فمن أحدث منهم حدثاً ، فانه لا يحول ماله دون نفسه، وهولمن أخذه من الناس" ، وهذا لأنه بالاحداث صارمحارباً ، حكمه حكم أهل الحرب''(۱)

---

(۱) زادالمعاد(م ن):۳/۶۵۳

۹۔ جزیہ

(۱) جزیہ کا ذکر مختلف معاہدات و مکاتیب نبوی میں ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے قیصر روم کی طرف مکتوب میں ارسال فرمایا کہ "اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو مسلمانوں کے مفاد اور تکالیف دونوں میں حصہ دار ہو گے اور انکار کی صورت میں جزیہ دینا ہوگا"۔ (۱) علاوہ ازیں یمن، نجران، یہود جرباء و اذرح، اہل مقنا، منذر بن ساوی (عامل بحرین) کی طرف تحریروں میں بھی جزیہ کا ذکر موجود ہے۔

معاہدات نبوی کے ضمن میں جزیہ کے مختلف پہلو اور ان کے فقہی احکام حسب ذیل ہیں۔

(۱) جزیہ کا معنی و مفہوم

(۲) وجوب جزیہ کی شرائط

(۳) کیا جزیہ سزا ہے؟

(۴) آیت جزیہ میں "وھم صاغرون" کا مفہوم

ا۔ جزیہ کا معنی و مفہوم:

جزیہ "ج ز ی" سے فِعلَة کے وزن پر ہے۔ جزی یجزی کے معنی بدلہ دینا، ادا کرنا، فائدہ پہنچانا، اور کام آنا، کفایت کرنا، کے ہیں۔

ماوردی لکھتے ہیں۔

"اسمها مشتق من الجزاء، اما جزاءً علی کفرھم لا خذھا منھم صغارا وأما جزأً علی

---

(۱) مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، مکتوب نمبر: ۲۸، رسول اللہ ﷺ کے مختلف مکاتیب میں جزیہ کا ذکر ملتا ہے۔ مثلا ملاحظہ ہوں۔ اہل تیماء وثیقہ نمبر ۱۹، اسقف ایلہ وثیقہ نمبر ۳۰، یہود جرباء واذرح وثیقہ نمبر ۳۲، اہل مقنا (بنی جنبہ) وثیقہ نمبر ۳۳، منذر بن ساوی (بحرین میں عامل کسریٰ) وثیقہ نمبر ۵۷، ۵۹۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ نصاری نجران وثیقہ نمبر ۹۴۔ شاہان یمن وثیقہ نمبر ۱۰۹ وغیرہ

وجوب جزیہ:

جزیہ کی مشروعیت کتاب اللہ سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ (۱)

ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے جو اللہ اور اس کے رسول کی حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے، نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی۔ یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ ہر عاقل بالغ مرد پر واجب ہے۔ (۲)

مقاتلہ (از باب مفاعلہ) جانبین کے اہل قتال میں سے ہونے کو متضمن ہے چنانچہ شرعی مفہوم میں غیر اہل قتال وجوب جزیہ کے حکم میں داخل ہی نہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے کئی مواقع پر صحابہ کرامؓ کو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے (۳)

حضرت عمرؓ سے بھی بچوں اور عورتوں سے جزیہ نہ لینا ثابت ہے۔ (۴) آپؓ نے اپنے فوجی سالاروں کو لکھا کہ

ان يقاتلوا فى سبيل الله ولا يقاتلوا الا من قاتلهم ولا يقتلوا النسآء ولا الصبيان ولا يقتلوا الا من جرت عليه الموسىٰ...... و ان يضربوا الجزية ولا يضربوها على النساء ولا

---

(۱) التوبۃ: ۲۹۔ امام ابو عبید لکھتے ہیں کہ یہ حکم اسلام کے آخری دور میں نازل ہوا۔ اس حوالہ سے مختلف روایات اور آثار نبوی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب الاموال، فقرہ: ۴۹، ۵۰

(۲) احناف کے نزدیک بچوں، عورتوں مجانین پر جزیہ نہیں۔ الکاسانی: ۷/۱۱۱، القرطبی: ۸/۱۱۲، ابن حزم آیت جزیہ "حتی یعطوا الجزیۃ" کی رو سے ہر مرد و زن، غلام و آزاد، فقیر و راہب سے جزیہ لینے کے قائل ہیں، ابن حزم المحلیٰ: ۸/۱۱۲

(۳) امام ابو عبید نے کتاب الاموال، فقرہ نمبر ۹۳ تا ۹۹ میں تمام روایات کو جمع کیا ہے۔

(۴) نیل الاوطار: ۸/۶۱، ابن قدامۃ، المغنی: ۸/۵۰۷

الصبیان ولا یضربوها الا علی من جرت علیه الموسیٰ (۱)

''کہ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں، عورتوں اور بچوں کو قتل نہ کریں اور صرف اس کو قتل کریں جو بالغ ہو، نیز ذمیوں پر جزیہ عائد کریں لیکن عورتوں اور بچوں پر جزیہ نہ لگائیں اور صرف ان لوگوں پر جزیہ لگایا جائے جو بالغ ہوں''۔

بعض مکاتیب نبوی اور دیگر روایات میں عورتوں سے بھی جزیہ لینے کا ذکر موجود ہے۔ (۲) امام ابو عبید اس کی تاویل کرتے ہیں کہ یہ اوائل اسلام کا حکم ہوگا نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ صحیح اور محفوظ حدیث وہی ہے جس میں بالغ عورت سے جزیہ لینے کا ذکر نہیں اور اس کی تمام مسلمانوں کے عمل سے تائید ہوتی ہے۔ آپ لکھتے ہیں۔ ''یہ حدیث (مذکورہ بالا حضرت عمرؓ کا فعل) اس باب میں (کہ کس پر جزیہ واجب ہوگا اور کس پر واجب نہیں ہوگا)۔ بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ دیکھئے کہ کس وضاحت سے یہ بتایا جا رہا ہے کہ صرف بالغ مردوں سے جزیہ لیا جائے گا عورتوں اور بچوں سے اس کو ساقط کر دیا جائے گا اس لئے کہ یہ بالغ مرد اگر جزیہ ادا نہیں کریں گے تو انہیں قتل کرنے کا حکم ہے اور جو قتل کے مستحق نہیں (یعنی ذریت عورتیں اور بالغ بچے) تو ان پر جزیہ بھی واجب نہیں۔ حضرت عمرؓ کے اس قول کو رسول اللہ ﷺ کے اس مکتوب سے تقویت پہنچ رہی ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ یہ خط آپ ﷺ نے یمن میں حضرت معاذؓ کو بھیجا تھا جس میں یہ ہے کہ ''ہر بالغ پر ایک دینار جزیہ ہوگا''۔ (۳) کیا اس سے واضح طور پر ظاہر نہیں ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو مستثنیٰ قرار دے کر خصوصیت سے صرف بالغ مردوں پر ہی جزیہ عائد فرمایا؟ اگرچہ ہمارے بیان کردہ مکاتیب رسول ﷺ میں سے بعض میں ''بالغ مرد اور بالغ عورت'' (۴) کے الفاظ بھی ذکر کئے گئے ہیں، تاہم ہمارا خیال ہے کہ حضور ﷺ سے محفوظ اور زیادہ راجح طریقہ پر وہی روایت ہے جس میں ''بالغ عورت'' کا ذکر نہیں اس لئے کہ اس کی تائید مسلمانوں کے مجموعی تعامل سے ہوتی ہے اور یہی ہدایت نامہ حضرت عمرؓ نے اپنے فوجی سربراہوں کے نام جاری کیا۔ اگر وہ روایت جس میں ہر بالغ عورت پر جزیہ کا ذکر ہے، محفوظ بھی ہو تب میری توجیہ اس کے متعلق یہ ہے کہ ایسا فیصلہ صدر اسلام میں ہوا ہوگا جبکہ مردوں کے ساتھ

---

(۱) کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۹۳، المغنی (م ن: ۸/ ۵۰۷

(۲) مثلاً شاہان یمن حارث بن عبدکلال وغیرہ کی طرف آپ ﷺ نے یہ مکتوب فرمایا کہ ''کسی نصرانی اور یہودی کو جبراً مسلمان نہ کیا جائے بلکہ اس پر جزیہ کافی ہے۔ بالغ مرد، عورت اور غلام ہر ایک پر ایک دینار سرخ'' الوثائق السیاسیۃ وثیقہ: ۱۰۹ نیز ملاحظہ ہوں ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ: ۶۵، ۶۶

(۳) ابو عبید: ۹۳

(۴) ملاحظہ ہو، ابو عبید، کتاب الاموال، فقرہ: ۶۵، ۶۶ نیز مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ، وثیقہ نمبر ۱۰۹

عورتیں اور بچے بھی قتل کر دیئے جاتے تھے جو کہ بعد میں منسوخ ہو گیا'' (۱)

آیت جزیہ......بعض شبہات کا ازالہ:

قرآن کریم میں ہے:

﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾(۲)

مذکورہ آیت میں ''عن ید'' اور ''وھم صاغرون'' کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے بعض مفسرین اور فقہاء نے ایسی آراء پیش کی ہیں جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ ایک سزا ہے، نیز جزیہ لیتے وقت ذمیوں سے اہانت کا سلوک کرنا چاہیے۔ حالانکہ یہ تصور درست نہیں، اسلام اپنے بنیادی اصول وضوابط کی روشنی میں اس تصور کو رد کرتا ہے نیز بہت سے فقہاء ومفسرین نے آیت جزیہ کی جو شرح پیش کی اس میں ذمیوں کی اہانت کا کوئی تصور موجود نہیں۔

مختلف مفسرین کے نزدیک ''عن ید'' سے مراد یہ ہے کہ

۱۔ نقد ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں دینا۔

۲۔ وہ جزیہ لے کر خود چلتے ہوئے آئیں۔

۳۔ جزیہ ادا کرنے والے جزیہ کھڑے ہو کر دیں اور لینے والا بیٹھ کر وصول کرے۔ (۳)

۴۔ بعض عن ید سے مراد یہ لیتے ہیں کہ ادائیگی جزیہ کی قدرت ہو، لہٰذا جو عاجز ہوگا اور جسے قدرت نہ ہوگی اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ (۴)

---

(۱) کتاب الاموال: فقرہ نمبر ۹۳، ابتداء اسلام میں بچوں کے قتل کی روایات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں ایضاً، ابوعبید، فقرہ نمبر: ۹۴ تا ۹۹

(۲) التوبۃ: ۲۹

(۳) الکشاف: ۲/۲۶۲، تفسیر الطبری: ۱۰/۱۰۹، نیز ابوعبید: ۴۷

(۴) فارسی میں بھی بعضوں نے ''عن ید'' کو بمعنی دسترس وتوانگری کے لیا ہے۔ تفسیر مواہب الرحمان، امیر علی، صفحہ ۲/۲۹۷۔ ابن القیم اس حکم کو درست تسلیم کرتے ہیں لیکن آیت پر اطلاق کے حوالہ سے اس کو درست نہیں مانتے۔ احکام اہل ذمہ ۱/۲۳۔ مذکورہ اقوال کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں۔ ابن الجوزی، زاد المسیر فی علم التفسیر: ۳/۴۲۰

''وھم صاغرون'' کا مفہوم:

''الصغر'' یہ الکبر کی ضد ہے دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مقابلہ میں استعمال ہوتے ہیں۔عربی زبان میں یہ الفاظ کبھی قدر و منزلت کا مفہوم بیان کرتے ہیں اور کبھی حجم میں بڑے اور چھوٹے ہونے کے معنی دیتے ہیں۔(۱)

قرآن مجید کی کئی آیات میں یہ مفاہیم موجود ہیں مثلاً:

﴿ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّ كَبِيرٍ مُّسْتَطَر ﴾(۲)

''اور ہر چھوٹی بڑی بات بھی لکھی ہوئی ہے''

﴿لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ﴾ (۳)

''جس نے کوئی چھوٹا بڑا بغیر گھیرے کے باقی ہی نہیں چھوڑا''

﴿ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ ﴾ (۴)

''اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ کوئی چیز بڑی''

﴿ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ (۵)

''عنقریب ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ہے اللہ کے پاس پہنچ کر ذلت پہنچے گی''

---

(۱) حسین بن محمد الدامغانی، قاموس القرآن او اصلاح الوجوه والنظائر فی القرآن الکریم، تحقیق، عبدالعزیز سید، دارالعلم للملایین، بیروت، ص:۲۸۱

(۲) القمر:۵۳

(۳) الکہف:۴۹

(۴) یونس:۶۱

(۵) الانعام:۱۲۴

﴿حَتّٰی یُعۡطُوا الۡجِزۡیَۃَ عَنۡ یَّدٍ وَّ ہُمۡ صٰغِرُوۡنَ﴾(۱)

''یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں''

مفسرین وفقہاء کے نزدیک صغار کا مفہوم:

مختلف مفسرین وفقہاء کے نزدیک صغار سے مراد یہ ہے۔

(۱) ذمی جزیہ کی ادائیگی بایں طور کرے کہ وہ کھڑا ہو۔

(۲) جزیہ لینے والا چل کر آئے (سواری پر نہ ہو) اور اس سے جزیہ لیتے وقت نرمی نہ کی جائے۔

(۳) ان کا احترام نہ ہو رہا ہو۔

(۴) ادائیگی جزیہ کے وقت ان کی تعریف نہ کی جائے۔(۲)

(۵) امام شافعی کے نزدیک صغار سے مراد یہ ہے کہ ان (ذمیوں) پر معاملات کے باب میں اسلامی احکام وقوانین لاگو ہوں گے یعنی ان کے ذمہ، دار الاسلام کے قوانین کی پابندی ضروری ہوگی۔(۳)

(۶) حنابلہ کے نزدیک ''صغار'' سے مراد یہ ہے کہ:

''والصغار جریان احکام الاسلام علیهم''(۴)

''یعنی اس پر اسلامی ریاست کے قوانین لاگو ہوں گے''۔

(۷) ابن قیم کے نزدیک صغار سے مراد ذمیوں پر قوانین کا جاری ہونا ہے۔(۵)

---

(۱) التوبۃ: ۲۹

(۲) تفسیر الطبری: ۱۰/۱۱۰، تفسیر الماوردی (النکت والعیون): ۲/۱۴۴، نیز زاد المسیر ۳/۴۲۱م، الکشاف: ۲/۲۶۳، احکام اہل الذمہ: ۱/۲۳

(۳) الشافعی، الام: ۲/۱۷۶، المہذب (م ن): ۲/۲۷۰

(۴) کشاف القناع: ۱/۷۰۴، المحرر: ۲/۲۷۲

(۵) احکام اہل الذمہ: ۱/۲۴

(۸) تفسیر المراغی کے مطابق: "اس سے مراد اہل (اہل ذمہ) کا اسلامی احکام اور اس کی بالادستی کو زیردست ہو کر قبول کرنا ہے۔

"المراد به هنا الخضوع لاحكام الاسلام وسيادته التى بها تصغر انفسهم لديهم" (۱)

صغار کے مندرجہ بالا مفاہیم کی روشنی میں دو مختلف باتیں سامنے آتی ہیں۔

(ا) صغار سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلم ذمیوں سے جزیہ وصول کرتے وقت ان کا احترام نہ کیا جائے بلکہ ایسے طریقے سے جزیہ وصول کیا جائے جس میں ان کا کمتر ہونا ظاہر ہو۔

(ب) صغار سے مراد یہ ہے کہ غیر مسلم (ذمیوں) پر اسلامی قوانین واحکام لاگو ہوں گے۔

ہمارے خیال میں دوسرا مفہوم ہی صغار کی راجح شرح ہے۔ اس سلسلہ میں ابن القیم کا قول بہت اہمیت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ پہلے مفہوم کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهذا كله مما لا دليل عليه ولا هو مقتضى الآية ولا نقل عن رسول الله ﷺ ولا عن الصحابة انهم فعلوا ذلك" (۲)

"یہ ایک ایسی رائے ہے جس کی کوئی دلیل موجود نہیں، یہ مفہوم نہ ہی قرآنی آیت کا مقتضی ہے نہ اس کو آنحضرت ﷺ سے نقل کیا گیا ہے اور نہ ہی صحابہ سے متعلق یہ بات موجود ہے کہ انہوں نے کبھی ایسا کیا ہو"

یہ رائے نقل کرنے کے بعد وہ مفہوم ثانی کی تائید میں فرماتے ہیں:

"والصواب فى الآية ان الصغار هو التزامهم لجريان احكام الملة عليهم واعطاء الجزية فان التزام ذلك هو الصغار" (۳)

"صحیح بات یہ ہے کہ صغار اسلامی ریاست کے قوانین کے لاگو ہونے کا نام ہے' نیز صغار سے مراد ان کا ٹیکس کی ادائیگی کی پابندی کرنا ہے"

---

(۱) تفسیر المراغی: ۸/ ۹۱ م، (مصطفیٰ البابی الحلبی مصر) نیز تفسیر المنار (فصل فى حقيقة الجزية والمراد بها) :۱۰/ ۲۹۰

(۲) احکام اہل الذمہ: ۱/ ۲۳

(۳) احکام اہل الذمہ: ۱/ ۲۴

شرح السیر الکبیر میں بعینہ یہی مفہوم نقل کیا گیا ہے:

"والصواب ان الصغار هو التزامهم بجريان احكا م الملة واعطاؤهم الجزية فان الالتزام بذلک هو الصغار" (۱)

امام شافعی فرماتے ہیں" وسمعت عددا من اهل العلم يقولون الصغارأن يجرى عليهم حكم الاسلام" (۲) "میں نے بہت سے اہل علم سے سنا ہے کہ صغار کے معنی اہل ذمہ پر قوانین کے جاری ہونے کے ہیں۔"

امام شافعی اہانت ذمی کے تصور کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وإذا اخذ منهم الجزية اخذها باجمال ولم يضرب منهم احد ا ولم ينله بقول قبيح والصغار ان يجرى عليهم الحكم لا ان يضربوا ويؤذوا" (۳)

"اہلِ ذمہ سے جزیہ کی وصولی درست طریقہ پر ہوگی نہ تو انہیں مار پیٹ کی جائے گی نہ کوئی درشت کلامی ان سے کی جائے اور صغار کا مفہوم بس اتنا ہی ہے کہ ان پر قانون لاگو ہوتا ہے نہ کہ انہیں مارا جائے یا اذیت دی جائے"

مذکورہ بالا بحث کا نتیجہ اور خلاصہ یہ ہے کہ صغار کے معنی ومفہوم کے سلسلہ میں یہ رائے مرجوح ہے کہ ذمیوں کی توہین کی جائے اور انہیں حقیر سمجھا جائے۔

رسول اللہ ﷺ کے مکاتیب اور دیگر روایات میں کہیں یہ ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے اس بات کا اشارہ بھی فرمایا ہو۔ دوسری طرف اہل ذمہ کے حقوق اور ان کی عزت وآبرو کے متعلق واضح ارشادات نبوی ہمارے لیے راہ ہدایت ہیں۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے۔

---

(۱) شرح السیر الکبیر: ۳/۲٦۱

(۲) الشافعی، کتاب الام: ۲/۱۷٦

(۳) الشافعی (م ن)

((من آذی ذمیا فانا خصمه ومن کنت خصمه خصمته یو م القیامة)) (۱)

''جس نے کسی ذمی کو تکلیف دی تو میں روز قیامت اس کا مقابل ہوں گا اور جس کا مقابل میں ہوا اسے زیر کروں گا۔

((الامن ظلم معاهدا او انتقصه او کلفه فوق طاقته فانا حجیجه یوم القیامة)) (۲)

جس نے کسی عہد والے پر ظلم کیا یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا تو میں قیامت کے دن اس (مظلوم) کا وکیل ہوں گا۔

ایک مرتبہ حضرت عروۃ ابن زبیر نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ جزیہ کہ ادائیگی میں دھوپ پر کھڑے کیے گئے ہیں تو آپؓ نے اس کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں عذاب دیں گے جو دنیا میں لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں'' (۳)

جزیہ کی وصولی میں نرمی ورعایت ...... آثار صحابہؓ:

حضرت عمرؓ جزیہ لینے کے لیے ذمیوں کی اہانت اور انہیں تکلیف دینے سے منع فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ شام کے کسی علاقے میں آپؓ نے کچھ لوگوں کو تکلیف وایذاء میں مبتلا دیکھا تو فرمایا کہ ان لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کیا گیا؟ جواب میں کہا گیا کہ یہ لوگ جزیہ نہیں ادا کرتے اس لیے انہیں سزا دی جارہی ہے۔ آپؓ نے مزید استفسار فرمایا کہ یہ کیا کہتے ہیں اور عدم ادائیگی کا کیا عذر پیش کرتے ہیں؟ جواب میں کہا گیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جزیہ دینے کے لیے کچھ نہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالو کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ہم لوگوں کو عذاب نہیں دیتے۔ جو افراد دنیا میں لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرتے ہیں اللہ انہیں قیامت کے دن

---

(۱) الجامع الصغیر: ۲/۴۷۳

(۲) ابوداؤد، کتاب الخراج، باب فی تعشیر اہل الذمۃ، حدیث نمبر (۳۰۵۲) یحییٰ بن آدم، کتاب الخراج: ۷۵، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، زیدان، احکام اہل الذمہ: ۸۸، ۸۹

(۳) ابوداؤد (م ن)، کتاب الخراج، باب فی تشدیدفی جبایة الجزیة، حدیث نمبر (۳۰۴۵)

عذاب میں مبتلا کرے گا'' (۱)

حضرت عمرؓ، خاندان تغلب کے عیسائیوں سے جزیہ لینا چاہتے تھے جبکہ اس قبیلہ کے افراد (اسے کسر شان سمجھتے ہوئے) دیگر علاقوں میں منتشر ہوگئے۔ چنانچہ نعمان بن ذرعہ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ بنوتغلب عرب ہیں جزیہ کو کسر شان سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس نقد مال و زر نہیں ہے بلکہ زمینیں اور مویشی ہیں۔ اپنے دشمن کو زک پہنچانے اور تباہ کرنے میں یہ شہرت رکھتے ہیں۔ آپ انہیں منتشر کر کے ان کے ذریعہ دشمنوں کو تقویت حاصل کرنے کا موقعہ فراہم نہ کریں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان سے اس بات پر صلح کر لی کہ ان سے دگنا صدقے کے برابر لیا جائے گا۔ (۲)

حضرت عمرؓ کے فیصلے سے معلوم ہوا کہ ''وھم صاغرون'' کا وہ مفہوم جو عام طور پر لیا جاتا ہے۔ درست نہیں وگرنہ حضرت عمرؓ، بنوتغلب کے جزیہ کی شکل کبھی تبدیل نہ کرتے۔ آپؓ نے اس جزیہ کی شکل صرف اس وجہ سے تبدیل کی کہ بنو تغلب اس طریقے کو شان کے خلاف سمجھتے تھے اور اپنی بے عزتی تصور کرتے تھے چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان کے اس مزاج کی رعایت کرتے ہوئے جزیہ کی یہ شکل تبدیل کر دی۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے پاس جزیہ کی مد میں کثرت سے مال آیا جس سے آپ کو شبہ ہوا کہ وصولی کرنے والوں نے کہیں زیادتی نہ کی ہو چنانچہ آپؓ نے محصل سے استفسار فرمایا تو محصل کی طرف سے جواب ملا کہ اللہ کی قسم ہم نے ان کی سہولت اور خوشدلی کے ساتھ یہ سب کچھ وصول کیا ہے، آپؓ نے مزید سوال کیا کہ ''بغیر کوڑے مارے اور بغیر لٹکائے؟'' محصل نے جواب دیا، ''جی ہاں'' اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا! ''الحمدللہ'' جس نے مجھے اور میرے دورِ حکومت کو رعایا پر مظالم و تشدد سے محفوظ رکھا۔ (۳) ایک مرتبہ آپؓ کو خراج کی وصولی میں کچھ وقت کی سہولت

---

(۱) ابو یوسف، کتاب الخراج، باب الرفق باھل الذمة، ص: ۱۲۵

(۲) دراصل بنی تغلب چاہتے تھے کہ ان سے مسلمانوں کے برابر زکواۃ لی جائے لیکن حضرت عمر نے مسلمانوں کے فریضہ کو ان پر عائد کرنا پسند نہ کیا تو انہوں نے اس بات پر صلح کر لی کہ جو کچھ ہم سے لیا جائے اس کا نام بجائے جزیہ کے صدقہ رکھا جائے، یحیی بن آدم، کتاب الخراج، فقرہ نمبر: ۲۰۶ تا ۲۰۸، ابو یوسف (م ن) ۱۲۰، الداؤدی (م ن)، کتاب الاموال، ۹۶

(۳) ابوعبید، کتاب الاموال، فقرہ نمبر: ۱۱۴

ورعایت دینے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔ (۱) حضرت علیؓ نے اپنے عامل کو خراج کی وصولی میں یہ ہدایات فرمائیں کہ "دیکھو! خراج وصول کرنے کے لئے نہ توان کا گدھا فروخت کرنا اور نہ گائے، بیل، ان کی گرمی وسردی کی پوشاک بھی فروخت نہ کرنا ، اس سے نرمی برتنا اور حتی الامکان ان کی سہولت مدنظر رکھنا" (۲)

جزیہ کی وصولی میں نرمی وتخفیف کے مذکورہ دلائل ذکر کرنے کے بعد ابوعبید لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کو آپ ﷺ کی سنت سے تقویت پہنچتی ہے جس میں آپ ﷺ نے اہل یمن کو لکھا تھا کہ "ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کے مساوی قیمت کی یمنی چادریں لی جائیں" یہ عبارت صاف بتا رہی ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے نقد دینار کے عوض کپڑے لے لئے تھے۔ یہ سب کچھ ذمیوں کو سہولت اور آسانی پہنچانے کے لئے کیا گیا تھا۔ (۳)

---

(۱) ابوعبید، (م ن)، فقرہ نمبر: ۱۱۵

(۲) ابوعبید، (م ن)، فقرہ نمبر: ۱۱۶

(۳) ابوعبید، (م ن)، فقرہ نمبر: ۱۱۸

فقہی نکات

☆ سربراہ مملکت معاہدین کو خصوصی مراعات دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ اسلامی مفاد کے خلاف نہ ہوں۔

☆ علاقائی نظم و نسق چلانے، علاقہ کی تعمیر و ترقی اور علاقائی وسائل کے استعمال کرنے کے لیے مقامی سربراہوں کو اعتماد میں لینا چاہیے اور باہمی رضامندی کے بغیر ان کے امور کو طے کرنا مناسب نہیں۔

☆ ریاست کے کسی علاقہ کو بعض معاملات میں انتظامی و اقتصادی خودمختاری دی جاسکتی ہے۔

☆ نومسلموں کے اموال وغیرہ کی ملکیت زائل نہیں ہوگی۔

☆ ربا کی تمام اقسام قطعی حرام ہیں۔

☆ نومسلم اپنے پرانے سودی کھاتے پرانے طے شدہ طریقہ پر ختم کرسکتے ہیں البتہ بعد از اسلام کوئی سودی لین دین کرنا جائز نہیں۔

☆ زمین کے مالکان اور کاشتکار کے درمیان معاملہ کے لیے جانبین کی رضامندی ضروری ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مقامی رواج کے مطابق دونوں کے حصوں کا تعین پہلے سے کردیا جائے۔

☆ کاشتکار دوسرے کی زمین کا محض کاشتکاری کی بنا پر مالک نہیں بن سکتا اگرچہ طویل عرصہ سے وہ زمین کاشت کررہا ہو۔

☆ قرض کی ادائیگی میں مقروض کو مناسب مہلت دی جاسکتی ہے اور مقروض پر قرض کی ادائیگی کے لیے اخلاقی دباؤ بھی ڈالا جاسکتا ہے۔

☆ کسی علاقے میں سرکاری ملازمتوں اور دیگر انتظامی امور کے لیے اس علاقے کے باصلاحیت افراد کو ترجیح دی جانی چاہیے۔

☆ مرکزی حکومت کے لیے کسی قوم یا علاقے کے وسائل کو ان کی رضامندی کے خلاف اس طرح استعمال کرنا مناسب نہیں جس میں ان کا نقصان ہورہا ہو یا ان کو نفع نہ پہنچ رہا ہو۔

☆ جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اوران کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا ضروری ہے۔

☆ سربراہ مملکت اگر چاہے تو جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرسکتا ہے اور اگر چاہے تو بغیر فدیہ لیے احساناً بھی چھوڑ سکتا ہے۔

☆ غیر مسلموں پر اسلام قبول کرنے کے لئے کسی قسم کا جبر واکراہ جائز نہیں۔

☆ اسلامی ریاست کی بالا دستی قبول کرنے والے غیر مسلموں کے اموال کی ملکیت زائل نہیں ہوگی۔

☆ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔

☆ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہریوں کے لئے مذہبی و معاشرتی رسوم وعبادات کی ادائیگی پر کوئی پابندی نہیں۔

☆ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو مکمل تحفظ حاصل ہوگا۔

☆ غیر مسلموں کی مذہبی کتب کی تحقیر جائز نہیں۔

☆ جزیہ وخراج کی مقدار میں کمی وبیشی حسب حال کی جاسکتی ہے۔

☆ جزیہ لیتے وقت ذمیوں سے سختی کرنا یا ان کے ساتھ حقارت سے پیش آنا جائز نہیں۔

☆ غیر مسلم معاہدین پر طے شدہ شرائط سے زائد بوجھ ڈالنا جائز نہیں۔

☆ اہل حرب سے تجارتی لین دین کیا جا سکتا ہے لیکن انہیں ایسی اشیاء فروخت کرنے کی ممانعت ہے جس سے وہ اسلامی ریاست کے مقابلہ میں قوت وطاقت حاصل کرلیں۔

☆ اہل ذمہ اور دیگر معاہدین کی عہد شکنی کی بنا پر ان کے جان و مال کے تحفظ کی ریاستی ذمہ داریاں ختم ہو جائیں گی۔

☆ شریعت میں حلال وحرام کی تبدیلی کی بنیاد پر کوئی معاہدہ کرنا درست نہیں۔

☆ دھوکہ دہی اور عدم خیر خواہی کے آثار وقرائن واضح نظر آجائیں تو صلح کا معاہدہ ختم کرنے کا اعلان کیا جاسکتا ہے۔

☆ اسلام میں ایک سے زائد افراد کی حکمرانی کا تصور بھی درست ہے لیکن ان حکمرانوں کی ذمہ داریوں کا تعین ضروری ہے۔

☆ خلافت علی منہاج النبوۃ کی خوبیاں مثلاً اسلامی احکام کا اجراء عدل ومساوات، شورائیت وغیر جس نظام حکومت میں

بھی ہوں وہ درست و جائز ہے چاہے وہ جمہوریت ہو یا بادشاہت۔

☆ کسی انفرادی جرم کی ذمہ داری پوری قوم پر ڈالنا درست نہیں۔

☆ ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہ عوام کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کرنے کا بندوبست کرے۔

☆ ریاست کی طرف سے مالی وصولیوں میں عوام کے لئے رعایت و سہولت کا پہلو مدنظر رکھنا چاہیے۔

☆ مسلمانوں کے لیے قبیلہ، زبان و علاقہ کی بنیاد پر گروپ بندیاں کرنا جائز نہیں وہ صرف اسلام کی بنیاد پر اکٹھے ہوں۔

نتائج بحث

مقالہ ہذا میں معاہدات نبوی کے فقہی مطالعہ سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے لیے جس چیز کو اہم ترین ذریعہ کے طور پر استعمال فرمایا وہ معاہدات تھے۔ نبوی معاہدات کے مقاصد میں اہم ترین مقصد یہ کارفرما تھا کہ غیر مسلم قبائل اور ریاستوں کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے ان تک اسلام کی دعوت اور تعلیمات کا ابلاغ کیا جائے تاکہ دعوت اسلام امن و امان کی فضا میں تکمیل پائے۔ اور داعی و مخاطب کے مابین مخاصمت کی فضا پیدا نہ ہو۔

۲۔ اسلامی نقطہ نگاہ میں غیر مسلم تمام تر عقائدی، لونی و قبائلی اختلافات کے علی الرغم بطور انسان قابل احترام ہیں۔ اس لیے اختلاف شعوب و قبائل اس بات کا مقتضی نہیں کہ ان سے لازمی طور پر جنگ و قتال کا راستہ ہی اختیار کیا جائے بلکہ یہ اختلاف باہمی تعارف و تعاون کا تقاضا کرتا ہے اور یہ تعاون حالت امن ہی میں تشکیل پا سکتا ہے۔

۳۔ مسلمان اور غیر مسلم اپنے مذہبی و ثقافتی اصول و روایات پر قائم رہتے ہوئے ایک ہی معاشرے میں بود و باش کر سکتے ہیں ایسے میں وہ باہم حسن سلوک سے رہیں گے اور بقاء باہمی کو یقینی بنائیں گے۔

۴۔ اسلامی ریاست غیر مسلم ریاستوں یا آزاد غیر مسلم قبائل کے ساتھ ایسی حلیفی قائم کر سکتی ہے جس میں دونوں ریاستیں بنیادی ضروریات زندگی، تجارتی لین دین صنعت و حرفت وغیرہ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔

۵۔ غیر مسلم ریاست یا آزاد و خود مختار قبائل کے ساتھ حلیفی کا ایسا معاہدہ کیا جا سکتا ہے جس کے مطابق کسی حلیف پر اس کا کوئی دشمن، ظلم و عدوان کے ساتھ حملہ آور ہو تو وہ ایک دوسرے کا ساتھ دیں اور اپنی حفاظت اور دفاع میں مشترکہ جدوجہد کریں۔

۶۔ اسلامی ریاست غیر مسلم ریاستوں یا آزاد قبائل کے ساتھ ایسا معاہدہ طے کر سکتی ہے جس کے مطابق دونوں فریق ایک دوسرے کے خلاف نہ تو جنگ کریں اور نہ ہی ایک دوسرے کی جنگوں میں فریق بنیں۔

۷۔ اسلامی ریاست کا مطمع نظر جنگ نہیں بلکہ امن و آشتی کا قیام ہے لہذا وہ قیام امن کے لیے جنگ بندی کا مؤقت یا غیر مؤقت معاہدہ کر سکتی ہے ایسے معاہدہ کے بعد دونوں فریقوں کے لئے ایک دوسرے کے خلاف اعلانیہ یا خفیہ،

بالواسطہ یا بلا واسطہ سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں حصہ لینا جائز نہیں۔

۸۔ غیر مسلموں کے ساتھ طے ہونے والے دائمی معاہدے کا نقض اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ فریق مخالف کی طرف سے عہد شکنی نہ ہو۔

۹۔ اسلامی تعلیمات میں جنگ کسی فرد، قوم یا ملک کے خلاف جائز نہیں کی گئی بلکہ ظلم وظالم کے قلع قمع کے لیے جائز کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام، دوران جنگ دشمن کے علاقہ میں بسنے والے پر امن افراد نیز عورتوں، بچے، بزرگ، مذہبی راہنماؤں وغیرہ کے نقصان کو جائز قرار نہیں دیتا بلکہ ایسے افراد جو مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار ہوں اور قیدی بن جائیں، اسلام ان کے حقوق کی نگرانی بھی کرتا ہے اور ان کے ساتھ انسانیت سوز مظالم کو جائز نہیں سمجھتا۔ اسلامی تعلیمات میں جنگی قیدیوں کو بنیادی ضروریات کی فراہمی اور ان کے ساتھ حسن سلوک رکھنا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام میں باہمی معاہدے کے تحت جنگی قیدیوں کو فدیہ لے کر یا احساناً آزاد کرنے کو جائز سمجھا گیا ہے۔

۱۰۔ اسلامی ریاست کی نظر میں تمام شہری (خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم) معزز ومحترم ہیں۔شہریوں کے حقوق کی فراہمی اور ان کے ساتھ حسن سلوک اسلامی ریاست کا مطمع نظر ہے۔اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی وثقافتی روایات کی ادائیگی کر سکتے ہیں۔اسلامی ریاست اپنے تمام شہریوں کی جان مال اور عزت کی حفاظت کی ضامن ہوتی ہے۔شہریوں کی مشکل و پریشانی یا اچانک کسی افتاد میں مبتلا ہونے کی صورت میں ریاست کے لیے ان کی مناسب مدد ونصرت کرنا ضروری ہے۔

۱۱۔ قانون وانصاف کی عمل داری میں عام وخاص، مسلم وغیر مسلم، مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔

۱۲۔ ریاست کی طرف سے عمال کی تقرریوں میں علاقائی اور مقامی صورتحال کی رعایت رکھنا ضروری ہے۔اسی طرح وسائل کے حصول وانفاق کے لیے بھی مقامی اہل حل وعقد سے مشورہ اور رضا مندی بہتر انتظامی عمل ہے۔

۱۳۔ ریاست میں مرکزی اور صوبائی ومقامی حکومتوں کے مابین اختیارات کی واضح تقسیم ضروری ہے۔

۱۴۔ ریاست اسلامی کا دفاع مسلم اور غیر مسلم شہریوں کا اجتماعی فریضہ ہے۔

۱۵۔ ریاست کے داخلی وخارجی انتشار کا باعث بننے والے شہری قابل مواخذہ ہوں گے۔

		صفحہ نمبر
(البقرہ:۴۸)	﴿ولا یوخذ منها عدل﴾	۷۱
(البقرہ:۱۲۳)	﴿ولا یقبل منها عدل﴾	۷۱
(البقرہ:۱۷۷)	﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾	۲۰
(البقرہ:۱۷۹)	﴿يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلٰى اَلْحُرُّبِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾	۱۳۳
(البقرہ:۱۹۰)	﴿وَقَاتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْاط اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾	۱۵۸
(البقرۃ:۱۹۶)	﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ط فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْىِ﴾	۱۸۷
(البقرہ:۲۵۶)	﴿لَآاِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَىِّ﴾	۱۳۳، ۲۵۷
(البقرہ:۲۷۱)	﴿اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾	۹۳
(البقرہ:۲۷۵)	﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾	۲۰۹
(البقرہ:۲۷۸)	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوااللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِىَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَO﴾	۲۲۳
(البقرۃ:۲۷۹)	﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُم﴾	۱۶۷
(البقرہ:۲۸۲)	﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ......الخ﴾	۱۹۴
(البقرہ:۲۸۳)	﴿وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾	۱۶۵
(البقرہ:۲۸۲)	﴿وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُم﴾	۱۹۵
(آل عمران: ۱۱۰)	﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾	۸۸
(آل عمران: ۲۸)	﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾	۱۰۶

(آل عمران:۶۴)	قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ......الخ﴿	۸۸
(آل عمران: ۵۹)	اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَاللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴿	۶۱
(آل عمران: ۷۵)	وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَادُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ﴿	۷۵
(آل عمران:۹۷)	وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴿	۱۸۷
(آل عمران:۱۱۸)	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ......الخ﴿	۱۷۳، ۱۷۵
(آل عمران: ۱۳۰)	يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿	۱۶۴
(آل عمران: ۱۳۲)	وَاَطِيْعُوااللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿	۷۲
(آل عمران: ۱۳۹)	ولا تهنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان كنتم مومنين﴿	۲۷، ۱۹۸
(آل عمران: ۱۴۹)	يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿	۱۶۲
(المائدة: ۱)	اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴿	۱۵، ۱۳۶
(المائدة: ۲)	وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴿	۸۸، ۱۰۷، ۱۴۳، ۱۵۱
(المائدة: ۲)	وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴿	۷۲
(المائدة: ۸)	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ......الخ﴿	۱۳۶، ۲۴۸
(المائدة: ۸)	لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴿	۸۲
(المائدة: ۳۳)	اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ......الخ﴿	۱۱۳
(المائدة: ۴۲)	فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ ......الخ﴿	۷۷، ۱۲۹
(المائدة: ۴۲)	وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴿	۲۴۸
(المائدة: ۴۵)	وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ ......الخ﴿	۱۱۱، ۱۱۴، ۱۳۱

(المائدة: ۵۱)	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَآءَ ......الخ﴾	۱۷۲، ۱۷۴، ۱۷۷
(المائدة: ۵۷)	﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا ......الخ﴾	۱۷۸
(المائدة: ۷۹)	﴿كَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾	۸۸
(المائدة: ۸۹)	﴿فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِیْنَ ....الخ﴾	۹۳
(المائدة: ۸۹)	﴿ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَیْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ﴾	۱۵
(المائدة: ۳۲)	﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الارض......الخ﴾	۱۳۲
(النساء: ۳۳)	﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾	۱۰۲، ۱۰۳
(النساء: ۳۳)	﴿وَالَّذِیْنَ عَقَدَتْ اَیْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ﴾	۱۰۳
(النساء: ۳۶)	﴿وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا.......... وَالْجَارِذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾	۹۳
(النساء: ۵۸)	﴿وَاِذَاحَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾	۸۲
(النساء: ۸۰)	﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾	۸۰
(النساء: ۹۰)	﴿اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْجَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ ......الخ﴾	۱۵، ۲۱، ۲۳، ۱۵۶، ۱۵۷
(النساء: ۹۲)	﴿وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ فَدِیَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓی اَهْلِهٖ وَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾	۲۰۳
(النساء: ۵۹)	﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ......الخ﴾	۸۳
(النساء: ۱۱۱)	﴿وَمَنْ یَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا یَكْسِبُهٗ عَلٰی نَفْسِهٖ﴾	۲۶۴
(النساء: ۱۱۴)	﴿لَا خَیْرَ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَو اِصْلَاحٍ بَیْنَ	

(النساء:١٤٠)	﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا﴾	١٧٨
(النساء:١٤١)	﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾	١٥٣
(النساء: ١٥٤)	﴿وَاَخَذْنَامِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا﴾	١١
(الانعام:٦٨)	﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِه......الخ﴾	١٧٨
الانعام: ٧٠)	﴿وان تعدل كل عدل لا يؤخذ منها﴾	٧١
(الانعام:١٢٤)	﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾	٢٧٨
(الانعام:١٤١)	﴿وهوالذى انشا جنت معروشت وغير معروشات ......الخ﴾	١٦٦
(الانعام: ١٦٤)	﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُوَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾	١٠١، ٢٦٤
(الانعام:١٥٢)	﴿وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْكَانَ ذَاقُرْبٰى﴾	٨٣
(الانعام:١٦٥)	﴿وَلَا تَزِرُوَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى﴾	٧٣
(الانفال:٤١)	﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَىْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى ......الخ﴾	١٦٣
(الانفال:٥٨)	﴿وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾	٢٦٥
(الانفال:٦٠)	﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾	٣٠٩
(الانفال:٦١)	﴿وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ......الخ﴾	٨٩، ١٨٤، ١٩٩
(الانفال:٦٧)	﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ...... الخ﴾	٢٣٣، ٢٣٥
(الانفال:٧٢)	﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ......الخ﴾	١٢٥
(الانفال:٧٢)	﴿وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ﴾	٢١
(الانفال:٧٥)	﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِىْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾	[illegible]

(التوبة:٤)	﴿إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا ......الخ﴾	٢١، ٢٣، ١٩٦
(التوبة:٥)	﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُم﴾	١٩٧، ١٩٩، ٢٣٥
(التوبة:٥)	﴿فَإِنْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُم﴾	١٧٠
(التوبة:٧)	﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَاللّٰهِ وَعِنْدَرَسُوْلِهٖ إِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ ......الخ﴾	١٩٦
(التوبة:٧)	﴿فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُم ......الخ﴾	٨٩
(التوبة:٨، ١٠)	﴿لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً﴾	١٥
(التوبة:٢٣)	﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ ......الخ﴾	١٧٤، ١٧٦
(التوبة:٢٩)	﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ......الخ﴾	٢٦، ٢٧٥، ٢٧٧
(التوبة: ٢٩)	﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾	٢٧٩
(التوبة: ٦٠)	﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ ......الخ﴾	٢٣٤
(التوبة: ٧١)	﴿وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾	١٠٥
(التوبه:١٠٣)	﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾	١٧١
(يونس:٤٧)	﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾	٨٤
(يونس: ٦١)	﴿وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ﴾	٢٧٨
(يونس: ٩٩)	﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾	٢٥٧
(هود:٨)	﴿وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ﴾	٨٥
(هود:١١٨)	﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً﴾	٢٥٧
(يوسف:٤٥)	﴿وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ﴾	٨٥

حوالہ	آیت	صفحہ
(الرعد: ۲۰)	﴿الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ﴾	۳۰
(النحل: ۹۰)	﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ......الخ﴾	۸۲، ۱۸۸، ۱۵۱، ۲۴۸
(النحل: ۹۱)	﴿وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عَاهَدتُّمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا......الخ﴾	۲۲، ۲۰۱
(النحل: ۱۲۰)	﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيفًا﴾	۸۴
(النحل: ۱۲۶)	﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ﴾	۲۳۷
(الاسراء: ۳۴)	﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾	۲۱، ۲۳
(الکهف: ۲۹)	﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾	۱۳۳، ۲۵۷
(الکهف: ۴۹)	﴿لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا﴾	۲۷۸
(طه: ۴۳، ۴۴)	﴿اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾	۱۹۳
(طه: ۱۱۸)	﴿إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ﴾	۱۳۷
(الانبیاء: ۹۲)	﴿إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ﴾	۸۶
(الحج: ۴۰)	﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ......الخ﴾	۲۵۹
(الحج: ۴۱)	﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ......الخ﴾	۱۷۰
(الحج: ۷۷)	﴿وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾	۸۹
(المومنون: ۸)	﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ﴾	۲۰، ۲۰۱
(المومنون: ۸۸)	﴿وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ﴾	۱۱۷
(النور: ۲)	﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾	۲۳۷

(النور:۳۳)	﴿وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ......الخ﴾	۲۳۵
(النمل:۲۸)	﴿اِذْهَبْ بِّكِتٰبِىْ هٰذَا﴾	۱۹۴
(القصص:۲۳)	﴿وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ﴾	۸۴
(الروم:۳۹)	﴿وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَاْ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَايَرْبُوْا عِنْدَاللّٰهِ﴾	۱۶۴
(لقمان:۱۵)	﴿وَصَاحِبْهُمَا فِى الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾	۹۲
(الاحزاب:۱۰)	﴿وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا﴾	۲۰۵
(الاحزاب:۳۶)	﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا ......الخ﴾	۷۲
(فصلت:۳)	﴿وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُط اِدْفَعْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ﴾	۱۹۳
(الزخرف:۲۳)	﴿اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ﴾	۸۴
(الزخرف:۳۱)	﴿لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾	۴۶
(محمد:۴)	﴿فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ ......الخ﴾	۲۳۵
(محمد:۱۱)	﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَامَوْلٰى لَهُمْ﴾	۱۰۲
(الفتح:۱)	﴿اِنَّا فَتَحْنَالَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾	۳۹
(الفتح:۱۵)	﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ......الخ﴾	۴۲
(الفتح:۱۸)	﴿لَقَدْ رَضِىَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ......الخ﴾	۴۰
(الفتح:۱۹)	﴿وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ......الخ﴾	۴۰
(الفتح:۲۰)	﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِىَ النَّاسِ عَنْكُمْ......الخ﴾	۴۰

(الفتح: ۲۱)	وَّاُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا﴾	٤١
(النجم: ۱۹)	اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی﴾	٤٥
(القمر: ۵۳)	وَكُلُّ صَغِیْرٍ وَّ كَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ﴾	٢٧٨
(الحشر: ۹)	ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا و یوثرون علی انفسهم ......الخ﴾	١٠٧
(الممتحنه: ۱)	یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ ......الخ﴾	١٢٣، ١٢٥
(الممتحنه: ۸)	لَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْكُمْ ......الخ﴾	٨٩، ٩٢، ١٤١، ١٥٩
(الممتحنه: ۹)	اِنَّمَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ ......الخ﴾	١٢٧
(الممتحنه: ۱۲)	وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ﴾	٨١
(القلم: ۱۰)	وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ﴾	١٥
(الانسان: ۸)	وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّاَسِیْرًا﴾	٩٣، ٢٣٦
(عبس: ۱۵، ۱۶)	بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍO كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾	١٩٤
(البروج: ۴)	قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ﴾	٢٥٦
(البلد: ۱۳)	فَكُّ رَقَبَةٍ﴾	٢٣٤
(قریش: ۱تا۴)	لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍO اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِO فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ ......الخ﴾	٢٧٠

((الا كلكم راع و كلكم مسئول......))	۱۲۴
((الا كل شيء من امر الجاهلية تحت قدميَّ موضوع، ودماء الجاهلية موضوعة، وان اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحارث))	۲۴۷
((الطاعة فى المعروف))	۸۱
((امرت ان اقاتل الناس حتى يقولو ا لا اله الا الله، فاذا قالوها عصموامنى دمائهم واموالهم الا بحقها))	۱۶۸
((انصر اخاک ظالماً أ ومظلوماً قالو: يارسول الله ، هذا ننصره مظلوماً ،فكيف ننصره ظالماً؟ فقال" تاخذ فوق يديه "))	۱۱۴
((من اعان على خصومة بظلمٍ فقد باء بغضبٍ من الله))	۱۱۵
((اذا بويع لخليفتين فاقتلوا الا خرمنهما))	۲۳۹
((اربع من كن فيه كان منافقاً خالصا))	۲۱
((استوصوا بالاسارى خيرا))	۲۳۶
((الا من ظلم معاهدا اوانتقصه او كلّفه فوق طاقته اواخذ منه شيئا بغير طيب نفسه فأنا حجيجه يوم القيامة))	۱۴،۲۱،۱۲۷،۲۸۲
((الا لا تحل اموال المعاهدين))	۲۶۶
((العمرة هى الحج الاصغر))	۱۸۷
((وايم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها))	۶۸
((المرأة يعقلها عصبتها ويرثهابنوها))	۱۰۸

((المسلمون على شروطهم إلا شرطاً حرم حلالاً او احلّ حراماً))	۲۷
((ان النبی ﷺ اشتری طعاماً من یهودی الی اجل و رهنه درعه من حدید))	۲۱۰
((ان الیهود والنصاری لا یصبغون فخالفوهم))	۱۷۹
((ان فرق ما بیننا و بین المشرکین العمائم علی القلائس))	۱۷۹
((ا ان ابراهیم حرّم مکة و انی حرمت المدینة ما بین لابتیها لا یقطع عضاهها ولا یُصادُ صیدها))	۷۶
((انا اولیٰ بالمومنین من انفسهم......))	۱۰۷
((انا بری من کل مسلم اقام مع المشرکین))	۱۸۰
((انا بری من مسلم بین المشرکین))	۲۰۷
((انی حرَّمت ما بینَ لا بتی المدینة کما حَرَّم ابراهیم علیه الصلوۃوالسلام مکة))	۷۶
((اوفوا بحلف الجاهلية فإنه (الاسلام) لا یزیده إلا شدة))	۱۵،۲۲
((توخذ من اغنیائهم فترد علی فقرائهم))	۱۷۱
((خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یؤتی الله الملک من یشآ))	۲۳۹
((دعو ا الحبشة ماودعوکم واترکوا الترک ماترکوکم))	۱۵۷
((عن ابن عمرؓ ان رسول الله ﷺ نهی عن بیع الولاء وعن هبته))	۱۰۴
((فوابیعة الاول فالأول))	۲۳۹
((فیما سقت الانهار والغیم العشور و فی ما سقی بالسانیه نصف العشر))	۱۶۶
((کل شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل))	۲۷

((من تعالىٰ قوما بغير اذن مواليه، فعليه لعنة الله والملائكة لا يقبل منه صرف ولاعدل))	۱۰۴
((من حالت شفاعته دون حد من حدود الله فقد ضاد الله))	۱۱۵
((من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة))	۱۲۷
((من كثر سواد قوم فهو منهم و من رضى عمل قوم كان شريک من عمل به))	۱۷۹
((من آذى ذميا فانا خصمه ومن كنت خصمه خصمته يو م القيامة))	۲۸۲
((يا ايهاالناس ألا إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربى على أعجمى ولا لعجمى على عربى ولا لأحمر على أسود ولا أسود على أحمر الا بالتقوى))	۱۳۴
((ياابا عمير ما فعل النعير))	۷۶
((آية المنافق ثلاث: اذا حدث كذب، واذا وعد اخلف، واذا ئتمن خان))	۲۰

مراجع ومصادر

۱ الآلوسی، محمود، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ۱۲۶۷ھ

۲ آلوسی، محمود شکری، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان (س ن)

۳ الاصبھانی، ابی الفرج علی بن الحسین، کتاب الاغانی، مؤسسۃ جمال للطباعۃ والنشر، بیروت

۴ الاصفھانی، امام راغب، ابوالقاسم حسین بن محمد، مفردات الفاظ القرآن فی غریب القران، المکتبۃ المرتضویۃ (س ن)

۵ ابن اثیر، عز الدین بن الأ ثیر ابی الحسن علی بن محمد، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، دار الشعب، قاہرہ (س ن)،

۶ ابن اثیر علی بن محمد، الکامل فی التاریخ، مطبعۃ أحمد الحلبی ۱۳۰۳ھ

۷ ابن الاثیر، علی ابن عبدالکریم الجزری، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، المطبعۃ العثمانیہ، مصر، (المطبعۃ الخیریۃ ۱۳۲۲ھ)

۸ البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، موسوعۃ الکتب الستۃ، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض، ۲۰۰۰ء

۹ البکری، ابی عبید عبداللہ بن عبدالعزیز، معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع، مطبعۃ لجنۃ التالیف والتراجم، قاہرہ: ۱۹۴۵ء

۱۰ البلاذری، احمد بن یحیٰی، انساب الاشراف دار المعارف، مصر (س ن)

۱۱ البلاذری، أحمد بن یحیٰی، فتوح البلدان، طبع قاہرہ: ۱۹۰۱ھ، طبع لیڈن: ۱۸۶۶ء

۱۲ البنا، احمد عبدالرحمٰن، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی مع مختصر شرح بلوغ الامانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان (س ن)

۱۳ البھوتی، منصور بن ادریس، کشاف القناع علی متن الاقناع، مطبعۃ أنصار السنۃ: ۱۹۴۷ء

۱۴ البیہقی، أحمد بن الحسین، السنن الکبریٰ، مطبعۃ دائرۃ المعارف العثمانیہ، حیدر آباد: ۱۳۵۴ھ

۱۵ پانی پتی، محمد ثناء اللہ، القاضی، التفسیر المظھری، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، (س ن)

۱۶ الترمذی، محمد بن عیسی، موسوعة الکتب الستة، دار السلام، ریاض ، ۲۰۰۰ء

۱۷ جرجی زیدان، العرب قبل الاسلام، دار مکتبة الحیاة، بیروت، لبنان: ۱۹۷۹ء

۱۸ الجصاص، ابی بکر احمد بن علی الرازی الحنفی، احکام القرآن، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان (س ن)

۱۹ ابوجعفر النحاس، احمد بن محمد، الناسخ والمنسوخ فی القرآن الکریم، طبع قاہرہ

۲۰ جمال الدین، صلاح الدین، نظام الجنسیة فی الشریعة الاسلامیة (دراسة مقارنة) طبع القاہرہ: ۲۰۰۱ء

۲۱ جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، دار العلم للملایین، بیروت: ۱۹۷۶ء

۲۲ ابن جوزی، زاد المیسر المکتب الاسلامی، بیروت (س ن)

☆ الخضری، محمد، أصول الفقه المطبعة الثالثه: ۱۹۳۸ء

۲۳ ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد، الصحیح، تحقیق شعیب الارنوط، مؤسسة الرسالة، بیروت: ۱۹۹۳ء

۲۴ ابن حبیب، ابی جعفر محمد بن حبیب البغدادی، وزارة المعارف، المملکة العربیة السعودیة

۲۵ ابن حزم، ابو محمد علی بن احمد الاندلسی، جمہرة انساب العرب، دار المعارف، قاہرہ (س ن)

۲۶ الحسن، محمد علی، العلاقات الدولیة فی القرآن والسنة، مکتبة النهضة الاسلامیة، عمان: ۱۹۸۲ء

۲۷ حسین، محمد بکر، النظم السیاسیة، الدولة والحکومة: ۱۹۸۱ء

۲۸ الحلبی، علی بن برهان، السیرة الحلبیة، المطبعة الأزهریة: ۱۳۲۹ء

۲۹ الحموی، أحمد بن محمد، شرح الاشباه والنظائر المسمی غمز عیون البصائر، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة، کراچی: ۱۴۱۸ھ

۳۰ ابن حنبل، احمد بن حنبل، مسند، المطبعة المیمنیة قاہرہ: ۱۳۱۳ھ

۳۱ الخرشی، أبوعبدالله محمد، فتح الجلیل علی مختصر خلیل، مطبعة بولاق: ۱۲۹۹ھ

۳۲ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، العبر ودیوان المبتدا والخبر فی أیام العرب والعجم والبربر، طبع مصر: ۱۲۸۴ھ

۳۳ خلیل، خلیل بن اسحاق، مختصر العلامة خلیل، مطبعة البابی الحلبی: ۱۳۳۳ھ

۳۴ الدار قطنی، علی بن عمر، سنن الدار قطنی، طبع ھند: ۱۳۱۰ھ

۳۵ ابوداؤد، سلیمان بن الأشعث السجستانی، موسوعۃ الکتب الستۃ، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض: ۲۰۰۰ء

۳۶ الداؤدی، ابوجعفر احمد ابن نصر، کتاب الاموال، مجمع البحوث الاسلامیۃ، اسلام آباد: ۱۹۹۵ء

۳۷ الدردیر، أحمد بن محمد بن أحمد، الشرح الکبیر علی مختصر خلیل، المطبعۃ الأزھریۃ: ۱۳۰۹ھ

۳۸ الدرینی، محمد فتحی، خصائص التشریع الاسلامی فی السیاسۃ والحکم، موسسۃ الرسالۃ، بیروت: ۱۹۸۲ء

۳۹ الدسوقی، محمد بن احمد بن عرفۃ، المالکی، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر للدردیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان: ۱۹۹۶ء

۴۰ الرازی، فخر الدین، مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) المطبعۃ الخیریۃ: ۱۳۰۷ھ

۴۱ ابن رشد الحفید، محمد بن أحمد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد، مطبعۃ الاستقامۃ: ۱۳۷۱ھ

۴۲ رشید رضا، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر المنار) دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، مطبعۃ المنار، قاہرہ: ۱۳۴۶ھ

۴۳ الزبیدی، محب الدین ابی الفیض السید محمد مرتضی الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، المطبعۃ الخیریۃ، مصر: ۱۳۰۶ھ

۴۴ الزحیلی، وھبۃ، المصطفی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دار الفکر، دمشق: ۱۹۸۹ء

۴۵ الزحیلی، وھبہ، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دراسۃ مقارنۃ، دار الفکر، دمشق، ۱۹۹۲ء

۴۶ الزرقانی، محمد بن عبدالباقی، شرح علی المواھب اللدنیۃ، طبع بولاق: ۱۲۹۱ھ، (قاہرہ: ۱۳۸۷ھ)
★ الزمخشری، ابی القاسم جار اللہ محمود بن عمر، المستقصیٰ فی امثال العرب، دار الکتب العلمیہ، بیروت: ۱۹۷۷ء۔
۴۷ ابوزہرۃ، محمد، العلاقات الدولیۃ فی الاسلام، دار الفکر العربی، قاہرہ (س ن)

۴۸ زیدان، عبدالکریم، احکام الذمیین والمستامنین فی دار الاسلام، ناشر جامعۃ بغداد، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۹۶۳ء

۴۹ الزیلعی، محمد بن عبداللہ، نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ، دار القبلۃ للثقافۃ الاسلامیہ، جدہ: ۱۹۹۷ء

۵۰ سالم، عبدالعزیز، دراسات فی تاریخ العرب، طبع الاسکندریۃ: ۱۹۶۸ء

۵۱ ابن سعد، محمد، طبقات الصحابۃ والتابعین، (الطبقات الکبیر)، دار صادر بیروت: ۱۹۶۸ء

۵۲ السمرقندی، أبی القاسم محمد بن یوسف، الفقه النافع، مجمع البحوث الاسلامیة، الجامعہ الاسلامیۃ العالمیۃ، اسلام آباد: ۱۹۹۶ء

۵۳ السمهودی، نورالدین علی بن احمد، وفاء الوفاء باخبار دار المصطفی، مطبعۃ السعادۃ، مصر: ۱۳۷۴ھ

۵۴ السهیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، الروض الأنف، دار النصر للطباعۃ، القاہرہ (مطبعۃ الجمالیۃ، مصر: ۱۳۳۳ھ)

۵۵ السید، رضوان، الامۃ والجماعۃ والسلطۃ، دراسۃ فی الفکر العربی المعاصر، دار اقراء، بیروت: ۱۹۸۶ء

۵۶ السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، الأشباہ والنظائر فی قواعد وفروع فقہ الشافعیۃ، شرکۃ مکتبہ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر: ۱۹۵۹ء

★ الشاطبی، ابراهیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعۃ، المطبعۃ الرحمانیۃ، مصر

۵۷ الشافعی، محمد بن ادریس، الام، دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۹۷۳ء

۵۸ الشامی، الصالحی، محمد بن یوسف، سبل الهدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، مجلس اعلی قاہرہ: ۱۳۵۲ھ

۵۹ الشربینی، محمد، مغنی المحتاج الی شرح المنهاج، مطبعۃ الحلبی: ۱۹۳۳ء

۶۰ شلتوت، محمود، الاسلام والعلاقات الدولیۃ مطبعۃ الازہریۃ

۶۱ الشوکانی محمد بن علی نیل الاوطار شرح منتقی الأخبار، المطبعۃ العثمانیۃ المصریۃ، ۱۹۵۷ء، ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۹۸۷ء

۶۲ الشیرازی، أبو اسحٰق ابراہیم بن علی، المهذب، مطبعۃ البابی الحلبی، القاہرہ: ۱۹۵۱ء

۶۳ الطبری، أبو جعفر محمد بن جریر، تاریخ الأمم والملوک، المطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ: ۱۳۲۶ھ

۶۴ الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان دار المعرفۃ، بیروت (س ن)

۶۵ الطرابلسی، علاء الدین، معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام، الطبعۃ الأولی: ۱۳۰۰ھ

۶۶ الطیار، علی بن عبدالرحمٰن، النزاعات الدولیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ والقوانین الوضعیۃ، الطبعۃ الاولی: ۱۴۲۴ھ

۶۷ الطیبی، شرف الدین حسین بن محمد، شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی: ۱۴۱۷ھ

۶۸ ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار، المطبعۃ الامیریۃ، قاہرہ، ۱۳۲۶ھ

۶۹ ابن عاشور، محمد الطاہر، أصول النظام الاجتماعی فی الاسلام، الشرکۃ التونسیۃ للتوزیع، تیونس (س ن)

۷۰ ابن عبدربہ، الأندلسی، العقد الفرید، مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمہ، قاہرہ:۱۹۵۲ء

۷۱ ابوعبید، القاسم بن سلام، الأموال، طبع القاہرہ:۱۳۵۳ھ

۷۲ العثمانی، مولانا، ظفر احمد، اعلاء السنن، دار الکتب العلمیہ، بیروت:۱۹۹۷ء

۷۳ ابن العربی، ابوبکر محمد بن عبداللہ، أحکام القرآن، مطبعۃ الحلبی، القاہرہ:۱۹۵۷ء

۷۴ العسقلانی، ابن حجر، أحمد علی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، دار المرفتہ، بیروت (س ن)

۷۵ عفیفی، محمد الصادق، الاسلام والمعاہدات الدولیۃ، مکتبۃ الانجلو المصریۃ، القاہرہ

۷۶ عفیفی، المجتمع الاسلامی وأصول الحکم دار الاعتصام، قاہرہ:۱۹۸۰ء

۷۷ العلی، صالح احمد، تنظیمات الرسول الاداریۃ فی المدینۃ، مجلۃ المجمع العلمی العراقی، بغداد، ج:۱۷، ۱۹۶۹ء

۷۸ العلی، صالح احمد، الدولۃ فی عہد الرسول، مطبعۃ المجمع العلمی العراقی:۱۹۸۸ء

۷۹ علی بن حسین علی الاحمدی، مکاتیب الرسول، دار صعب بیروت (س ن)

۸۰ عون الشریف قاسم، نشأۃ الدولۃ الاسلامیۃ علی عہد رسول اللہ، دار الکتاب المصری، القاہرہ:۱۹۸۱ء

۸۱ عیاد، جمال الدین، حکومۃ الرسول بالمدینۃ، دار الفکر الحدیث، مصر

۸۲ عیاض القاضی أبوالفضل عیاض بن موسی، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ، طبع البابی الحلبی:۱۹۵۰ء

۸۳ العینی، بدرالدین أبومحمد محمود، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، ۱۳۴۸ھ، احیاء التراث العربی، بیروت (س ن)

۸۴ الغزالی، محمد، فقہ السیرۃ، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۵ء

۸۵ الغزالی، محمد، حقوق الانسان بین تعالیم الاسلام واعلان الأمم المتحدہ، دار الدعوۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، الاسکندریۃ:۱۹۹۳ء

۸۶ الغضبان، منیر محمد، المنہج الحرکی للسیرۃ النبویۃ، مکتبۃ المنار، الزرقاء:۱۹۸۴ء

۸۷ فاروق حمادہ، التشریع الدولی فی الاسلام، منشورات کلیۃ الآداب والعلوم الانسانیۃ، رباط:۱۹۹۷ء

۸۸ ابن فرحون، محمد، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ ومناھج الاحکام، مطبعۃ الحلبی (س ن)

۸۹ القرافی، احمد بن ادریس، الفروق طبع البابی الحلبی، القاھرہ

۹۰ القلقشندی، احمد بن علی، صبح الاعشیٰ فی صناعۃ الانشاء، مصر، (س ن)

۹۱ القلقشندی، احمد بن علی، نہایۃ الارب فی معرفۃ انساب العرب، دار الکتب العلمیۃ بیروت، (س ن)

۹۲ ابن قیم، محمد بن قیم الجوزیۃ، زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، (تحقیق عبدالرزاق المھدی) دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان

۹۳ ابن قیم، محمد بن قیم الجوزیۃ، أحکام أھل الذمۃ، دار العلم للملایین، بیروت: ۱۹۸۳ء

۹۴ الکتانی، عبدالحی، التراتیب الاداریۃ، احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان

۹۵ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، مکتبۃ المعارف، بیروت (س ن)

۹۶ ابن کثیر، ابوالفداء عماد الدین اسماعیل، تفسیر القرآن العظیم، مطبعۃ المنار: ۱۳۴۶ھ

۹۷ الکیاھراسی، عماد الدین بن محمد الطبری، احکام القرآن، دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان: ۱۹۸۵ء

۹۸ ابن ماجہ، محمد بن یزید بن ماجہ، سنن المصطفیٰ المطبعۃ العلمیۃ، مصر: ۱۳۱۳ھ

۹۹ مالک، مالک بن انس، الموطا، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی، کویت: ۱۹۹۸ء

۱۰۰ مالک، مالک بن أنس، المدونۃ الکبریٰ، مطبعۃ السعادۃ: ۱۳۲۳ھ

۱۰۱ الماوردی، علی بن محمد بن حبیب، الأحکام السلطانیۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان: ۱۹۹۹ء

۱۰۲ محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدہ، دار الارشاد، بیروت، (طبع ثالث): ۱۹۶۹ء

۱۰۳ المراغی، احمد، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر (س ن)

۱۰۴ المزنی، اسماعیل بن یحیٰ، مختصر المزنی، دار المعرفۃ، بیروت (س ن)

۱۰۵ المسعودی، أبوالحسن علی بن الحسین، التنبیہ والاشراف، دار صعب، بیروت، س ن

١٠٦ مسلم، مسلم بن الحجاج بن مسلم، صحیح مسلم، موسوعۃ الکتب الستۃ، دار السلام للنشر والتوزیع، الریاض: ۲۰۰۰ء

١٠٧ ابن منظور، ابوالفضل، جمال الدین محمد بن مکرم الافریقی، لسان العرب، طبع قم، ایران: ۱۴۰۵ھ

١١٨ مودودی، ابوالأعلی، نظریۃ الاسلام السیاسیۃ، مطبعۃ الکتاب، قاہرہ: ۱۹۵۱ء

١١٩ ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم الحنفی، الاشباہ والنظائر، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۳ء

١١٠ النسائی، احمد بن شعیب، سنن، موسوعۃ الکتب الستۃ، دار السلام، ریاض: ۲۰۰۰ء

١١١ النووی، یحیٰ بن شرف، شرح مسلم، نور محمد اصح المطابع، کراچی: ۱۳۷۵ھ

١١٢ وجدی، دائرۃ معارف القرن الرابع عشر۔ العشرین، مطبعۃ دائرۃ المعارف: ۱۹۲۳ء

١١٣ الواقدی، محمد، المغازی، مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت، لبنان (س ن)

١١٤ ھانی، سلیمان، حقوق الانسان، وحریاتہ الأساسیۃ، دار الشروق، عمان: ۲۰۰۱ء

١١٥ ابن ہشام، عبدالملک ابن ہشام، طبعۃ الحلبی، القاہرہ: ۱۹۵۵ء۔ دار احیاء التراث العربی، بیروت

١١٦ ابن الھمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد، شرح فتح القدیر، مطبعۃ الکبریٰ، مصر: ۱۳۱۶ھ

١١٧ الھندی، علی المتقی بن حسام الدین، کنزل العمال فی سنن الاقوال والافعال، موسسۃ الرسالۃ، بیروت: ۱۹۷۹ء

١١٨ الھیثمی، نور الدین علی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مکتبۃ القدسی، القاہرہ: ۱۳۵۳ھ

١١٩ یحیٰ بن آدم، الخراج، المکتبۃ العلمیہ لاہور۔ دار المعرفۃ بیروت لبنان، (تحقیق، احمد شاکر)

١٢٠ الیعقوبی، أحمد بن أبی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، دار صادر بیروت، لبنان (س ن)

١٢١ أبو یعلی، محمد بن الحسین الفراء، الأحکام السلطانیۃ، مطبعۃ البابی الحلبی، قاہرہ: ۱۳۵۷ھ

١٢٢ أبو یوسف، یعقوب بن ابراہیم، الخراج، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان

(اردو کتب)

۱۲۳ رضوی، مولانا، سید محبوب، مکتوبات نبوی، ادارہ اسلامیات لاہور (س ن)

۱۲۴ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم الدھلوی، البدور البازغۃ (اردو ترجمہ) وزارت مذہبی امور پاکستان

۱۲۵ صدیقی، یاسین مظہر، عہد نبوی کا نظامِ حکومت، الفیصل ناشران، کتب لاہور: ۱۹۹۵ء

۱۲۶ عمری، سید جلال الدین، غیر مسلموں سے تعلقات اوران کے حقوق، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

۱۲۷ محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دار الاشاعت کراچی: ۱۹۸۷ء

۱۲۸ محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی: ۱۹۸۷ء

۱۲۹ ندوی، محمد سلیمان، مولانا، تاریخ ارض القرآن، محمد سعید اینڈ سنز کمپنی، کراچی

130 Jamshed A. Hamid, Status of Treaties in Islam, A comparison with contemporary practice, Shari'ah Academy, International Islamic University Islamabad, 2001

131 Watt, W. Montgomery, Muhammad's Mecca, Edinburgh University Press,1998

132 Watt, W. Montgomery, Muhammad at Madina, Oxford University press, London, 1956

133 Encyclopedia Americana, U.S.A, Americana Corporation, 1961

134 The World Book Encyclopedia, Field enterpreses Educational Corporation Chicago.

* Gibbon, Edward, The History of The decline and fall of The Roman Empire London, George Be

* Majid Khuddri